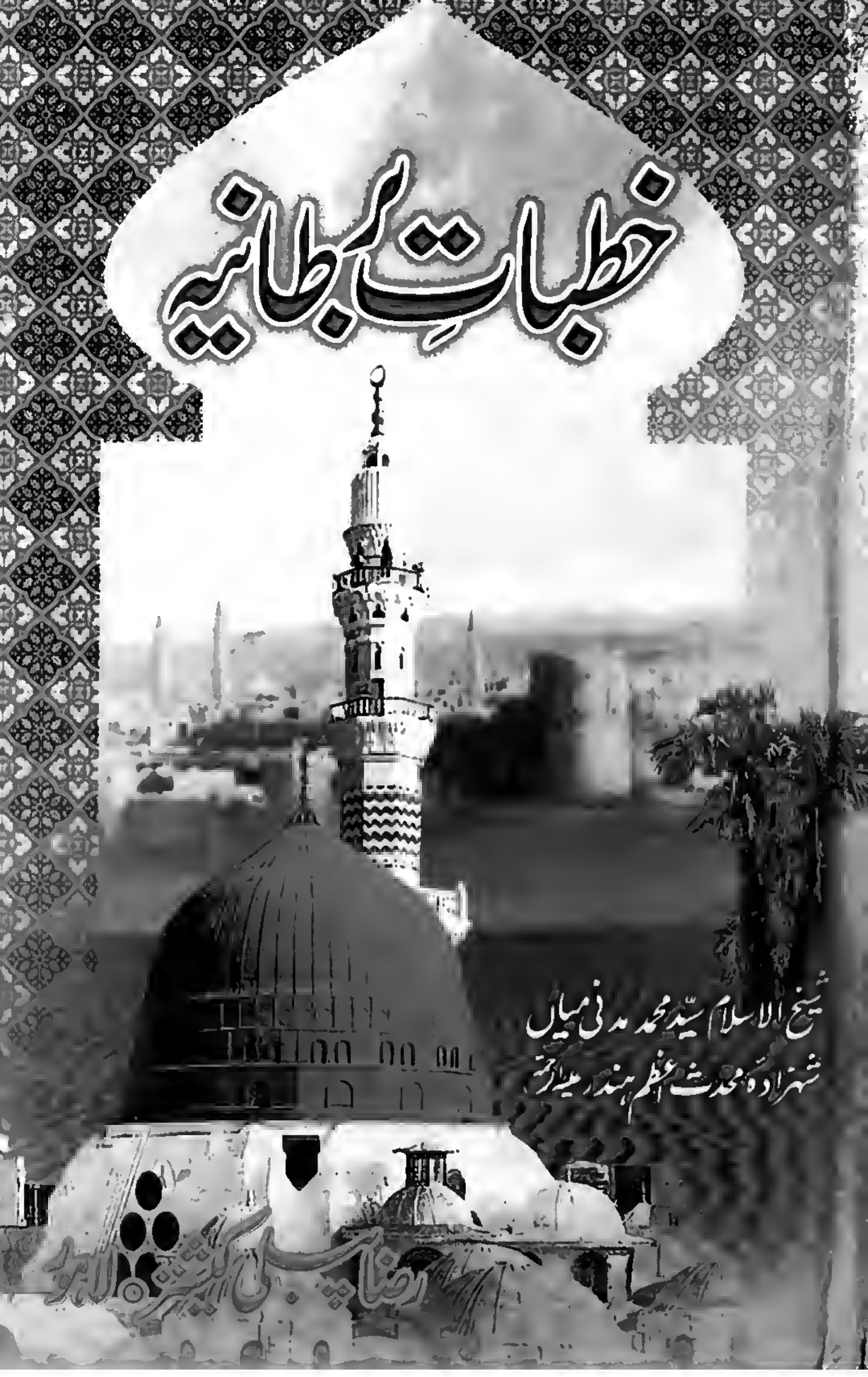

خطباتِ برطانیہ

شیخ الاسلام سیّد محمد مدنی میاں
شہزادہ محدث اعظم ہند علیہ الرحمہ

رضا پبلی کیشنز لاہور

دیارِ فرنگ میں اسلام کا اُجالا

خطباتِ برطانیہ

شیخ الاسلام سیّد محمد مدنی میاں
شہزادۂ محدث اعظم ہند علیہ الرحمۃ

رضا پبلی کیشنز ○ لاہور

جملہ حقوق محفوظ

بیاد: امام اہل سنت مجدد دین وملت، نائب غوث اعظم
امام احمد رضا خان قادری بریلوی قدس سرہ العزیز
بفیضان نظر حکیم اہل سنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری علیہ الرحمۃ

کتاب ------------ خطبات برطانیہ
خطیب ------------ علامہ سید محمد مدنی میاں اشرفی الجیلانی
صفحات ------------ 304
تعداد ------------ گیارہ سو
اہتمام ------------ صاحبزادہ میاں زبیر احمد موسوی گنج بخشی قادری نیازی
سن اشاعت ------------ ربیع الانور ۱۴۲۴ھ، مئی 2003ء
ناشر ------------ رضا پبلی کیشنز۔ لاہور
ہدیہ ------------

تقسیم کار
فرید بکسٹال۔ اردو بازار۔ لاہور

آئینہ

نورِ مصطفیٰ ۷
عظمتِ مصطفیٰ ۴۱
وسیلہ ۸۲
فضیلتِ رسول ۱۱۷
علمِ غیب ۱۵۱
رحمتِ عالم ۱۸۹
رفعتِ مصطفیٰ ۲۲۴
محبتِ اہل بیت ۲۵۷
بشریت ۲۸۲

حرفِ آغاز

اس پُرخطر دور میں جبکہ ہر طرف خطرات کے مہیب بادل منڈلا رہے۔ جور و استبداد کے طوفان بلاخیز اُٹھ ہیں، ایمان کی شمع کو گل کرنے اور حبِ رسول کے جذبہ کو قلوب واذہان سے محو کرنے کے لیے طرح طرح کی فتنہ بازیاں اور شر انگیزیاں سرگرم عمل ہیں۔ اغیار کی چیرہ دستیاں اور ستم ظریفیاں انتہا کو پہنچ چکی ہیں۔ ان دل سوز اور دل خراش حالات میں دین متین کی تبلیغ واشاعت کا فریضہ بڑی اہمیت اختیار کرتا جا رہا ہے خاص کر دیارِ فرنگ میں جہاں ایمان کی روشنی پھیلانے اور حبِ رسول کی خوشبو بسانے اور ضلالت و گمراہی کے امنڈتے ہوئے سیلاب کو روکنے کے لیے ضروری ہے کہ عوام الناس کو اسلام کی زیبائیوں اور رعنائیوں سے روشناس کرایا جائے تاکہ وہ اس مینارۂ نور کی ضیا بار کرنوں کی طلعتوں میں اپنی منزلِ مقصود کی طرف رواں دواں رہ سکیں۔

انہی مقاصدِ جلیلہ کے پیش نظر حضرت شیخ الاسلام سید محمد مدنی میاں دامت برکاتہم العالیہ نے دیارِ فرنگ کا رُخ کیا۔ مختلف مقامات پر آپ نے بڑی محققانہ، عالمانہ اور مدبرانہ تقاریر فرمائیں۔ حضرت کی تقاریر کو بہت سراہا گیا۔ ان کی مقبولیت کا یہ عالم ہے کہ آج بھی مختلف ممالک میں ان کے کیسٹ گردش کناں ہیں اور بے اندازہ فروخت ہو رہے ہیں۔

سرزمین ہند میں "خطباتِ برطانیہ" کے یکے بعد دیگرے دو ایڈیشن ہاتھوں ہاتھ نکلے۔ ان کی اہمیت و ضرورت کے پیشِ نظر راقم الحروف نے خیال کیا کہ ہو نہ ہو اسے زیورِ طباعت سے آراستہ کر کے منظرِ عام پر لایا جائے۔ آیئے! حضور سرورِ کائنات، فخرِ موجودات سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی معنبریں یاد سے اپنے غنچہ ہائے دل کو معطر کیجیے اور خزاں رسیدہ دل کو بہار آفریں بنائیے ؎

ہے ان کے عطرِ بوئے گریباں سے مست گُل
گُل سے چمن، چمن سے صبا اور صبا سے ہم

دُعاؤں کا طالب
ضیاء المصطفیٰ قصوری
آرگنائزر اسلامک ورکنگ کمیٹی۔ پاکستان

کچھ مصنف کے بارے میں

تحریکِ پاکستان کے دنوں میں ایک ایسی آواز گونج رہی تھی، جس میں سوز بھی تھا اور ساز بھی، جس میں جذب و کیف بھی تھا اور سحر آفرینی بھی، جس میں شعلہ جوالہ بھی تھا اور حرارتِ ایمانی کا جذبہ بھی، جس میں علم و حکمت کے موتی بھی تھے اور عرفانِ شریعت کے جواہرات بھی، جس میں ملت اسلامیہ کی راہنمائی بھی تھی اور ان کے لیے خلوص و محبت کے جذبات بھی۔ بالکل اسی سے ملتی جلتی آواز چند سال قبل سرزمینِ برطانیہ پر گونج رہی تھی، جو اسی آواز کی مظہر تھی، وہی جوش اور ولولہ، وہی جذبہ و انداز۔ وہی دل کشی اور رعنائی۔ وہ آواز عندلیبِ ہند حضرت محدثِ اعظم سیّد محمد کچھوچھوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کی تھی۔ اور یہ آواز انہی کے فرزند ارجمند حضرت شیخ الاسلام مولانا سیّد محمد میاں دامت برکاتہم العالیہ کی تھی۔ حلقہ ہائے اہل علم و اہلِ قلم میں موصوف کی ذات کسی تعارف کی محتاج نہیں۔ اہلِ پاکستان کی اکثریت موصوف سے ناآشنا ہے، اس لیے آپ کا اجمالی تعارف پیشِ خدمت ہے۔

اسمِ گرامی سیّد محمد مدنی، والد محترم حضور محدثِ اعظم سیّد محمد کچھوچھوی علیہ الرحمۃ ہیں۔ ۱۹۳۷ء سن ولادت ہے۔ علمی اور روحانی گھرانے میں آنکھ کھولنے کی وجہ سے آپ کی ذات بھی ان صفات سے ہم آہنگ ہے۔ ماحول کی نزاکت و لطافت اور اخلاق کی طہارت و نظافت نے موصوف کی تربیت کو غنچۂ نوشگفتہ کی رعنائی و زیبائی بخشی۔

ابتدائی تعلیم کچھوچھہ شریف میں ہی حاصل کی۔ بعد ازاں اعلیٰ تعلیم کے حصول کے لیے دنیائے اسلام کی عظیم درس گاہ "الجامعۃ الاشرفیہ" مبارک پور بھیج دیئے گئے۔ یہ وہی

دانش کدۂ علم و حکمت ہے جو محدثِ کبیر جلالۃ العلم حافظِ ملت شاہ عبد العزیز رحمۃ اللہ علیہ کی زیرِ نگرانی علم و عرفان کے موتی لٹاتا رہا۔ جہاں پر ہزاروں تشنگانِ علم نے اپنی علمی پیاس بجھائی۔ حضرت مدنی میاں دامت برکاتہم العالیہ نے اس عظیم شخصیت ساز ہستی کے علمی سمندر سے خوب گراں قدر جواہر کا استخراج کیا۔

یہ ان کی تربیت کا ہی نتیجہ ہے کہ آج موصوف افقِ ہند پر ایک عظیم شخصیت پر ابھر رہے ہیں جن ہستیوں سے آپ نے علمی روشنی حاصل کی ان میں آپ کے والد بزرگوار حضور محدثِ اعظم ہند شمس العلماء علامہ قاضی شمس الدین جونپوری، جلالۃ العلم حافظ ملت علامہ شاہ عبد العزیز مرادآبادی، علامہ غلام جیلانی اعظمی، علامہ عبد المصطفٰے اعظمی، علامہ عبد الرؤف بلیاوی، بحر العلوم علامہ مفتی عبد المنان اعظمی، علامہ مظفر حسن ادیبؔ، علامہ سید شمس الحق اعظمی، حضرت سید حامد اشرف اور حضرت قاری محمد یحییٰ اعظمی کے نام قابلِ ذکر ہیں۔

جہاں آپ ہندوستان بھر میں اپنی تحریر و تقریر سے فریضۂ تبلیغ ادا فرما رہے ہیں، وہاں آپ دیارِ فرنگ میں بھی اپنے زورِ خطابت کا جادو جگا رہے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ حضرت شیخ الاسلام کی جولانیوں کو مزید رفعت بخشے اور اہلِ اسلام پر ان کا سایہ تا دیر قائم رکھے۔ آمین ثم آمین!

خطبہ (۱)

نُور

قَدْ جَاءَ كُمْ مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ

مَنَّ عَلَيْنَا رَبُّنَا اِذْ بَعَثَ مُحَمَّدًا   اَيَّدَهٗ بَايْدِهٖ اَيَّدَ نَا بَاَحْمَدًا
اَرْسَلَهٗ مُبَشِّرًا اَرْسَلَهٗ مُمَجَّدًا   صَلُّوْا عَلَيْهِ دَائِمًا صَلُّوْا عَلَيْهِ سَرْمَدًا
نہ تخت وتاج نہ سیم وگہر کی بات کرو   جو خیر چاہو تو خیر البشر کی بات کرو
حجر کے روپ میں یاقوت کو حجر نہ کہو   بشر کے بھیس میں لاکالبشر بات کرو
سمجھ سکیں نہ جو اسرار اَيُّكُمْ مِثْلِىْ   وہ کم نظر ہیں کسی دیدہ ور کی بات کرو

اگر خاموش رہوں تو تو ہی سب کچھ ہے
جو کچھ کہا تو تیرا حسن ہو گیا محدود

درود پاک اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى اَنْ تُصَلِّىَ اِلَيْهِ-۳ بار

آیت میں دو مشہور اعتراض کا جواب

میں نے قرآن شریف کی ایک بہت ہی مشہور و معروف آیۂ کریمہ کی تلاوت کا شرف حاصل کیا ہے، مجھ کو خیال ہو رہا ہے مولانا حسن آدم کے بیان کے اس حصے سے جو انہوں نے میرے سامنے پیش کیا ہے۔ غالباً انہوں نے اسی آیۂ کریمہ کی تلاوت کی ہوگی۔ آیۂ کریمہ چند کلمات کا مجموعہ ہے، مگر خدا کے کلام کی بلاغت تو دیکھیے، کلامِ الٰہی کی عظمت کا اندازہ تو لگائیے کہ چند لفظوں میں دو مشہور اعتراض کا جواب دے دیا۔ سوال دو اور دونوں کا جواب صرف

یہی آیہ کریمہ ہے۔ ہم سب کے رسول کے بارے میں ایک خیال یہ تھا کہ یہ اللہ کے رسول نہیں، یہ خدا کی طرف سے آئے ہیں، ہم یہ نہیں مانتے۔ خدا کی طرف سے پیغام لاتے ہیں، ہم اس کو تسلیم نہیں کرتے لَسْتَ مُرْسَلًا۔ آپ اللہ کے رسول نہیں ہیں۔ آپ خدا کی طرف سے آنے والے نہیں ہیں اور دوسرا خیال اس دور سے آج تک یہ چلا آرہا ہے کہ یہ تو ہم مانتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے ہیں، مگر بس ان میں ہم میں اتنا ہی فرق ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے ہیں اور ہم خدا کے رسول نہیں۔ بقیہ معاملے میں سارا معاملہ برابر ہے، حالانکہ صرف اتنا فرق ہی بہت بڑا فرق تھا۔ اگر نادانوں نے سمجھ سے کام لیا ہوتا۔ کس قدر غضب کی بات ہے کہ یہ سوچنے اور لب و لہجے میں کہنے لگے ہیں کہ آئے ہیں خدا کی طرف سے آنے دو ہیں اللہ کے رسول ہونے دو، مگر یہ ہمارے ہی جیسے ہیں، یہ ہماری ہی طرح ہیں، ان کا اٹھنا بیٹھنا دیکھو۔ ان کا چلنا پھرنا دیکھو، ان کا کھانا پینا دیکھو، ان کا سونا جاگنا دیکھو۔ غزوۂ احد میں دندانِ مبارک کا شہید ہونا دیکھو، طائف میں لہولہان ہونا دیکھو، مکے کی گلیوں میں کانٹوں کا چبھنا دیکھو۔ یہ ساری باتیں بتا رہی ہیں کہ یہ ہماری ہی طرح ہیں۔ یہ اعتراض کرنے والوں نے کیا، سوچنے والوں نے سوچا، لکھنے والوں نے لکھا۔

بہرحال مختلف انداز سے یہ دو بڑے اعتراض پیش کیے گئے۔ دونوں کا جواب اس آیت نے دیا۔ جس نے یہ کہا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں آئے، ان کا جواب ہے قَدْ جَآءَكُمْ مِنَ اللّٰهِ۔ یہ خدا کریم کی طرف سے آیا ہے اور جو یہ سوچتے ہیں، یہ خدا تعالیٰ کی طرف سے آنے والا بالکل ہماری طرح ہے، ان کا جواب یہ ہے مِنَ اللّٰهِ نُوْرٌ۔ یہ آنے والا خدا کی طرف سے نور ہے تمہارے جیسا نہیں ہے۔ مختصر سے کلمے کے اندر، مختصر سے جملے کے اندر دو اہم اعتراض کا جواب دے دیا۔

دوستو! اس مقام پر ایک بات کہہ کر میں آگے بڑھوں کہ میرے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سیرتِ طیبہ کا مطالعہ کرنے والو، میرے رسول کی زندگی سے واقف ہونے والو، میرے رسول

کی زندگی اور سیرت کو معلوم کرنے والو، میں کوئی ایسی بات نہ کہوں گا جس سے آپ یہ سمجھیں کہ میں زبردستی کوئی حکم آپ کے اوپر لاد رہا ہوں۔ میرے رسول کی زندگی کا مطالعہ کرنے والو میں یہ کبھی نہیں کہہ سکتا کہ آپ رسول کا چلنا پھرنا نہ دیکھیں، آپ رسول کا سونا جاگنا نہ دیکھیں، آپ رسول کا کھانا پینا نہ دیکھیں۔ اے لوگو! میں کبھی ایسا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ میں تو تم سے اقرار کرتا ہوں کہ رسول کی زندگی کے ہر گوشے کو دیکھو، رسول کی سیرت کے ہر پہلو کو دیکھو۔ اگر تم میرے رسول کے اٹھنے بیٹھنے کو نہیں دیکھو گے، تو تمہیں اٹھنے بیٹھنے کا سلیقہ کہاں سے آئے گا؟ اگر تم میرے رسول کے کھانے پینے کو نہیں دیکھو گے، تو تمہیں کھانے پینے کا ڈھنگ کہاں سے آئے گا؟ اگر تم میرے رسول کے چلنے پھرنے کے انداز کو نہیں دیکھو گے، تو تمہیں چلنے پھرنے کا طریقہ کون بتائے گا؟ اگر تم میرے رسول کے دندانِ مبارک کو شہید ہوتے نہ دیکھو گے، تو گردن کٹانے کا جذبہ کیسے پیدا ہو گا؟

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَ مَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی اَنْ تُصَلِّیَ اِلَیْہِ۔

تو میں کیسے کہہ سکتا ہوں کہ رسول کی ان پیاری پیاری اداؤں کو نہ دیکھو۔ اے دیکھنے والو دیکھو، خوب اچھی طرح سے دیکھو، خوب سمجھ کر دیکھو۔ مگر میں اتنی گزارش کروں گا، اتنی درخواست کروں گا، اپنی طرف سے یہ التماس آپ کے سامنے پیش کروں گا۔ بھئی دیکھو مگر ایک نظر سے مت دیکھو، یک طرفہ مت دیکھو، اے دیکھنے والو ضرور دیکھو، میں نہیں کہتا کہ مت دیکھو، مگر اتنا تو اصرار کرنے کا مجھے بھی حق ہے کہ میرے رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو اگر تم زمین پر چلتا دیکھو، تو کہکشاں سے گزرتا ہوا بھی دیکھ لو، عرش کے اوپر گامزن بھی دیکھ لو۔ اگر دندانِ مبارک کا شہید ہونا دیکھو تو معراج کی رات سینہ شق ہو گیا ہے۔ ایک قطرہ خون نہیں نکلا، یہ منظر بھی تو دیکھ لو۔ اے دیکھنے والو، اگر مکے میں چلتا پھرتا دیکھو تو سورج کو پلٹانا بھی دیکھ لو۔ چاند کے ٹکڑے کرنا بھی دیکھ لو۔ درختوں سے اپنی اطاعت کرانا دیکھ لو، جانوروں سے سجدہ کرانا دیکھ لو، کنکریوں سے کلمہ پڑھانا دیکھ لو۔ اے دیکھنے والو یہ بھی دیکھو، وہ بھی دیکھو۔

میرے کہنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ایک ہی پہلو کو دیکھ کر رہ جاؤ، یہ بھی دیکھو، وہ بھی دیکھو۔ ذدلوں کا دیکھنا ضروری ہے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ صرف کمالات ہی دیکھو، میں یہ نہیں کہتا کہ صرف معجزات ہی پر نظر رکھو، یہ بھی دیکھو، وہ بھی دیکھو۔ میرے رسول کا آسمان پر چلنا پھرنا ہی کمال نہیں ہے، بلکہ میرے رسول کا زمین پر چلنا پھرنا یہ خود ایک کمال ہے۔ یہ بھی دیکھو وہ بھی دیکھو دونوں کے دیکھنے کا پھر اصرار کرتا ہوں۔ کیوں اصرار کرتا ہوں۔ اصرار کی وجہ یہ ہے کہ دیکھو! جب تک میرے رسول کو اٹھتا بیٹھتا دیکھو گے، جب تک تم میرے رسول کو سوتا جاگتا دیکھو گے، جب تک کھاتا پیتا دیکھو گے، جب تک چلتا پھرتا دیکھو گے، جب تک دندانِ مبارک کا شہید ہونا دیکھو گے، جب تک آپ کا لہولہان ہونا دیکھو گے، جب تک خاروں اور کانٹوں کا چبھنا دیکھو گے، جب تک تم یہ سب دیکھتے رہو گے، اس رسول کو تم خدا نہیں کہہ سکتے اور جب رسول کو عرش سے گزرتا دیکھو گے، سورج کو پلٹاتا دیکھو گے، چاند کو ٹکڑے کرتا دیکھو گے، درختوں کو اطاعت کراتا دیکھو گے، جانوروں کو سجدہ کراتا دیکھو گے، کنکریوں سے کلمہ پڑھاتا دیکھو گے۔ جب تم یہ سب کچھ دیکھو گے، تو اس رسول کو اپنے جیسا نہ کہہ سکو گے، اسی لیے تو میں کہتا ہوں کہ یہ بھی دیکھو، وہ بھی دیکھو۔ نہ خدا کہہ سکو نہ اپنے جیسا کہہ سکو۔

نور کہاں سے آیا؟

یقیناً آگیا تمہارے پاس اللہ کی جانب سے نور۔ لفظ آگیا پر غور کرو۔ مثال کے طور پر میں اگر تم سے کہوں کہ مولانا حنیف صاحب آگئے، حضرت پیر نورانی میاں صاحب آگئے حضرت مولانا حسن آدم صاحب آگئے، تو اس کا مطلب کیا؟ مولانا حنیف صاحب آگئے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ پہلے کہیں تھے، وہاں سے آئے۔ یہی تو مطلب ہے نا؟ کوئی بیوقوف انسان بھی یہ مطلب نہیں لے گا کہ مولانا آج پیدا ہوئے ہیں۔ میں مولانا کی تخلیق کی بات نہیں کر رہا ہوں۔ میں مولانا کی آمد کی بات کر رہا ہوں۔ مولانا آگئے تو اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ کہیں تھے، وہاں سے آئے ہیں۔ تو اب یہ بتاؤ مولانا وہاں کے ہیں یا یہاں

کے ہیں ؟ جہاں سے آئے ہیں، وہیں کے تو ہوں گے، جہاں سے بھی آئے ہوں۔ اگر یہ ہندوستان سے آئے ہیں تو ہندوستانی ہی ہوں گے۔ اگر یہ پاکستان سے آئے تو پاکستانی ہی ہوں گے۔ اگر یہ رُوس سے آئے ہیں تو رُوسی ہی تو کہے جائیں گے۔ اگر یہ امریکہ سے آئے ہیں تو امریکی ہی تو کہے جائیں گے۔ دیکھو خود برطانیہ میں جو ہندوستان سے آیا ہوا ہے، اسے ہندوستانی کہا جاتا ہے اور جو پاکستان سے آیا ہوا ہے، اسے پاکستانی کہا جا رہا ہے۔ تو معلوم ہوا کہ انسان وہاں کا ہوتا ہے جہاں سے آتا ہے۔ اور اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ نور آ گیا۔ کہاں سے آیا ؟ عرب سے آیا، رُوس سے آیا، امریکہ سے آیا، برطانیہ سے آیا، جنوب سے آیا، شمال سے آیا، مشرق سے آیا، مغرب سے آیا۔ یہ نور کہاں سے آیا ؟ ہمیں تلاش کرنا ہے، اس لیے کہ جہاں سے یہ آیا ہے، وہ وہیں کا ہے، یہاں کا نہیں ہے۔ اس مقام پر یہ خیال رہے کہ اس وقت بات تخلیق کی نہیں ہو رہی، بلکہ آمد کی ہو رہی ہے۔

الغرض ہم کو یہ پتہ لگانا پڑے گا کہ یہ آنے والا کہاں سے آیا ہے ! یہ ظاہر ہے کہ جہاں پیدا ہوا تھا یہ وہیں کا تو ہوگا ؟ اور وہیں سے تو آیا ہوگا ؟ تو اب کہاں پیدا ہوا ؟ مکے میں پیدا ہوا؟ مدینے میں پیدا ہوا؟ عرب میں پیدا ہوا؟ بنو ہاشم میں پیدا ہوا؟ تو جواب رسول خود دیتے ہیں۔ سُنو! میرے نور کے بارے میں تم سوال کر رہے ہو، سنو! اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ (سب سے پہلی مخلوق میرا نور ہے) کُنْتُ نَبِیًّا وَّ اٰدَمُ بَیْنَ السَّمَاءِ وَالطِّیْنِ (میں اس وقت بھی نبی تھا جب حضرت آدم آب و گل کی منزلیں طے کر رہے تھے) کُنْتُ نَبِیًّا وَاٰدَمَ بَیْنَ الرُّوْحِ وَالْجَسَدِ۔ (میں اس وقت بھی نبی تھا جس وقت حضرت آدم روح و جسد کی منزلیں طے کر رہے تھے) کُنْتُ نَبِیًّا وَّاٰدَمُ لَمُنْجَدِلٌ فِیْ طِیْنَتِہٖ (میں اس وقت بھی نبی تھا جب حضرت آدم آب و گل کی منزلیں طے کر رہے تھے) اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ (سب سے پہلی

مخلوق میرا نور ہے) تو معلوم ہوا میرا رسول تو اس وقت پیدا ہو گیا تھا جب نہ عرب تھا نہ عجم۔ نہ زمین تھی نہ آسمان۔ نہ شمال تھا نہ جنوب۔ نہ مشرق تھا نہ مغرب۔ نہ فرش تھا نہ فرشی۔ نہ آگ تھی نہ آتشی۔ نہ باد تھی نہ بادی۔ نہ آب تھا نہ آبی۔ ابھی زمین کا فرش نہیں بچھایا گیا، ابھی آسمان کا شامیانہ نہیں لگایا گیا، ابھی چاند و سورج کے چراغ نہیں جلائے گئے۔ ابھی ستاروں کی قندیلیں روشن نہیں کی گئیں۔ ابھی آبشار کے نغمے جاری نہیں کیے گئے۔ ابھی دریاؤں کی روانی بھی نہیں ہے، ابھی پہاڑوں کی بلندیاں بھی نہیں ہیں، کچھ بھی نہیں ہے، مگر نورِ محمدی جلوہ گر ہے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى اَنْ تُصَلِّيْ اِلَيْهِ۔

تو اب ہمیں سوچنا ہے، ہمیں غور و خوض کرنا ہے۔ یہ کہاں سے آیا۔ اگر تم کہو عرب سے آیا ہے، میں کہوں گا کہ عرب کا وجود ہی نہیں تھا۔ اگر کہو مکے سے آیا میں کہوں گا مکّہ پتہ نہیں کہاں تھا؛ اگر کہو مدینہ سے آیا تو مدینے کا وجود ہی نہیں تھا۔ اگر کہو آسمان سے آیا، تو آسمان کا وجود ہی نہیں تھا۔ جب کسی بھی چیز کا وجود ہی نہیں تھا تو یہ نور کہاں سے آیا؟ تو قرآنِ کریم گویا ہوتا ہے؛ اے تلاش کرنے والے۔ اِدھر اُدھر ذہنوں کو دوڑانے والے یہ نور مکّہ سے نہیں آیا، یہ نور مدینہ سے نہیں آیا، یہ نور روس اور امریکہ سے نہیں آیا۔ یہ نور آسمان کے کسی حصّے سے نہیں آیا، یہ نور زمین کے کسی کونے سے نہیں آیا۔ یہ نور چاند کی دنیا سے نہیں آیا، یہ نور مریخ کی کائنات سے نہیں آیا۔ یہ نور کسی دنیا سے نہیں آیا۔ یہ نور آیا ہے تو مِنَ اللّٰهِ۔

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ یہ آنے والا عالمِ لاہوت سے آیا ہے، یہ آنے والا بارگاہِ الٰہی سے آیا ہے۔ یہ آنے والا عالمِ قدس سے آیا ہے۔ تو یہ جب اس عالم سے آیا ہے تو یہاں کا نہیں وہاں کا ہے۔ تو اب اس نور کو عربی نہ کہنا اس نور کو عجمی نہ کہنا، اس نور کو مکّی نہ کہنا، اس نور کو مدنی نہ کہنا، اس نور کو مُطّلبی نہ کہنا، اس

نور کو ہاشمی نہ کہنا۔ اگر کہنا ہے تو اس نور کو قدسی کہنا۔ یہ عالمِ قدس سے آیا ہے۔ اس نور کو لاہوتی کہنا۔ یہ عالمِ لاہوت سے آیا ہے۔ یہ ایسے عالم سے آیا ہے جس کو عالم کہنا بھی حقیقت نہیں

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی اَنْ تُصَلِّیَ عَلَیْہِ۔

رسول عربی کون تھے ؟

مگر ایک شک ہو گیا ہمارے پیچھے علمائے کرام بیٹھے ہوئے ہیں۔ اب اگر میں نے شک کو دور نہیں کیا، تو آپ کچھ تو نہ کرو گے، مگر یہ گلا نا ہیں گے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ مدنی نہیں۔ اگر یہ مکّی نہیں تو ذرا ہمیں یہ بتاؤ کہ حضرت عبداللہ کے گھر کون پیدا ہوا؟ حضرت آمنہ کی گود میں کون ستارا چمکا؟ یہ تو بتاؤ ہم رسولِ عربی کس کو کہتے ہیں؟ یہ بتاؤ ہم نبی مدنی کس کو کہتے ہیں؟ یہ ہاشمی کون تھا؟ یہ قرشی کون تھا؟ یہ مطلبی کون تھا؟ تم کہتے ہو یہ عربی نہیں ہے، تو رسولِ عربی کون تھے ؟ تمہیں بتانا پڑے گا۔ صرف بات کرنے سے بات ختم نہیں ہوا کرتی۔ تو میں کہوں گا سنو جی! یہاں میں نورِ محمدی کی بات کر رہا ہوں۔ نورِ محمدی نہ عربی ہے، نورِ محمدی نہ قرشی ہے، نورِ محمدی نہ مطلبی ہے، نورِ محمدی نہ ہاشمی ہے۔ ارے اس نور کا وجود تو اس وقت ہوا تھا جب پہلا بشر بھی پیدا نہیں کیا گیا تھا اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ۔ بشر کا وجود ہی نہیں تھا۔ اس نور کا وجود ہو گیا، تو یہ نور ہاشمی نہیں، یہ نور مکّی اور مدنی نہیں، یہ نور مطلبی نہیں، یہ نور قرشی نہیں، یہ نور عربی نہیں، تم جس کو عربی کہتے ہو، وہ نورِ مصطفےٰ نہیں ہے ـــ وہ بشریتِ مصطفےٰ ہے۔ وہ بشریتِ مصطفےٰ جو مطلبی ہے، وہ بشریتِ مصطفےٰ جو ہاشمی ہے۔ وہ بشریتِ مصطفےٰ ہے جو حضرت آمنہ کے گھر ظہور پذیر ہوا ہے۔ نورِ مصطفےٰ تو اللہ کریم کی بارگاہ میں تھا اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے آیا ہے۔

الغرض نور قدسی ہے اور بشریت عربی ہے۔ نورِ قدسی کو عربی بشریت میں اگر نہ بھیجا جاتا، تو ہم کو ہدایت کیسے ملتی۔ یہاں میں ایک عجیب دعویٰ کرنے والا ہوں۔ سنو! اچھی طرح سے سنو نبی کی نبوت کے لیے بشر ہونا ضروری نہیں۔ میں اس لیے ٹھہر کر بات

کر رہا ہوں تاکہ آپ کو بھی سوچنے اور سمجھنے کا موقع ملے کیوں! دلیل سننا چاہتے ہو۔ میرے رسول نے فرمایا! كُنْتُ نَبِيًّا وَّ آدَمُ بَيْنَ الْمَاءِ وَالطِّيْنِ ٥ یہ نہیں فرمایا کہ میں آدمی تھا، یہ نہیں فرمایا کہ میں بشر تھا، یہ نہیں فرمایا کہ میں انسان تھا، بلکہ فرمایا کہ میں نبی تھا اور کب نبی تھا۔ ابھی حضرت آدم علیہ السلام پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔ تو جب ابوالبشر ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے، تو پھر کسی بشر کے ہونے کا سوال کیسا! الغرض نورِ مصطفےٰ شانِ نبوت لیے ہوتے اسی وقت جگمگا رہا تھا، جبکہ ابوالبشر پیدا بھی نہیں ہوئے تھے كُنْتُ نَبِيًّا میں نبی تھا۔ تو اب اگر نبوت کے لیے بشریت ضروری ہوتی تو ابوالبشر کے وجود سے پہلے کسی نبی کا تصور کیسے کیا جا سکتا تھا، اسے اچھی طرح سے سمجھ لو۔ معلوم ہوا کہ نبی کے لیے بشر ہونا ضروری نہیں۔ مگر سنو جی! ہماری ہدایت کے لیے، ہماری رہبری کے لیے نبی کا بشری جامہ میں آنا ضروری ہے۔ تو مطلب یہ ہوا کہ اے رسول! آپ بشریت کے محتاج نہیں ہیں۔ ہم محتاج ہیں، اگر آپ اس لباس میں نہ آتے تو ہمیں ہدایت کیسے ملتی، ہمیں رہنمائی کیسے ملتی، ہمیں کیسے راہِ نجات ملتی۔ راہِ نجات ہمارے سامنے کیسے کھلتی، معلوم ہوا کہ نورِ مصطفےٰ اپنی نبوت و کمالات میں جامۂ بشریت کا محتاج نہ تھا۔ ہم ان سے ہدایت حاصل کرنے کے لیے ان کے لباسِ بشری کے محتاج تھے۔

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى اَنْ تُصَلِّيَ عَلَيْهِ۔

اسی طرح میں کہتا ہوں دیکھو نبی کی شان کیا ہے، نبی کھانے پینے کا محتاج نہیں۔ نبی سونے جاگنے کا محتاج نہیں۔ اگر نبی کے لیے کھانا پینا ضروری ہوتا تو صومِ وصال میں وہی حال نبی کا ہوتا جو صحابہ کا ہوا۔ میں تفصیلات میں کہاں آپ کو لے جاؤں۔ نبی کے لیے کھانے کی ضرورت نہیں۔ نبی کھانے کا محتاج نہیں ہے۔ ہاں یہ کھانا خود نبی کا محتاج ہے۔ یہ کھانا اس لیے نبی کا محتاج ہے کہ جس کھانے کو نبی پاک کھائیں گے، وہ جائز فرما دیں گے یعنی وہ حلال بنے گا۔ جس کو چھوڑ دیں گے یعنی ناجائز فرمائیں گے، وہ حرام

بنے گا۔ یہ کھانا محتاج ہے کہ رسولِ کریم منہ لگائیں تاکہ یہ سب کے منہ لگے۔

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلٰنَا مُحَمَّدٍ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی اَنْ تُصَلِّیَ عَلَیْہِ۔

آگیا تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی جانب سے نور۔

عالمِ ارواح کی کانفرنس

اب نبیوں سے وعدہ لیا جارہا ہے۔ ٹھہرو! حضرت آدم (علیہ السلام) کی رُوح ٹھہر جا۔ حضرت نوح (علیہ السلام) کی روح ٹھہر جا! اس طرح سے میرے رب تبارک وتعالیٰ نے تقریباً کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام علیہم السلام کی روحوں کو ٹھہرالیا۔ ٹھہرو اور دوسرے لوگوں کی روحو! تمہارا کام ہوگیا، میری ربوبیت کا اقرار کرلیا نا، جاؤ نکل جاؤ۔ مشرکین کی ارواح، منافقین کی ارواح اور ایسے ہی کفار کی ارواح، یہاں تک کہ مومنین کی ارواح کو بھی ٹھہرنے کا حکم نہیں دیا۔ تم بھی نکلو، سب نکل جاؤ، اب یہاں وہی رہیں جو نبی ہوں۔ جو رسول ہونے والے ہیں، وہی ٹھہریں۔ اچھا صاحب معلوم ہوتا ہے کوئی اہم پروگرام ہے۔ پہلے عام کانفرنس تھی اور اب مخصوص لوگوں کو جمع کیا گیا، انہیں ٹھہرا کر سب سے پختہ عہد لیا جارہا ہے کہ جب میرا رسول کتاب وحکمت لے کر تمہارے پاس آئے اور تمہارے زمانے میں آئے، تو دیکھو تمہارے لیے کیا ضروری ہے؛ تم اس پر ایمان لے آؤ، تم اس کی مدد کرو، بھیجنا ہے سب کے آخر میں، اور ٹھہرا کر کہا جارہا ہے کہ تم اس کی مدد کرنا، تم اس پر ایمان لانا۔ بولو! تم ایمان لانے کے لیے تیار ہو کہ نہیں، مدد کرنے کے لیے تیار ہو کہ نہیں۔ تمام روحوں سے پوچھا جارہا ہے۔ یہ روحیں کون ہیں انبیاء کی۔

ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِکُمْ اِصْرِیْ۔ ارے اقرار کیا تم نے اس بات کا۔ میرا بھاری ذمہ لیا تم نے، تو ساری روحوں نے کہا اَقْرَرْنَا۔ ہاں ہم نے اقرار کیا۔ بھئی اب اقرار کرلینے کے بعد، خدا کا بھاری ذمہ لے لینے کے بعد کیا یہ اندیشہ تھا کہ نبی مکر جائیں گے، نبی مکرنے والے نہیں ہیں، مگر اس کے باوجود فرمایا جارہا ہے۔ اچھا اقرار تو کرلیا،

بھاری ذمہ بھی لے لیا۔ اب آپس میں ایک دوسرے کے گواہ بھی بن جاؤ۔ حضرت آدم اپنے سوا پر گواہ۔ حضرت نوح اپنے سوا پر گواہ۔ اس طرح آپس میں ایک دوسرے پر گواہ ہوجاؤ، تو ایک ایک پر کتنے گواہ ہوئے۔ ذرا شمار تو کرنا۔ فرض کرلو تھوڑی دیر کے لیے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام تھے، تو ایک ایک پر کتنے گواہ ایک لاکھ تئیس ہزار نو سو ننانوے یہ کون سا مسئلہ ہے جس میں اتنے گواہ کی ضرورت ہے۔ ایک ایک پر ایک لاکھ تئیس ہزار نو سو ننانوے گواہ۔ اچھا گواہ ہوگئے، معاملہ ٹھیک ہوگیا۔ اب تو فرصت مل جانی چاہیئے نا۔ کہا نہیں، سُن لو۔ ایک بات اور بھی سن لو کہ تم تو گواہ ہو۔ تمہارے ساتھ میں بھی گواہ ہوں۔ ایک کی تعداد کم کیوں ہو اور اچھا سنو! رب بھی گواہ ہوگیا، بات تو ختم ہوجانی چاہیئے۔ کہا سن لو، چلتے چلتے یہ بھی سن لو، اب اگر تم اپنے اس عہد سے پھر گئے، تو سنو نبوت تو نبوت، رسالت تو رسالت، تمہیں فاسقین کی جماعت میں کھڑا کیا جائے گا۔

غور کرو دوستو! اتنا زبردست عہد لیا جارہا ہے، اتنی شاندار کانفرنس ہورہی ہے، یہاں بھی رسولِ پاک کے میلاد کا ذکر ہورہا ہے، وہاں بھی رسولِ کریم کے میلاد کا ذکر ہورہا ہے۔ یہاں آنے کا ذکر ہورہا ہے اور جن لوگوں سے ذکر ہورہا ہے، رب کے علم میں یہ بات ہے کہ میں اپنے رسول کو ان کے زمانے میں نہ بھیجوں گا، نہ آدم کے زمانے میں بھیجوں گا نہ نوح کے زمانے میں۔ نہ ابراہیم کے زمانے میں بھیجوں گا نہ مسیح کے زمانے میں۔ نہ کلیم کے زمانے میں بھیجوں گا نہ کسی اور نبی کے زمانے میں۔ یہ علم ہے پھر بھی رب تعالیٰ یہ کہہ رہا ہے اگر آئے تمہارے زمانے میں تو تمہیں ایمان لانا پڑے گا۔ مطلب یہ ہے کہ اے موسیٰ! تمہارے چاہنے والوں کا تو کلمہ ہوگا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُوسیٰ كَلِيْمُ اللّٰهِ، مگر تمہارا کلمہ ہوگا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ اے عیسیٰ تمہارے ماننے والوں کا تو یہ کلمہ ہوگا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ عیسیٰ رُوْحُ اللّٰهِ۔

مگر تمہارا کلمہ یہ ہوگا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ تمہیں ایمان لانا پڑے گا، مدد کرنی پڑے گی۔

ذرا غور تو کرو دوستو! جن سے یہ وعدہ لیا جا رہا ہے، ان کے زمانے میں بھیجنا نہیں ہے، بھیجا کس کے زمانے میں؟ کوئی نبی اس وقت کائنات کی نگاہوں کے سامنے نہیں تھا۔ کیا بات ہے کہ ہم کو تو ہٹا دیا گیا؟ حالانکہ عہد ہم سے لیا جانا چاہیئے تھا۔ جن کے زمانے میں بھیجنا ہے، رسول جس عہد میں بھیجے گئے اس زمانے کے لوگوں سے عہد لیا جاتا تو زیادہ قرینِ قیاس معلوم ہوتا۔ مگر نہیں ان سے عہد نہیں لیا گیا، ہم سے نہیں لیا گیا، نبیوں سے لیا گیا کیوں؟ اس میں مصلحت یہ ہے کہ میرا رب جانتا ہے آج یہ ہماری ربوبیت اور الٰہیت کا اقرار کرکے جا رہے ہیں، مگر یہ انسان عجیب انسان ہے آج اقرار کرے گا کل وہاں جا کر انکار کر دے گا۔ اس کا مزاج ہی عجیب ہے، انکار کرنے کی عادت ہے تو اپنی ربوبیت کا تو اقرار کرا لو۔

مگر جب آمد کا ذکر ہوا، تو میلاد اسی کو کہتے ہیں۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ اس سے اچھا میلاد کوئی نہ پڑھے گا جتنا قرآن نے پڑھ دیا۔ تخلیق کا ذکر نہ کیا بلکہ آمد کا ذکر کیا میرے رسولِ پاک کے میلاد کا یہ پیارا انداز دیکھو۔ میں تو کہتا ہوں کہ کوئی کیا پڑھے گا اس سے اچھا میرے رسول کا میلاد پاک۔ میلاد شریف کسے کہتے ہیں؟ ولادت باسعادت کے ذکر ہی کو نا۔ تو ولادت ہی کی بات یہاں ہو رہی ہے کہ مکہ مکرمہ میں نورِ مصطفےٰ جامۂ بشریت میں کس طرح ظہور پذیر ہوا؟ یہی تو سمجھایا جا رہا ہے۔ میں ایک بات اور بتاؤں میرے رسول کریم کے میلاد کا ایک جلسہ اور بھی ہوا تھا۔ بہت بڑی کانفرنس ہوئی تھی۔ کہاں ہوئی تھی؟ اس عالم میں آنے سے پہلے آپ کہاں تھے؟ عالمِ ارواح میں، اور اس عالم کے بعد آپ کہاں ہوں گے؟ عالمِ آخرت میں۔

الغرض دو عالموں کے بیچ میں آپ ہیں، اُدھر والا بھی غیب اِدھر والا بھی غیب

یہی بیچ والا جو ہے وہ شہادت ہے۔ یہی عالمِ شہادت ہے تو عالمِ ارواح میں رب تبارک و تعالیٰ نے ایک کانفرنس کی تھی اور اس کانفرنس کے اندر تمام روحوں کو جمع کیا۔ تمام روحوں کو جمع کر کے کانفرنس میں پہلی بات جو رکھی گئی وہ یہ ہے اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ۔ ساری روحیں جمع ہیں اور رب تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؛ تو سبھوں نے کہا بَلٰی شَهِدْنَا کیوں نہیں ہم اقرار کرتے ہیں۔

یہاں ایک اور بات عرض کرتا چلوں کہ جس وقت میرے رب تعالیٰ نے پوچھا تھا، کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؛ تو ساری روحیں خاموش تھیں۔ سب سے پہلے روحِ احمدِ مجتبےٰ محمد مصطفےٰ علیہ التحیتہ والثنار نے کہا، بَلٰی شَهِدْنَا۔ میرے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب یہ کہا تو سبھوں نے کہا، بَلٰی شَهِدْنَا۔ میرے رسول کریم نے رہنمائی فرما دی، عالمِ ارواح میں بھی راستہ دکھا دیا بَلٰی شَهِدْنَا۔ کیوں نہیں، ہم اقرار کرتے ہیں۔ ایک بات ختم ہو گئی، اس کے بعد کہا دیکھو، اب کانفرنس کا دوسرا موضوع شروع ہونے والا ہے۔ ربوبیت کی بات ہو گئی، توحید کی بات ہو گئی، الٰہیت اور الوہیت کی بات ہو گئی۔ اچھا اب ٹھہرو، اس کے اندر جو غیر نبی ہیں، وہ نکل جائیں اور یہاں صرف ان کی رُوح حاضر رہے جو نبی ہونے والے ہیں۔ جو رسول ہونے والے ہیں وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ۔ اپنے رسول کی رسالت کی بات آئے، تو ایسوں سے اقرار نہ کراؤ جو انکار بھی کر دیں۔ لہٰذا انبیاء سے اور رسولوں سے اقرار کراؤ اور پھر یہ قوم خود سمجھ لے گی۔ تو جب انبیاء کرام پابند تھے، تو ہم کیسے آزاد ہو سکتے ہیں۔ تو دیکھو کتنی بڑی کانفرنس ہوئی تھی نا، عالمِ ارواح میں۔

عالمِ آخرت والی کانفرنس

ایک کانفرنس اور بھی ہوگی۔ میرے رسول کے لیے ایک کانفرنس اد ہوڈ

مگر عالمِ آخرت میں اور بیچ والے عالم میں تمہیں فرصت دے دی جائے گی کہ تم رسول کریم کی یاد مناتے رہو۔ جناب والا! آخرت کی کانفرنس بڑی زور دار کانفرنس ہو گی۔ اتنی زوردار کہ وہاں سب موجود ہوں گے، موحدین بھی، مشرکین بھی، مومنین بھی، کافرین بھی، مخلصین بھی اور منافقین بھی۔ اپنے بھی، پرائے بھی، اولین بھی، آخرین بھی، انبیاء بھی، مرسلین بھی سب قیامت میں حاضر ہوں گے۔ میں پوچھتا ہوں اور اکثر و بیشتر پوچھتا رہتا ہوں اے عقل والو! اے انصاف والو! اے دین و دیانت والو مجھے انصاف سے بتاؤ کہ قیامت کی ضرورت کیا ہے؟

آپ کہیں گے اگر قیامت نہ ہو گی، تو حساب و کتاب کیسے ہو گا۔ اچھے حساب و کتاب کیلئے قیامت کی ضرورت ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ حساب و کتاب کی ضرورت کیا ہے؟ خدا عالم الغیب والشہادۃ ہے۔ کون سی تمہاری ادا ہے جو اس کے علم سے باہر ہے۔ وہ کون سی بات ہے جس کی اسے خبر نہیں۔ لہٰذا وہ جسے چاہے اپنے فضل و کرم سے جنت میں پہنچا دے اور جسے چاہے اپنے عدل سے جہنم میں ڈال دے، ہے کوئی دم مارنے والا۔

آپ کہیں گے نہیں صاحب! لکھنا پڑھنا ضروری ہے۔ اچھا تو پھر لکھنا پڑھنا ضروری ہے تو دو تو لکھ ہی رہے ہیں۔ ایک نیکی لکھ رہا ہے اور دوسرا برائی لکھ رہا ہے، اتنی لکھت پڑھت کی کیا ضرورت ہے؟ جنت خدا تعالیٰ کو دینی ہے، جہنم میں بھی خدا تعالیٰ ہی بھیجے گا، تو وہ جسے چاہے اپنے عدل سے جہنم میں پہنچا دے اور جسے چاہے اپنے فضل سے جنت عطا فرما دے۔ کیا ضرورت ہے حساب کتاب کی مجھے بتاؤ کیا تمہیں یہ اندیشہ ہے کہ اگر بغیر حساب و کتاب کے اس قوم کو جہنم میں ٹھیل دیا گیا تو وہاں جا کر ہڑتال کر دیں گے، کالا جھنڈا اٹھائیں گے، کالے بِلّے لگائیں گے۔ انقلاب زندہ باد! انقلاب زندہ باد کا نعرہ لگائیں گے "حساب نہیں لیا جہنم میں ڈال دیا حساب نہیں لیا جہنم میں ڈال دیا"

کیا وہاں کچھ اس طرح کی تحریک چلے گی۔ کیا وہاں نیتاؤں اور لیڈروں کی بات چلے گی۔ نہیں دوستو! دم مارنے کی گنجائش نہیں ہے۔ ضرورت نہیں ہے پُل صراط کی۔ ضرورت نہیں ہے میزان کی۔ ضرورت نہیں ہے ان مراحل کی۔ مگر دوستو! سب کچھ ہوگا ضرورت ہو چاہے نہ ہو، مگر سب کچھ ہے۔ پُل صراط بھی ہے، میزان بھی ہے، قیامت کا میدان بھی ہے۔ میں پوچھتا ہوں ضرورت کیا ہے؟ آج نہ بتا سکو سوچنا۔ کلیجے پر ہاتھ رکھ کے سوچنا۔ ایمان کی روشنی میں سوچنا۔ عقل کے چراغ کی تابانی میں سوچنا۔ سوچنے والو خوب سوچ لو اچھی طرح سوچ لو۔ مجھے بتاؤ حساب کی ضرورت کیا ہے؟ عالم الغیب والشہادۃ سے وہ کون سی بات پوشیدہ ہے۔ علیم و خبیر سے وہ کونسی بات پوشیدہ ہے جس کے لیے حساب و کتاب کی ضرورت ہو۔ مگر سنو جی ضرورت ہے قیامت کی۔ ضرورت ہے پُل صراط کی۔ ضرورت ہے میزان کی۔ ضرورت ہے ان مراحل کی۔ کیوں؟ رب تبارک و تعالیٰ کی رحمت کی آواز سنو! فضل کی آواز پر غور کرو۔ میرا رب تعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے۔ ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ رب تعالیٰ کا ارشاد کائنات کے حصّے حصّے سے ٹکرا رہا ہے۔ دیکھو جب تم بارگاہِ الٰہی میں عرض کروگے۔ عالمِ خیال میں الٰہ العالمین! قیامت کی کیا ضرورت ہے؟ تو میرے رب کی رحمت اپنے محبوب کو مخاطب کر کے یہ آواز دے گی کہ اے محبوب! اگر قیامت نہ ہوتی تو جنتی جنت میں پہنچ جاتے گا۔ جہنمی جہنّم میں پہنچ جاتے گا، مگر اے محبوب! یہ بتاؤ تمہارے ہاتھ میں لواء حمد کون دیکھے گا؟ تمہارے سر پر شفاعت کی پگڑی کون دیکھے گا؟ تمہیں پل صراط پر بچاتا کون دیکھے گا؟ تمہیں میزان پر سہارا دیتے کون دیکھے گا؟ تمہیں کوثر کے پیاسوں کو پانی پلاتا کون دیکھے گا؟ تمہیں گنہ گاروں کو جہنّم سے نکالتا ہوا کون دیکھے گا؟ تمہارے عَلم کے نیچے سارے انبیاء کرام کو کون دیکھے گا؟ تو اے محبوب! قیامت اس لیے نہیں ہے کہ صرف حساب و کتاب ہو، قیامت اس لیے ہے کہ تمہاری محبوبیت کی شان سب دیکھ لیں۔ تمہارے مقام کو سب دیکھ لیں، تمہاری منزل کو سب دیکھ لیں ؎

فقط اتنا سبب ہے انعقادِ بزمِ محشر کا
تمہاری شانِ محبوبی دکھائی جانے والی ہے

صلی اللہ علی النبی الامی الکریم وعلیٰ آلہ صلی اللہ علیہ وسلم صلاۃً وسلامًا علیک یارسول اللہ۔

یہ کانفرنس کیوں ہوئی؟

تو میرے رب تعالیٰ نے دو کانفرنسیں کیں، ایک عالمِ ارواح میں، ایک عالمِ آخرت میں۔ عالمِ ارواح میں رسول کے مقام کو بتایا گیا ہے اور عالمِ آخرت میں رسول کے مقام کو دکھایا گیا ہے۔ بتانا اور ہے اور دکھانا اور ہے۔ وہاں بتایا تھا، یہاں دکھایا ہے۔ اور واقعی دوستو ضرورت تھی ایک ایسے اجتماع کی جہاں اپنے بھی ہوں پرائے بھی ہوں، درود پاک پڑھنے والے بھی ہوں اور گالی دینے والے بھی ہوں، گردن کٹانے والے بھی ہوں راہ میں کانٹے بچھانے والے بھی ہوں۔ ابوجہل اور ابوجہلی بھی ہوں اور صدیق اکبر اور صدیقی بھی ہوں۔ المختصر اولین وآخرین سب ہوں، کیوں؟ تاکہ جہنمی، جہنم میں جاتے جاتے دیکھ لے کہ میں نے کس سے دشمنی کی تھی اور جنتی جنت میں پہنچتے پہنچتے یہ دیکھ لے کہ میں نے کس سے محبت کی تھی۔ صلی اللہ تعالیٰ علی النبی الامی وعلی آلہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صلاۃً وسلامًا علیک یارسول اللہ۔

میلادِ رسول کا اہتمام

یقیناً تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی جانب سے نور آگیا۔ اتنی پیاری میلاد اب کون پڑھے گا؟ مگر ایک بات لوگ سوچتے ہیں کہ بھئی یہ میلاد پڑھنے والے صرف میلاد ہی نہیں پڑھتے، بلکہ بہت بڑی آرائش بھی کرتے ہیں، فرش بھی بچھاتے ہیں، شامیانہ بھی لگاتے ہیں۔ خیر برطانیہ میں تو سارا معاملہ پہلے ہی سے لگا لگایا ہے، مگر ہماری طرف تو بڑا اہتمام کرتے ہیں۔ اس پورے حصے کو بقعۂ نور بنا دیتے ہیں۔ اس منظر کو دیکھ کر کچھ لوگ بہت پریشان

ہوجاتے ہیں۔ اتنی روشنی کی کیا ضرورت ہے؟ اتنے فرش کی کیا ضرورت ہے؟ اتنے بڑے شامیانے کی کیا ضرورت ہے؟ اس کی کیا ضرورت ہے؟ اُس کی کیا ضرورت ہے؟ یہ سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ اچھا اب آؤ اور بتاؤ میرے رب تعالیٰ نے اپنے محبوب کو مخاطب ہوکر کیا یہ نہیں کہا، کیا حدیث قدسی سے یہ بات واضح نہیں ہوئی؟ لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ۔ اے محبوب! اگر میں تجھے پیدا کرنا نہ ہوتا تو میں افلاک کو پیدا نہ کرتا۔ لَوْلَاکَ لَمَا خَلَقْتُ الدُّنْیَا۔ اے محبوب! اگر تجھے پیدا نہ کرنا ہوتا تو میں دنیا کو پیدا نہ کرتا۔

توسنو! رسول کا میلاد مقصود تھا، اس لیے زمین کا فرش بچھا دیا۔ رسول کا میلاد مقصود تھا، اس لیے آسمان کا شامیانہ لگا دیا۔ رسول کا میلاد مقصود تھا۔ اس لیے چاند اور سورج کے چراغ جلا دیئے۔ رسول کا میلاد مقصود تھا اس لیے ستاروں کی قندیلیں روشن کردیں رسول کا میلاد مقصود تھا، اس لیے آبشاروں کے نغمے جاری کر دیئے۔ رسول کا میلاد مقصود تھا، اس لیے دریا کو رواں دواں کر دیا۔ رسول کا میلاد مقصود تھا، اس لیے کائنات کو اپنی نعمتوں سے آراستہ کر دیا۔ یہ زمین بھی میلاد والی زمین ہے۔ یہ آسمان بھی میلاد والا آسمان ہے۔ یہ چاند سورج بھی میلاد والے چاند و سورج ہیں۔ تو اب اگر کسی کو میرے رسول کے میلاد سے اختلاف ہو تو میری اس گزارش کو اسے مان لینا چاہیئے کہ اس میلاد والی زمین کو چھوڑ دو۔ اس میلاد والے آسمان سے کہیں اور نکل جاؤ اور کوئی دوسرا سورج تلاش کرو جو رسول کے میلاد والا نہ ہو۔ (اللھم صل علی سیدنا محمد و بارک وسلم)

میلاد میں شیرینی کی تقسیم

ایک بات اور بتاؤں دوستو! ہمارے یہاں دستور ہے کہ میلاد شریف جب ختم کرتے ہیں تو بعد میں شیرینی تقسیم ہوتی ہے، لوگوں کا منہ میٹھا کرایا جاتا ہے۔ یہ بھی دل کو بُرا لگتا ہے۔ شیرینی حلال و طیب چیز حلال و پاکیزہ کمائی سے حاصل کی ہوئی مگر رسول کا نام اس میں آگیا، تو اب وہ حرام ہوگئی اور اس کے بعد اس کو تقسیم کیا تو یہ بھی بُرا لگتا ہے۔ میں نے سنا ہے کہ صرف کہنے کو برا کہتے ہیں، ملتا ہے تو خوب کھاتے ہیں

بہرحال یہ سوال کرتے ہیں کہ اچھا چلو مان لو کہ خدا نے میلاد پڑھا۔ چلو تسلیم کرلو۔ مگر شیرینی کہاں تقسیم کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے کچھ بانٹا بھی ؟ ہم نے کہا ہاں وہاں بھی شیرینی بٹی تھی، مگر اتنا سمجھ لو کہ ہم بانٹتے ہیں تو اپنی حیثیت کے مطابق۔ جتنی ہماری حیثیت ہے اتنا ہی تو بانٹیں گے اور خدا جب دے گا تو تمہاری حیثیت کے مطابق۔ وہ اگر اپنی قدرت کے مطابق دے تو لینے کا تمہارے پاس دامن کہاں ہے ؟ تو وہ دیتا ہے تو اپنی قدرت کے مطابق نہیں، بلکہ تمہاری صلاحیت کے مطابق دیتا ہے۔ تو سنو! میرے رسول کے میلاد کے صدقے میں کیا کیا تبرکات بٹے۔ دیکھو کسی کو نبوت ملی، کسی کو ولایت ملی، کسی کو رسالت ملی۔ کسی کو قرآن ملا، کسی کو انجیل ملی، کسی کو زبور عطا ہوئی، کسی کو توریت ملی اور ہم سب کو رسول کی غلامی مل گئی، رسول کا کلمہ پڑھنے کی سعادت مل گئی۔

اور سنو جی : ایمان والوں کو ایمان ملا اور کفر والوں کو رسول کی دھرتی پر رہنے کی مہلت مل گئی۔ یہ بھی اسی میلاد کے صدقے میں۔

دیکھا آپ نے اسی لیے میں اذہان دالقان کی منزل سے یہ کہتا ہوں کہ رسولِ پاک کے میلاد کا ذکر کرنا سنّتِ کبریا ہے اور ذکر کا سننا سنّتِ انبیا ہے۔

کیا یہ سب بدعت ہے ؟

مگر دوستو کھٹک محسوس ہوتی ہے۔ جب رسول کے میلاد کا ذکر ہوتا ہے۔ میں ایک بات پوچھتا ہوں، یہ کیا معاملہ ہے کہ بات بات میں بدعت۔ میلاد کیا ہے ؟ بدعت۔ قیام کیا ہے ؟ بدعت۔ یہ بدعت، وہ بدعت۔ میں نے سوچا بہتر تو یہ ہے کہ ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ لنکاسٹر کے مسلمانوں کی فلاح و بہبودی کے لیے بدعت کی ایک لسٹ بنا دی جائے۔ اور کہیں چوراہے پر یا مسجد کے دروازے پر ٹانگ دی جائے۔ جب لوگ بدعت کو سمجھنا چاہیں تو دیکھ لیں کہ یہ بدعت ہے۔ آسانی کے لیے، تو آؤ ہم تم مل کر کے بدعت کو شمار کریں۔ بدعت اسی کو کہیں گے نا جو رسول کے عہد میں نہ ہو۔ یہی ترجمہ عموماً کرتے ہیں۔ بدعت کا صحیح مطلب تو میں آپ

کو بتاؤں گا، مگر عام طور سے یہ ترجمہ سیدھا سادا کیا جاتا ہے کہ جو رسول کے زمانہ میں نہ ہو اور وہ اس زمانے میں ہوں وہ بدعت ہے۔ اچھا اس پیمانے کو لے کر آؤ اور بدعتوں کو شمار کرو۔ یقین جانو کہ عہدِ رسول میں کبھی بھی لوگوں نے اس طرح بیٹھ کر ذکرِ رسول نہیں سنا جس طرح آپ بیٹھے ہیں اور نہ کسی سنانے والے نے اس طرح سے سنایا تو یہ ہے بدعت۔ بھئی بدعت ہے تو ماننا ہی پڑے گا۔ یہ بدعت ہے۔ اسی طرح اس عہد میں اس طرح کا مکان تو تھا ہی نہیں اور یہ الیکٹرک بھی نہیں تھی اور یہ مائک بھی نہیں تھا اور جس لباس کو پہن کے ہم سنا رہے ہیں اور جس لباس کو پہن کر آپ سن رہے ہیں، یہ بھی بدعت ہے۔ وہ بھی بدعت ہے اور ایک بات اور میں بتاؤں جس پر سفر کرکے میں یہاں تک آیا ہوں، اس پر سفر کرنا بدعت ہے۔ اور جس جگہ آپ مجھ کو لینے کے لیے آئے اس جگہ جانا بھی بدعت۔ اس طرح رسول کے زمانے میں کسی کا استقبال نہیں کیا گیا۔ خیر یہ سب تو چھوڑ دو۔ میں تو یہ کہتا ہوں کہ جو قرآن تم پڑھتے ہو اور ثواب کا کام سمجھ کر پڑھتے ہو۔ اس قرآن کے اوپر زیر و زبر ہے نا۔ لگانے والے نے تو ثواب ہی کی نیت سے لگایا ہے نا، مگر سن لو کہ رسول کے زمانے میں قرآن میں نہ زیر تھا نہ زبر تھا نہ پیش۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں بھی نہیں تھا۔ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بھی نہیں تھا۔ حجاج ابن یوسف کے دور میں یہ لگایا گیا، لہٰذا قرآن پر زیر و زبر لگانا خود بدعت ہے۔ لہٰذا جو بدعت سے بچنا چاہتے ہیں۔ ایسا قرآن تلاش کریں جس میں نہ زیر ہو نہ زبر ہو تاکہ پڑھنا لکھنا بھی زیر و زبر ہو جائے۔ اَللّٰھُمَّ صلِ علیٰ سیدنا محمد و بارک وسلم۔

سنو جی دیکھو: ایک بات اور بتاؤں۔ یہ جو مسجد بڑی عالی شان آپ نے پرسٹن کے اندر بنائی ہے نا۔ پختہ مسجد، یہ بھی بدعت ہے۔ رسول کے زمانے میں تو پکی مسجد تھی ہی نہیں اور یہ جو بڑے بڑے دارالعلوم بن رہے ہیں۔ یہ دارالعلوم بھی بدعت ہیں اور یہ جو فقہ کی کتابیں مرتب ہوئی ہیں اور جو حدیث کی کتابیں مرتب صورت میں ہیں، یہ سب بدعت ہیں۔ اور سنو جی! مزار پر چادر چڑھانا بدعت ہی نہیں ہے، بلکہ قرآن پر غلاف چڑھانا بھی بدعت ہے اور سنو جی!

یہ قرآن پاک جو تم لکھتے ہو، پریس میں چھپواتے ہو، یہ بھی بدعت ہے، اس لیے کہ رسول کریم کے زمانے میں کبھی قرآن پاک نہیں چھپوایا گیا۔ لوگ ہاتھ سے لکھتے تھے، لہذا پریس میں لے جاکر چھپوانا یہ بھی بدعت۔ اور سنو ہم میلاد النبی کے نام پر یہ جو کچھ کر رہے ہیں، صرف بدعت ہی نہیں بلکہ اگر کوئی اس کو اجتماع کے نام پر کرے وہ بھی بدعت۔ یہ کیا بات ہے کہ اسی انداز سے وہ بیٹھیں۔ اسی انداز سے وہ بولیں تو وہ سنت ہو جائے اور ہم میلاد النبی کا نام دے دیں تو بدعت ہو جائے۔ نہیں، یہ بھی بدعت اور وہ بھی بدعت۔ میں تو بڑے انصاف کی بات کر رہا ہوں۔ ایسی بات نہیں کہ میں کہہ رہا ہوں کہ جلسہ عید میلاد النبی سنت ہے۔ میں تو اس کو بھی بدعت کہہ رہا ہوں اور تم جو ٹولی ٹولی پھرتے ہو، یہ بھی بدعت ہے۔ مسجد مسجد جاتے ہو، یہ بھی بدعت ہے۔ اب تو ساری بدعتوں کو شمار ہی کرنا پڑے گا۔

اور ایک بات اور میں تمہیں بتاؤں کہ زبان سے نیت کرتے ہو کہ نہیں۔ ارے بھئی کون نہیں کرتا۔ نماز پڑھتے ہونا۔ نیت کی میں نے چار رکعت نماز ظہر۔ چار رکعت نماز عصر یا عشاء۔ یا تین رکعت نماز مغرب نیت کرتے ہونا تو اچھی طرح یقین کر لو۔ زبان سے نیت کرنا یہ بھی بدعت ہے۔ میرے رسول نے زبان سے کبھی نیت نہیں کی۔ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی زبان سے کبھی نیت نہیں کی۔ نیت نام ہے دل کے ارادے کا۔ ارادہ کرو اور اللہ اکبر کہہ لو، نیت ہو گئی۔ زبان سے کہنا ضروری نہیں ہے۔ یاد رکھنا! اسی لیے اگر تمہاری نیت یہ ہو کہ ہم جا رہے ہیں، ظہر پڑھنے اور جلدی میں نکل گیا کہ نیت کی میں نے چار رکعت نماز عصر، زبان سے نکل گیا عصر اور دل میں خیال ہے ظہر کا تو نماز ظہر کی ہو گی، عصر کی نہیں ہو گی اس لیے کہ نیت نام ہے دل کے ارادے کا۔ تو زبان سے نیت کرنا بعد کے مشائخ اور بزرگوں نے رائج کیا۔ میرے رسول کے زمانے میں زبان سے نیت نہیں کی جاتی تھی، تو لہذا زبان سے نیت کرنا یہ بھی بدعت ہے۔ اب اگر ان بدعتوں کو شمار کرو تو کئی لائبریریاں تیار ہو جائیں۔

بدعت کا فلسفہ

یہ تو میں نے ایک خاکہ دیا ہے۔ ایک نقشہ دیا ہے۔ اب میں تم سے پوچھتا ہوں کہ اب اگر ہر بدعت گمراہی ہے۔ اب اگر ہر بدعت ضلالت ہے۔ اگر ہر بدعت بے راہ روی ہے تو تمہیں اس وقت ایمان والا کون ملے گا؟ معلوم ہوا کہ تم سمجھ نہیں سکے کہ بدعت کا فلسفہ کیا ہے۔ بدعت بدعت کے لفظ سے دھوکہ مت کھاؤ۔ کچھ اچھی بدعت ہوتی ہے اور کچھ بُری بدعت ہوتی ہے۔ اچھائی اور برائی کو بھی سمجھنے کی کوشش کرو۔ قرآن کریم پر زیر وزبر لگانا بدعت ضرور ہے، مگر یہ اچھی بدعت ہے۔ مسجد کا پختہ بنانا بدعت ضرور ہے، مگر یہ اچھی بدعت ہے۔ زبان سے نیت کرنا بدعت ضرور ہے، مگر یہ اچھی بدعت ہے اور ذکرِ رسول کے لیے ایسی محفل منعقد کرنا بدعت ضرور ہے مگر یہ اچھی بدعت ہے اور اب اگر تم کہو نہیں، ہر بدعت بُری ہے تو تمہیں اچھا کوئی نہ ملے گا۔

ایک بات میں بتاتا ہوں دوستو! اب ہم کو آپ ایک سوال کا جواب سوچیں اور دیں۔

اب میرے سوال کے جواب پر غور فرمائیں کہ جو محفل میلاد النبی کے نام پر سیرت النبی کے نام پر آپ کرتے ہیں، اس میں مسلمانوں کا نقصان کیا ہے؟ اس میں عقائد کی بات ہوتی ہے۔ کچھ اعمال کی بات ہوتی ہے۔ کچھ عبادات کی بات ہوتی ہے۔ رسول کی محبت کے چراغ کو جلایا جاتا ہے۔ رسول کے فضائل و کمالات کا ذکر ہوتا ہے۔ آخر اس میں مسلمانوں کا نقصان کیا ہے۔ کوئی نقصان سمجھ میں آتا ہے؟ غور کرنے پر معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کا کوئی نقصان نہیں ہے، مگر کچھ لوگوں کا نقصان ہے۔ بھئی دیکھو کن کا نقصان ہے۔ میں نہیں جانتا۔ میں کیا جانوں کہ اس میں وہ نقصان والے بھی ہیں کہ نہیں۔ میں کسی کا نام تو جانتا نہیں، نیا نیا آیا ہوں، اور بہت دور سے آیا ہوں۔ اب جس کا نقصان ہوگا، وہی تو سمجھے گا کہ مجھے کہہ رہے ہیں۔ میں تو کسی کا نام نہیں لے رہا ہوں۔

حیدرآباد کا ایک واقعہ

ہاں تو کچھ لوگوں کا نقصان ہے۔ جانتے ہو کیا نقصان ہے۔ نقصان یہ ہے کہ جب تم اس طرح

رسول کے نام پر کوئی محفل کرو گے تو رسول کی یاد آئے گی۔ وہ چاہتے ہیں کہ سب ہو مگر رسول یاد نہ آئیں۔ یہ بار بار رسول کو تم کیوں یاد دلاتے ہو؟ صرف ہوائی گھوڑے نہیں دوڑا رہا ہوں۔ میں صرف خلا کے اندر کوئی وار نہیں کر رہا ہوں، بلکہ اچھی طرح سے سمجھ لو میں جس ہندستان سے آرہا ہوں، اسی ہندوستان میں ایک مشہور شہر ہے حیدر آباد۔ اس حیدر آباد سے ایک رسالہ نکلتا ہے۔ میں نے اس کے اندر ایک مضمون دیکھا تو چونک گیا۔ اس تفصیل کو سن کر آپ کیا کریں گے کہ کس کا رسالہ؟ کیا رسالہ؟ بس اتنا سن لیجئے کہ اس میں یہ تھا کہ معراج کی رات اگر کوئی نماز پڑھے، تو نماز پڑھنا جائز نہیں۔ معراج کی رات اگر کوئی قرآن پڑھے تو قرآن پڑھنا بدعت ہے۔ میں سوچنے لگا کہ نماز پڑھنا یہ بھی جائز نہیں۔ خدا کی عبادت اور ناجائز۔ یہ قوم کہاں پہنچ رہی ہے؟ آخر یہ کیا بات ہے؟ تو بات یہ ہے کہ جب تم معراج کی رات میں خدا کی عبادت کرو گے اور ہم پوچھیں گے کہ آج کی رات عبادت وتلاوت کا سبب کیا ہے؟ تو تم کہو گے ارے بے خبر تمہیں معلوم نہیں کہ آج کی رات رسول کریم کو معراج ہوئی تھی۔ بڑی مبارک رات ہے۔ تمہارے اس جواب نے رسول پاک کی یاد دلا دی ہے، لہٰذا ایسی عبادت وتلاوت ناجائز ہے جو رسول کریم کی یاد دلانے کا سبب بن جائے۔

ایک اور وبا چلی ہے ہماری طرف کہ بھئی سنت کی ضرورت نہیں ہے۔ اس کی ظاہری وجہ کچھ بھی بتائی جائے، مگر اس کی باطنی وجہ جس پر قرائن شاہد ہیں یہی ہے کہ جب تم سنتیں پڑھو گے تو رسول یاد آئیں گے، لہٰذا سنت چھوڑ دو تاکہ رسول یاد نہ آئیں مگر میں سوچنے لگا کہ سنت چھوڑ دو گے تو بہت کچھ چھوڑنا پڑے گا۔ دیکھو بچہ پیدا ہوا، کان میں اذان واقامت کہی جاتی ہے، تو یہ اذان واقامت سنت، آگے بڑھا تو عقیقہ سنت، ختنہ سنت۔ بالغ ہونے سے پہلے سارے اسلامی مراحل سنت۔ اور جب مر گیا تو نہلانا سنت، کفن دینا سنت، کاندھے پہ لے کے چلنا سنت، نماز جنازہ سنت۔ قبر میں اتارنا سنت۔ قبر کو ڈھکنا سنت۔ تو میں یہ سوچتا ہوں کہ جب سنت سب چھوڑ دیں گے،

ابتدا بھی جائے گی۔ انتہا بھی جائے گی۔ نہ یہ سنت ملے گی نہ وہ سنت ملے گی تو بیچ میں لٹک کے کہاں رہ جائیں گے نہ آغاز ملا نہ انجام ملا۔ ارے دیکھو اچھی طرح سن لو۔ یہ میرے رسول کی برکت ہے کہ مسلمان مر کے بھی ایمان والوں کے کاندھے پر جاتا ہے۔ یہ میرے رسول کی سنت کی برکت ہے کہ اسے عزت کے ساتھ نہلایا جاتا ہے۔ یہ میرے رسول کی سنت کی برکت ہے کہ لوگ اس کے لیے صف بستہ ہو کے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔ یہ میرے رسول کی سنت کی برکت ہے کہ عزت کے ساتھ اسے قبر میں اتارا جاتا ہے۔ سوچو جی! اگر سنت کا خیال نہ ہو تو ٹانگ پکڑ کر پھینک دیا جاتے اور پھر اس کا انجام دنیا دیکھ لیتی۔

سنت نہیں تو فرض ادا کر کے بتاؤ

مگر کوئی ضدی انسان کہے نہیں صاحب ہم سنت نہ کریں گے۔ پھینک دو ہماری ٹانگ پکڑ کر مگر سنت نہ ہو۔ سنت کرو گے تو رسول یاد آئیں گے۔ اچھا بھئی سنت نہ کرو فرض تو پڑھو گے نا۔ دیکھئے میں ڈھیل دے رہا ہوں۔ ارے بھئی سنت نہ پڑھو گے فرض تو پڑھو گے نا۔ یہ تو خدا کا فرض ہے نا۔ اچھا صاحب پڑھو تو مگر اتنا خیال ہو سنت نہ پڑھنا۔ سنت سے تو رسول یاد آئیں گے۔ مگر جب تم نماز فرض پڑھنے چلو گے تو یہ بتاؤ کہ اس فرض میں کتنا فرض ہے۔ مولانا صاحب بیٹھے ہیں پوچھ لینا۔ نماز فرض میں کتنا فرض ہے تو فقہ حنفی کے نقطۂ نظر سے نماز میں سات فرض ہیں، تکبیر تحریمہ فرض۔ قیامہ فرض۔ قرأت فرض۔ رکوع فرض۔ سجدہ فرض۔ آخری بیٹھک فرض۔ بالقصد نکل جانا یعنی خروج بصنعہ فرض۔ سات فرض ہے نا۔ التحیات پڑھنا فرض نہیں، سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض نہیں۔ سبحان ربی العظیم۔ سبحان ربی الاعلیٰ کہنا فرض نہیں۔ ثنا۔ پڑھنا فرض نہیں۔ یاد رکھنا یہ تعدیل ارکان بھی فرض نہیں۔ اطمینان سے ٹھہر ٹھہر کے نماز پڑھنا یہ بھی فرض نہیں۔ خیال رکھنا سنت والی نماز نہ پڑھنا، ورنہ رسول یاد آئیں گے۔ سورۂ فاتحہ پڑھو گے تو رسول یاد آجائیں سبحان ربی الاعلیٰ کہو گے تو

تو رسول یاد آجائیں گے، لہٰذا اب جب بھی فرض پڑھ رہے ہو تو فرض ہی ادا کرو۔ تو اب جب فرض والی نماز پڑھی تو جانتے ہو تو کیسی پڑھی اللہ اکبر اور پھر قرأت کرکے اللہ اکبر۔ اور رکوع میں کچھ نہیں پڑھا اور کھڑے ہو گئے اور کچھ کہے بغیر ڈائرکٹ سجدہ میں پہنچ گئے اور اس کے بعد کچھ کہے بغیر اٹھ گئے۔ کھٹا کھٹ اٹھ رہے ہیں اور بیٹھ رہے ہیں۔ فرض ادا ہو رہا ہے۔ یہ فرض والی نماز ہے، کھٹا کھٹ اٹھ بیٹھ رہے ہیں اور تیزی سے پڑھ رہے ہیں، آپ تو نماز پڑھ رہے ہیں اور باہر والا سمجھ رہا ہے ورزش کر رہے ہیں۔

دیکھا آپ نے سنت کو چھوڑا تو سورۂ فاتحہ کی برکتوں سے تمہیں محروم کر دیا گیا۔ سنت تم نے چھوڑی تو اپنی ثناء کی توفیق تم سے چھین لی گئی۔ سنت تم نے چھوڑی — تو سبحان ربی العظیم۔ اور سبحان ربی الاعلیٰ بھی نہ کہہ سکے۔ سنت تم نے چھوڑی تو درود و سلام کی سعادتوں سے تمہیں محروم کر دیا گیا۔ مگر کوئی ضدی کہے نہیں صاحب ہم کھٹا کھٹ والی پڑھیں گے، سنت نہیں کریں گے۔ سنت سے تو رسول یاد آتے ہیں۔ اچھا بھائی کھٹا کھٹ والی پڑھو۔ میں تو چھوٹ دینے پر آج ہی بیٹھ گیا ہوں کہ جتنا تم ڈھیل مانگو گے، میں دیتا ہی چلا جاؤں گا۔ اچھا کھٹا کھٹ والی نماز پڑھو، لیکن یہ بتاؤ کہ قیام تو فرض ہے نا۔ قیام تو کرنا ہی پڑے گا، اس لیے کہ فرض ہے اور قرأت بھی کرنی ہی ہے، اس لیے کہ وہ بھی تو فرض ہے اور رکوع بھی فرض ہے۔ سجدہ بھی فرض ہے۔ اتنا تو کرنا ہی چاہیے اور وہ آخری بیٹھک بھی آپ کو بیٹھنی ہے وہ بھی تو فرض ہے اور وہ بالقصد نکلنا بھی تو فرض ہے، مگر مجھے تم بتاؤ کہ یہ قیام جس کو تم فرض سمجھ کر کر رہے ہو، یہ قیام رسول نے کیا تھا کہ خدا نے کیا تھا؟ یہ رکوع رسول نے کرکے دکھایا تھا کہ خدا تعالیٰ نے کرکے دکھایا تھا؟ یہ سجدے کا انداز رسول نے بتایا تھا کہ خدا تعالیٰ نے آکے بتایا تھا۔ یہ بولی رسول کی ہے کہ خدا کی ہے؟ یہ قبلہ رسول کا ہے کہ خدا کا ہے؟ یہ کیا معاملہ ہے؟

یہ سب تو رسول ہی کی ادا ہے۔ یہ اٹھنا بھی رسول کا، یہ رکوع بھی رسول کا۔ یہ سجدہ بھی رسول کا۔ میرے خدا کو منظور یہ ہے کہ اے محبوب! تمہاری ادا کو میں اپنا فرض قرار دوں گا تاکہ سنت تیری ہو اور فرض میرا ہو تاکہ یہ دنیا تیری یاد کو مٹا نہ سکے۔

قومہ (ا)، ہو (ح) اور (م) سجدہ۔ جلسہ (د) نقشہ نمازی یوں نمازِ عشق کی کھینچا کرے۔ جب تم کھڑے ہوتے ہو تو احمد کا (ا) نظر آتے ہو اور جب تم رکوع میں جاتے ہو تو احمد کی (ح) بن جاتے ہو اور جب تم سجدے میں جاتے ہو تو احمد کی (م) دکھائی پڑتے ہو اور جب تم بیٹھ جاتے ہو تو احمد کی (د) نظر آتے ہو۔ خدا کو منظور یہ ہے کہ عبادت اس کی ہو تصویر احمد کی ہو۔

عبادت محبوب کی زبان میں ادا کیا کرو

دیکھو دوستو۔ مولانا حنیف سے کبھی مل کے کہنا۔

اے مولانا! ہم گجرات کے رہنے والے ہیں، ہماری زبان گجراتی ہے، کچھ اردو جانتے ہیں اور کچھ ہندی۔ کچھ انگلش جانتے ہیں، تو عبادت کے لیے یہ کیا آپ نے پابندی لگا رکھی ہے۔ یہ کیا بات ہے جو پڑھتا ہے، عربی میں ہی پڑھتا ہے۔ ہم کو اجازت دے دو۔ ہم انگلش میں عبادت کرلیں۔ ہم فرنچ میں عبادت کرلیں۔ ہم گجراتی میں سورۂ فاتحہ کا ترجمہ کرالیں اور پھر پڑھ لیا کریں۔ اے مولانا جو زبان ہم سمجھیں گے، اس کو ہم سمجھ کے پڑھیں گے اور جب سمجھ کے پڑھیں گے تو دل میں خشوع خضوع زیادہ پیدا ہوگا۔ تو اے مولانا خدا کی عبادت کے لیے کسی زبان کی پابندی کا کیا معنی ہے؟ ہمیں ہماری زبان میں پڑھنے کی اجازت دو۔ اس زبان میں کیوں پڑھاتے ہیں جس کو ہم سمجھتے ہی نہیں کہ ہم اپنے خدا تعالیٰ سے کیا کہہ رہے ہیں۔ سمجھتے ہی نہیں ہیں کہ ہم اپنے رب تعالیٰ سے کیا عرض کر رہے ہیں۔ تو اے مولانا ہمیں اجازت دے دو، تو مولانا کہیں گے نہیں۔ نماز پڑھنی ہے تو عربی میں پڑھو، چاہے سمجھو، چاہے نہ سمجھو۔

جی ہاں چاہے سمجھو چاہے نہ سمجھو، مگر نماز عربی ہی میں پڑھنا۔ سارے دنیا کے انسانوں کو یہی دعوت دی گئی ہے۔ ایمان والو! نماز عربی میں پڑھو۔ اچھا یہ رعایت تو آپ نہیں دے رہے ہیں۔ اتنی ہی اجازت دے دو کہ کبھی کعبے کی طرف چہرہ کرلیں۔ کبھی بیت المقدس کی طرف چہرہ کرلیں۔ کبھی ادھر رُخ ہوجائے کبھی اُدھر رُخ ہوجائے۔ اسی کی اجازت دے دو۔ کہیں گے نہیں جناب نماز پڑھنی ہے تو کعبے ہی کی طرف رُخ کرنا ہے۔ اچھا مولانا! پھر اتنی اجازت دے دو کہ سجدہ ہی میں رہ کر کے سب پڑھ لیں۔ ایک سانس میں سب پڑھ لیں۔ سب سے بہتر ادا تو سجدہ ہی ہے نا۔ اسی میں رہ کے سب پڑھ لیں۔ یہ کیا بات ہے کبھی آپ اٹھاتے ہیں تو کبھی آپ رکوع میں لے جاتے ہیں، کبھی آپ سجدے میں لے جاتے ہیں۔ یہ اٹھانا جھکانا کیا معنی ہے ارے بھئی سجدہ سب سے پیاری ادا ہے۔ اس میں ہم سب کچھ کیوں نہ ادا کرلیں۔ کہا کھڑا بھی ہونا ہے، رکوع میں بھی جانا ہے۔

اے مولانا اتنی پابندی آپ کیوں کر رہے ہیں؟ کیا بات ہے تو مولانا کہیں گے سنو جی! یہ میری پابندی نہیں ہے، یہ خدائی پابندی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے' اس لیے کہ میرے رب کو منظور یہ ہے کہ اے میری عبادت کرنے والو! اے مجھے یاد کرنے والو! تم جس زبان میں چاہو مجھے یاد کرو کوئی اعتراض نہیں۔ اُردو بولو، ہندی بولو۔ انگلش بولو، رنچ بولو، ملیالم بولو۔ تامل بولو، کناڈی بولو، کسی بھی زبان میں تم مجھے یاد کرو مجھے کوئی اعتراض ہیں، مگر کم سے کم پانچ وقت اس زبان میں یاد کرو جس میں میرے محبوب نے یاد کیا تھا۔ اہے تم سمجھو یا نہ سمجھو، مگر محبوب کی بولی بول دو۔ محبوب کے الفاظ کو زبان سے ادا ردو۔ اے مجھے یاد کرنے والو! چاہے لیٹ کے یاد کرو، چاہے بیٹھ کے یاد کرو، چاہے ل پھر کے یاد کرو، جیسے چاہو یاد کرو، مگر کم سے کم پانچ وقت اس طرح یاد کرو جس طرح عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یاد کیا تھا۔ کھڑے بھی ہوگئے، رکوع میں بھی گئے۔ سجدے بھی گئے۔ اے مجھے یاد کرنے والو! جدھر چاہو رُخ کرکے یاد کرو۔ مگر پانچ وقت ادھر

رُخ کرلو جدھر رسولِ عربی نے چہرہ کیا تھا۔ مطلب یہ ہے کہ عبادت میری ہو، ادا ان کی ہو تو یہ سب کیا ہے؟ اب مجھے عرض کرنے دو کہ اے محبوب! یہ تمہاری اداؤں کو نہیں مٹا سکتے آپ کی یادگار کو مٹانا ان کے بس سے باہر ہے۔ خدا تعالیٰ کی عبادت بھی آپ ہی کی یادگار ہے۔

سنتِ نبوی سے کہاں تک بھاگو گے؟

ہے کوئی جو میرے رسول کی یاد کو مٹا سکے۔ ایک بات اور میں عرض کر دوں۔ میں نے سوچا چلو بھئی نماز کا کچھ معاملہ ہی عجیب ہے۔ گھر میں پڑھو تو رسول کی یاد آئے، جماعت سے پڑھو تو رسول کی یاد آئے، مسجد میں پڑھو تو رسول کی یاد آئے۔ عید گاہ میں پڑھو تو رسول کی یاد آئے۔ اچھا ایک فرض خدا نے اور بھی خدا نے کیا ہے حج۔ حاجی صاحبان جو گئے ہیں نا ان سے پوچھنا کہ یہ حج کیا ہے؟ مجھ سے کہا گیا کہ حج فرض ہے۔ خدا کا فرض ہے۔ اچھا چلو جی دیکھنا کیا خدا کا فرض ادا کرنا ہے، مگر اپنے انڈیا سے جب ہم چلے تو حدودِ میقات میں پہنچے بھی نہیں تھے کہ اعلان کیا گیا کپڑا اتار دو۔ ارے کیا بات ہے؟ یہ کپڑا اتارنے کی کیا ضرورت ہے؟ ارے ہم تو فرض ادا کرنے جا رہے ہیں۔ ارے نہیں یہ سلا ہوا اتار دو۔ بے سلا پہنو۔ صرف لنگی لپیٹ لو، صرف چادر لپیٹ لو۔ ہاں اتارو کپڑا۔ یہ کیا بات ہے۔ ہم تو فرض ادا کرنے جا رہے ہیں۔ یہ میرا کپڑا کیوں اتارا جا رہا ہے۔ اسی کپڑے میں تو میں نے عید کی نماز پڑھی تھی۔ اسی کپڑے میں تو میں نے جمعہ کی نماز پڑھی تھی۔ اسی کپڑے میں تو میں ساری نماز پڑھتا ہوں۔ یہ کونسی عبادت ہے؟ یہ کون سا فرض ہے؟ نہیں اتارو کیوں؟ کیا حرم آگیا نہیں ابھی نہیں آیا۔ کیا خدا کی بارگاہ میں ہم حاضر ہو گئے؟ مقدس سرزمین پر پہنچے؟ کہا نہیں ارے تو پھر پہنچنے دو۔ تو کہا نہیں پہلے اتار دو۔ اس کے بغیر اس مقدس سرزمین پر قدم نہ رکھنا۔ قدم رکھنا ہے تو وہ لباس پہنو جو رسولِ عربی نے پہنا تھا۔ وہ لباس پہنو جو میرے محبوب نے پہنا تھا۔ اگر ان کی سنت نہ ادا کرو گے تو یہاں میں آنے ہی نہ دوں گا۔

دوستو! رسول کی سنت میں لنگی پہن لی۔ چادر لپیٹ کے اندر چلے۔ سوچا اب دیکھو، کیا فرض ادا ہوتا ہے تو وہاں جب گئے۔ تو کہا گیا۔ گھر کا چکر کرو۔ چلو عرفات میں ٹھہرو۔ چلو مزدلفہ میں ٹھہرو، چلو منیٰ میں رمی جمار کرو، چلو یہ کرو، چلو وہ کرو۔ میں سوچنے لگا مجھ سے تو کہا گیا تھا کہ خدا تعالیٰ کا فرض ادا کرنا ہے اور یہاں خدا تعالیٰ نے کب چکر لگایا تھا؟ خدا تعالیٰ نے صفا مروہ کی سعی کب کی تھی؟ خدا تعالیٰ عرفات میں کب ٹھہرا تھا؟ خدا تعالیٰ نے مزدلفہ میں وقوف کہاں کیا تھا؟ خدا تعالیٰ نے رمی جمار کہاں کیا تھا؟ ارے خدا تعالیٰ کا فرض کیسا؟ جواب ملے گا سنو ادا مصطفےٰ کی۔ فرض خدا تعالیٰ کا۔ یہ میرے رسول نے کیا ہے۔ ہم تمہیں اس لیے تھوڑے ہی بلا رہے ہیں۔ دیکھو ہم نے رسول کی اداؤں کو فرض کر دیا ہے۔ رسول نے چکر کیا تم بھی کرو۔ رسول نے سعی کی تم بھی کرو۔ رسول نے وقوفِ عرفہ کیا، تم بھی کرو۔ رسول مزدلفہ میں ٹھہرے تم بھی ٹھہرو۔ رسول جو کرتے رہے تم بھی وہی کرو اور انتہا بھی ہو گئی جب عرفات سے ہم لوگ روانہ ہونے لگے، تو سورج ڈوب گیا تھا، میں نے کہا ڈوب گیا سورج۔ چلو مغرب پڑھو۔ کہا گیا ٹھہرو، مغرب نہیں پڑھ سکتے۔ ارے مغرب کا وقت ہو گیا۔ نہ پڑھیں۔ نہیں پڑھ سکتے۔ ارے خدا تعالیٰ کا فرض ہے۔ نہیں صاحب! پڑھو گے، مجرم بنو گے۔ مغرب نہ پڑھیں تو کہاں پڑھیں؟ کہا مزدلفہ میں پڑھنا۔ مزدلفہ میں تو وقت نکل جائے گا۔ نکل جانے دو۔ پڑھنا وہیں، غور کرو۔ مکے والا نہ پڑھے تو مجرم۔ مدینے والا نہ پڑھے تو مجرم، جدہ والا نہ پڑھے تو مجرم اور عرفات والا پڑھ لے تو مجرم۔ یہ کیا معاملہ ہے سنو! وقت ہو گیا مگر پڑھنا نہیں۔ مزدلفے میں پڑھنا۔ اچھا مگر وہاں تو وقت نکل جائے گا۔ نکل جانے دو۔ پڑھ لینا وہیں۔ اچھا جب وقت نکل جاتا ہے تو قضا پڑھتے ہیں۔ قضا نہ پڑھنا ادا پڑھنا۔ ذرا غور تو کرو۔ مسئلے کی نزاکت کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ قضا نہ پڑھیں ادا پڑھیں۔ یہ کیا معاملہ ہے۔ کہا سنو جی جہاں رسول پڑھ لیں، وہاں پڑھنا ضروری اور جہاں رسول رُک جائیں، وہاں رُکنا ضروری۔ میرے رسول نے جب اس وقت نہیں پڑھا تو تمہیں بھی نہیں پڑھنا ہے اور مزدلفہ میں وقت کے نکلنے کے بعد رسول نے

ادا پڑھی۔ قضا نہیں پڑھی تو تم بھی ادا پڑھو، اس لیے کہ یہی محبوب کی ادا ہے سہ

فرش والے تیری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

رسول کو بھول جانے کا طریقہ

ظاہر ہو گیا کہ فریضۂ حج بھی رسول کی یاد ہے۔ چلو اب روزے سے پوچھا جائے تو روزے کا بھی عجیب حال ہے۔ افطار خدا تعالیٰ نے نہیں کیا تھا۔ سحری خدا تعالیٰ نے نہیں کھائی تھی۔ دن بھر بھوکا خدا تعالیٰ نہیں رہا۔ یہ بھی مصطفٰے ہی کی ادا ہے۔ اب سحری کھائیں تو مصطفٰے یاد آئیں۔ افطار کریں تو رسول یاد آئیں۔ بھوکے رہو تو رسول یاد آئیں۔ لیجیے روزے میں بھی رسول یاد آئیں۔ سنو جی۔ ارے کم سے کم کلمہ تو پڑھو گے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ تو رسول یاد آ گئے۔ اذان سنو تو رسول یاد آئیں۔ خطبہ سنو تو رسول یاد آئیں نماز پڑھیں تو رسول یاد آئیں۔ حج کرو تو رسول یاد آئیں۔ روزہ رکھو تو رسول یاد آئیں، جہاد کرو تو رسول یاد آئیں۔ زکوٰۃ دو تو رسول یاد آئیں۔

ارے بتاؤ اس رسول کو کیسے بھلایا جائے۔ ہاں بھلانے کا ایک ہی طریقہ ہے۔ ہم نے بہت غور و فکر کیا تو ایک بات سمجھ میں آ گئی کہ ایک مومن رسول کو بھلا نہیں سکتا۔ ایک مسلمان رسول کی یاد منانے پر مجبور ہے۔ ایک مسلمان کبھی رسول کی یاد سے باز نہیں آ سکتا۔ البتہ اگر رسول کو بھلانا ہے تو کافر بن جاؤ۔ مومن رہو گے، تو یاد کرنا پڑے گا۔

دو ٹانگ والے خناس

یقیناً تمہارے پاس آ گیا اللہ کی جانب سے نور۔ اچھا صاحب نور آ گیا۔ روشنی آ گئی۔ اس کا معنی یہ ہوا کہ پہلے تاریکی تھی اور جب نور آ گیا تو اس کا ترجمہ یہ ہوا کہ تاریکی چلی گئی۔ یہی تو ترجمہ کیا جائے گا۔ نور آ گیا، یعنی تاریکی چلی گئی، مگر میں تو دیکھتا ہوں تاریکی ہے۔ میں اعتراض اپنی ہی طرف سے پیش کر دیتا ہوں تاکہ کوئی وسوسہ دینے والا وسوسہ نہ دے۔

۔ وسوسہ دینے والا کون ہے ؟ قرآن سے پوچھو : قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۝ مَلِكِ النَّاسِ ۝ اِلٰهِ النَّاسِ ۝ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ۝ خنّاس کے وسوسوں کے شر سے اللہ کی پناہ مانگنی چاہیئے۔ اور خنّاس کی تعریف کیا کی ہے قرآن نے اَلَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝ خناس وہ ہے جو لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالے۔ وہ کون ہوتا ہے مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝ وہ جن بھی ہیں وہ انسان بھی ہیں تو یہ نہ سمجھ لینا کہ خنّاس کے دو سینگ ہوتے ہیں۔ خنّاس کے چار پیر ہوتے ہیں۔ نہیں دو پیر والے بھی خنّاس ہوتے ہیں۔ خدا کرے کہ کسی خنّاس سے آپ لوگوں کی ملاقات نہ ہو۔ مگر اگر دیکھنے کا شوق ہو تو اس کے پہچاننے کی علامت بتا دوں جو تمہارے دل میں وسوسہ ڈالے تو سمجھ لینا یہی ہیں خنّاس ـــــــ اَلَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۝ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ۝

نور آگیا تو تاریکی کیوں ؟

تو جب نور آگیا تو تاریکی کیوں ہے۔ تاریکی ہے کہ نہیں ؟ پہلے بھی تاریکی تھی، اب بھی تاریکی ہے۔ ابو جہلیت بھی ہے اور کفر بھی ہے۔ نفاق بھی ہے ارتداد بھی ہے۔ نور آگیا تو تاریکی کیوں ہے ؟ اس سے پہلے میں ایک خاص بات کی طرف آپ کی توجہ لے جاؤں کہ کہا گیا نور آگیا۔ نور کہتے ہیں روشنی کو۔ اس کے مقابل جو چیز آئے، وہ تاریکی ہے۔ نور کی دو قسمیں ہیں۔ ایک نور عقلی ہے اور ایک نور حسّی۔ نور حسّی یہ ہے کہ جیسے آپ دیکھ رہے ہیں، مشاہدہ فرما رہے ہیں۔ یہ بلب جل رہے نا۔ یہ نور حسّی ہیں جس کو آپ دیکھ سکیں اور نور عقلی یہ ہے کہ مثال کے طور پر علم نور ہے۔ اس کے مقابلے میں جہالت تاریکی ہے۔ حیا نور ہے، بے حیائی تاریکی ہے۔ انصاف نور ہے، بے انصافی تاریکی ہے۔ اچھے اخلاق نور ہیں، بد اخلاقی تاریکی ہے۔ بس یوں سمجھ لو ہر خوبی کے مقابلے میں جو بُرائی ہے وہ تاریکی ہے۔ تو یہ کہا گیا نور آگیا۔ میں سوچنے لگا کہ نورِ علم آیا کہ نورِ عمل آیا۔ نورِ فضل و کمال آیا کہ نورِ جاہ و جلال آیا۔ نورِ انصاف آیا کہ نورِ حیا

آیا، تو قرآن نے جواب دیا کہ جب خدا نے مقید نہیں کیا تو تجھ کو مقید کرنے کا کیا حق۔ نور کو مطلق رکھا۔ مطلب یہ کہ نور مطلق آگیا، یعنی نورِ حیا بھی آیا، نورِ انصاف بھی۔ نورِ علم بھی آیا، نورِ فضل و کمال بھی۔ نورِ جاہ و جلال بھی آیا، نورِ حسن و جمال بھی۔ نورِ جود و فوال بھی آیا، نورِ ہر ہر کمال بھی۔ تو سوال نے اپنی جگہ سے سر اٹھایا کہ جب ہر طرح کا نور آگیا تو تاریکی کیوں ہے؟ تو میں اس کا جواب دے کے آگے بڑھوں گا۔ بہت زیادہ تفصیلات میں نہیں لے جاؤں گا، اس لیے کہ میں اکثر یہ پڑھا کرتا ہوں کہ ؎

طوفانِ نوح لانے سے اے آنکھ فائدہ
دو اشک ہی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں

اگر اثر کریں تو دو آنسو کافی ہیں اور نہ اثر کرے تو دن بھر کا رونا بیکار ہے، لہٰذا آپ بالکل مطمئن بیٹھیں بس اس سوال کا جواب دے کر کے میں اپنے کلام کو مختصر کر دوں گا۔ تو جب نور آگیا تو تاریکی کیوں ہے؟ تو سنو جی نور کا کام کیا ہے۔ آفتاب جب نکلتا ہے تو اس کا کام جانتے ہو کیا ہے۔ ایک عام تاریکی کو دور کر دینا، مگر ایک بات یہ بتاؤ کہ آفتاب نے تو عام تاریکی کو دور کر دیا، مگر تمہارے مکان کی دیوار پر جو سیاہی لگی ہوتی تھی۔ کیا آفتاب نے اس کو بھی صاف کیا۔ معلوم یہ ہوا کہ آفتاب تمہارے رنگ کو بدلنے کے لیے نہیں آتا۔ آفتاب تمہارا رنگ دکھانے کے لیے آتا ہے۔ آفتاب کا کام ہی ایسا ہے جو چھپے ہوئے لوگ ہیں، ان کو دکھا دیا جائے۔ رات میں ہم جب آتے تھے تو پتہ نہیں تھا کہ دیوار پر سبزی کتنی ہے، سرخی کتنی ہے، دیوار کا رنگ کیسا ہے؟ مگر جب آفتاب نکل آیا تو پتہ چل گیا کہ سیاہی اتنی ہے، سفیدی اتنی ہے، تو آفتاب کا کام ہے تمہیں دھوکے سے بچا لینا۔ اس کو میں ایک مثال سے سمجھاؤں۔ ہمارے مولانا حسن آدم صاحب رات میں چلے تاریکی میں اتفاقاً پیر کے نیچے پڑ گئی رسی۔ بچارے چلاتے ہوتے بھگے سانپ، سانپ؟ پریشان ہو گئے اور آگے جب گئے تو پیر کے نیچے آگیا سانپ۔ کھڑے ہو گئے۔ کوئی رسی ہو گی۔ دیکھا آپ نے تاریکی کا حال۔ مگر جب آفتاب نکلتا ہے یہ دھوکا نہیں

ہوسکتا۔ آفتاب کا کام یہ نہیں ہے کہ سانپ کو رسی بنا دے اور رسی کو سانپ بنا دے، مگر جو رات کو دھوکہ ہوا تھا، وہ اب نہ ہوگا۔ رسی رسی نظر آئے گی، سانپ سانپ دکھائی دے گا۔ نور کا کام ہے امتیاز دے دینا، نور کا کام ہے، دھوکے اور فریب سے بچا لینا تو اب نور آگیا ہے اب کوئی فریب نہ دے سکے گا، کوئی اب اپنے آپ کو چھپا نہ سکے گا۔

خطرناک دشمن کون؟

واقعی دوستو نور آگیا ہے، اسی لیے میرے رسول نے تمام فریبیوں کے چہرے سے نقاب الٹ دیا۔ ایک حدیث کی روشنی میں ایک واقعہ میں عرض کروں گا۔ دیکھو دشمن وہ بھی ہے جو دشمن بن کے سامنے آئے اور دشمن وہ بھی ہے جو دوست بن کے آئے، اگر انصاف سے بتاؤ کونسا دشمن زیادہ خطرناک ہے جو یہ کہہ کے آتا ہے کہ میں دشمن ہوں، میں دشمن ہوں، شور مچا کے آتا ہے۔ اس کے لیے آپ کا دروازہ پہلے ہی سے بند ہوجاتا ہے اور وہ دشمن جو دوست بن کے آتا ہے، اس کے لیے دروازہ بھی کھلا ہے، دسترخوان بھی لگا ہے۔ دیکھا آپ نے کتنا خطرناک دشمن ہے۔ یہیں چاتے پل رہا ہے اور یہیں منصوبے بنا رہا ہے۔ کتنا خطرناک دشمن ہے۔ تو میرے رسول نے جہاں کھلے ہوئے دشمنوں کو سمجھا دیا۔ وہیں ملے ہوئے دشمنوں کو بھی سمجھا دیا۔ اس زمانے میں بھی ایسے لوگ تھے۔ میں بتاؤں، قرآن کریم کہہ رہا ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝

لوگوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو کہتے ہیں ہم اللہ پر ایمان لائے، ہم قیامت کے دن پر ایمان لائے بکنے دو ان بکنے والوں کو وما ھم بمؤمنین۔ یہ مومن نہیں ہیں، کلمہ پڑھتے ہیں پھر بھی مومن نہیں ہیں، حج کرتے ہیں، پھر بھی مومن نہیں ہیں۔ زکوٰۃ دیتے ہیں پھر بھی مومن نہیں ہیں۔ یہ اسلامی احکام پر عمل کرتے ہیں پھر بھی مومن نہیں ہیں۔ قرآن کہتا ہے وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ یہ مومن نہیں۔ ایسوں کو کچھ چھوٹ دی گئی تھی۔ ان کے ساتھ مسلمانوں جیسا تعلق برتا جاتا۔ یہ مالِ غنیمت کے لالچ میں مومن بنے رہے۔ میں اس وقت کے منافقوں کا ذکر کر رہا ہوں۔ کس

زمانے کے منافقوں کا؟ جو رسول کے زمانے میں تھے۔ جب اس زمانے میں منافق تھے تو اب اس سے اچھا کونسا زمانہ ہوگا کہ منافق نہ رہیں۔ میں اس دور کی بات کر رہا ہوں، اس دور کی بات میں نہیں کرتا۔ اس دور کی بات کرنے کی ضرورت بھی کیا ہے؟ اس لیے کہ جب آپ اس دور کے منافقوں کو سمجھ لیں گے تو اس دور کے منافقوں کو بھی سمجھنے میں دشواری نہ ہوگی۔ لہذا اس دور کے منافقوں کا ذکر کرنے کی ضرورت بھی کیا ہے؟ پہلے اسی دور والوں کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ تو اس دور کے منافقوں کا حال یہ تھا کہ قرآن چیلنج کے ساتھ یہ کہتا ہے یہ کلمہ پڑھتے ہیں مگر ان کا کلمہ جھوٹا ہے۔ ان کی نماز نماز نہیں، ان کا روزہ روزہ نہیں، ان کا حج حج نہیں۔ ان کی زکوٰۃ زکوٰۃ نہیں۔ کچھ نہیں وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ۔ یہ مومن نہیں ہیں۔

کون لوگ مسجد سے نکالے گئے؟

ذرا غور کرو یہ تفصیل طلب مضمون ہے جس کے ہر گوشہ کو اگر آپ کے سامنے عرض کروں تو بات بہت طویل ہو جائے گی۔ مجھے صرف یہ دکھانا تھا کہ ایسے چھپے ہوؤں کو بھی رسول نے چھپا دیا اور اب وہ چھپ نہیں پا رہے ہیں۔ کب چھپایا تھا۔ اگر تم یاد رکھ سکو تو یاد رکھو۔ یہ ہے فتح الباری شرح صحیح البخاری علامہ ابن حجر عسقلانی کی کتاب۔ اور یہ ہے عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری علامہ بدر الدین عینی کی کتاب نہایت معتبر۔ اس میں ایک واقعہ ہے اور مفصل واقعہ میں عرض کروں کہ جمعہ کے دن ممبر رسول پر بیٹھ کر کے ایک مرتبہ رسول نے یہ کیا کہ جتنے لوگ آئے تھے۔ ظاہر ہے کہ سب جمعہ ہی تو پڑھنے آئے تھے۔ نماز پڑھنے آئے تھے کسی بُرے ارادے سے تو نہیں آئے تھے تو رسول نے کہا اخرج یا فلان فانك منافق اے فلاں تو میری محفل سے نکل جا تو منافق ہے۔ اخرج یا فلان فانك منافق اے فلاں تو بھی نکل جا تو بھی منافق ہے۔ جب تک چھوٹ دینے کا حکم تھا چھوٹ دیتے رہے اور جب نکالنے کا حکم ہوا۔ ایک ایک کو نکالتے رہے۔ اے فلاں نکل جا۔ اے فلاں نکل جا۔ سب کھڑے ہو کے چلے گئے۔ یقین جانو دوستو کسی نے یہ نہیں کہا کہ اے رسول نفاق تو دل کی حرکت

ہے۔ ہماری پیشانی پر کہاں لکھا ہے کہ ہم منافق ہیں۔ اے سرکار! ہم تو آپ کے پیچھے نماز پڑھتے ہیں۔ آپ ہمیں منافق کیسے کہتے ہیں۔ کسی نے نہیں کہا۔ خاموشی کے ساتھ نکلتے چلے گئے۔ وہ جانتے تھے کہ یہ علیم و خبیر کی بات ہے۔ یہ علم والے کی بات ہے۔ یہ علم رکھنے والے کی بات ہے۔ خیریت ہے نکل چلو۔ اگر حجت کریں گے تو ابھی نفاق کھلا ہے، دوسرے عیب بھی کھل جائیں گے۔ خیریت اسی میں ہے نکل چلو۔ اور جب یہ نکلے تو ایک لطیفے کی بات بیچ میں یہ پیش آگئی کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابھی مسجد میں نہیں آئے تھے۔ یعنی مسجد میں آنے میں تھوڑی دیر ہوگئی تھی۔ جب یہ نکلنے لگے حضرت عمر نے دیکھا تو ان کو خیال آیا کہ آج معلوم ہوتا ہے کہ میں لیٹ پہنچا۔ دیکھئے سارے نمازی نکل رہے ہیں نماز پڑھ پڑھ کے۔ حضرت عمر بہت شرمندہ ہوتے کہ آج میں بہت لیٹ ہوگیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ نماز ہوگئی، اس لیے کہ پوری جماعت نکلی چلی جارہی ہے اور ادھر منافقین یہ سوچ کر شرمندہ ہو رہے تھے کہ ہمیں مسجد سے نکلتے ہوئے صرف عمر ہی نے نہیں دیکھا تھا۔ انہوں نے بھی دیکھ لیا۔ جب حضرت عمر مسجد میں آتے تو حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے منافقوں کو رسوا کر دیا۔ رسول نے آج نکال دیا۔ بہت بے آبرو ہو کر تری محفل سے ہم نکلے۔ میں نے عالمِ خیال میں سوچا کہ اے رسول جب نکالنا تھا تو بلایا کیوں تھا۔ بہتر تو یہی تھا کہ باہر ہی رہنے دیا ہوتا، تو جواب ملتا ہے سنو جی بلا کے نکالنے میں رسوائی زیادہ ہے۔ تم نے نہیں دیکھا کہ کعبے میں پہلے تین سو ساٹھ بتوں کو آنے دیا اور پھر رسوا کر کے نکال دیا۔

اب مولانا حنیف صاحب کو یہ شکایت نہیں ہوسکتی۔ مولانا حسن آدم کو یہ شکایت نہیں ہوسکتی، مولانا نیاز کو یہ شکایت نہیں ہوسکتی۔ یہ لوگ کیوں نہیں آتے رسول کی محفل میں۔ میں ان سے عرض کروں گا حضور والا! اسی محفل سے تو وہ نکالے گئے تھے۔ اب یہاں کیا منہ لے کر آئیں ع

بہت بے آبرو ہو کر تری محفل سے ہم نکلے

مسجد سے نکالنا رسول کی سنت ہے

بہر حال میرے رسول نے ایک ایک کو نکال دیا اخرج یا فلاں فانک

مناقق۔ اب منافق اپنے کو چھپا نہیں سکتا۔ نور آگیا۔ نور آگیا اب نفاق اپنے کو چھپا نہیں سکتا۔ اور ایک بات یہاں پر اچھی طرح سے سمجھو۔ کچھ لوگ تمہیں سنت سکھانے آتے ہیں۔ تو ان کی بتائی ہوئی سنتوں کو سننے سے پہلے اس سنت کو ذہن میں محفوظ رکھنا کہ ایسا کلمہ پڑھنے والوں اور ایسے نماز پڑھنے والوں کو مسجد سے نکالنا یہ رسول کی سنت ہے۔ جب رسول نے پہلے نکال دیا تو اب رسول کے چاہنے والے بھی تو نکالیں گے نا۔ تو کبھی کبھی بھٹک کر کے کچھ لوگ سنت سکھانے کے لیے آجاتے ہیں، خدا کرے کہ یہاں نہ آئیں، مگر کبھی کبھی بھٹک کر کے آجاتے ہیں۔ سنت سکھانے کے لیے سنت نمبر ۱ سنت نمبر ۲ سنت نمبر ۳ سنت نمبر ۴ تو ان سے کہنا بھئی چار سنت تم نے سکھائی ہے نا اور مسجد سے تمہیں نکالنا یہ بھی سنت نمبر ۵ ہے۔ ایک سنت تم ہم سے بھی سیکھ لو۔ تمہاری سنت کا ہم خیال رکھیں گے اور ہماری سنت کا تم خیال رکھنا اور اب آئندہ مت آنا۔

فرش والے تیری شوکت کا علو کیا جانیں،
خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

چشمِ اعمیٰ میں خورشید دیجور ہے — دیدۂ صاحبِ دید میں نور ہے
آنکھ والوں سے لے بے بصر پوچھ لے — میری سرکار نورٌ علیٰ نور ہے

کھڑے ہو جائیے بارگاہِ رسالت میں، صلوٰۃ وسلام کا نذرانۂ عقیدت پیش فرمائیے۔

دو شہزادوں کی دل گداز داستان، جنہیں فرات کے کنارے تہ تیغ کیا گیا
عشق وایمان کی عجیب سے عجیب معرکہ آرائیاں اور محبت کی جلوہ ریزیاں

زلف وزنجیر میں پڑھیے

خطبہ (۲)

عظمتِ مصطفٰے

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ
وَرَسُوْلِہٖ وَاتَّقُوا اللّٰہَ۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر — نفس گم کردہ می آید جنید بایزید ایں جا
بمصطفٰے برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست — اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی ست
ظہور نور یزدانی، نمود شان ربانی — خدا کا دوسرا کوئی نہ کوئی آپ کا ثانی
ہمارے دین کی حقانیت کے دونوں شاہد ہیں — معین الدین اجمیری، محی الدین جیلانی

درود پاک : تین بار

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی اَنْ تُصَلِّیَ عَلَیْہِ۔

سیرت کی تعریف

میں نے جس آیتِ کریمہ کی تلاوت کا شرف حاصل کیا ہے، اس کا ترجمہ عرض کرنے سے پہلے اور اس کے متعلق اپنے معروضات و خیالات کو پیش کرنے سے پہلے ایک اہم بات کی طرف آپ کی توجہ لے جانا چاہتا ہوں۔ ابھی حضرت مولانا محمد بشیر صاحب نے اس کی طرف ایک اشارہ کیا ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس کو مفصل طور پر آپ سمجھ لیں۔ یہ سیرت النبی کیا ہے؟ جگہ جگہ بڑے بڑے اشتہار، بڑے بڑے پوسٹر ملتے ہیں "جلسۂ سیرت النبی"۔ تو آخر یہ سیرت النبی کیا چیز ہے؟ سیرت النبی کون بیان کرتا ہے؟ کس چیز کو ہم نبی کی سیرت کہیں گے؟ دیکھئے ایک ہے لفظ سیرت۔ اس کا معنی جا کر آپ لغت میں دیکھیں گے تو یہ ملے گا، جس پر کوئی چلے۔ سیرت سیر سے بنی۔ سیر کہتے ہیں چلنے کو۔ جو جس کی روش

وہ اس کی سیرت۔ ایک ہے انسانوں کی سیرت۔ اور ایک ہے جانوروں کی سیرت، مگر یہ آپ کیسے کہتے ہیں کہ یہ جانوروں کی سیرت ہے اور یہ انسان کی سیرت ہے۔ یہ جانوروں کی روش ہے۔ یہ انسان کی روش ہے۔ یہ جانور کا طریقہ ہے۔ یہ انسان کا طریقہ ہے؟ کسی روش کے متعلق آپ اسی وقت یہ کہیں گے کہ یہ جانور کی روش نہیں ہے، بلکہ یہ انسان کی روش ہے، جبکہ آپ اس روش میں ایسی بات پائیں جو جانوروں میں نہ ہو۔

انسان اور جانور میں فرق

غور فرمایئے کہ یہ انسان بھی خود ایک حیوان ہے۔ بہت ساری باتیں حیوانوں کی اس کے اندر ہیں۔ جانور چلتے ہیں، آپ بھی چلتے ہیں۔ اگر آپ کھانے پینے کی خواہش رکھتے ہیں تو جانوروں کا بھی یہی فطری تقاضا ہے۔ غور و فکر کرنے کے بعد آپ اس منزل پر پہنچیں گے کہ انسان اور حیوان میں صرف ایک درجے کا فرق ہے۔ دونوں جوہر۔ دونوں جسم۔ دونوں نامی۔ دونوں حساس۔ دونوں متحرک دونوں کے اندر تکلیف اور آسائش کا احساس۔ ہاں ایک ایسی چیز انسان کے پاس ہے جو جانوروں کے پاس نہیں ہے، جس کی وجہ سے انسان کو حیوانِ ناطق کہا گیا ہے، یعنی اس کے اندر نطق باطنی یعنی عقل ہے اور نطق ظاہری یعنی گویائی ہے، لہٰذا یہ انسان اور جانوروں سے ممتاز ہے۔ اب ہم کو سمجھنا یہ ہے کہ انسان کی سیرت کیا ہے اور جانور کی سیرت کیا ہے۔ اگر ہم یہ کہیں اور کسی انسان کی تعریف کریں، وہ چلتا ہے، پھرتا ہے، اٹھتا ہے، وہ بیٹھتا ہے۔ تو یہ انسان کی تعریف نہیں ہوتی۔ یہ تو حیوان کی تعریف ہوئی، اس لیے کہ حیوان بھی چلتا ہے۔ یہ تم نے جس صفت کو لیا ہے۔ یہ انسان کی کوئی مخصوص صفت نہیں ہے۔ اگر تمہیں انسان کی تعریف کرنا ہے، تو ایسی بات کہو کہ جانور انسان کے دوش بدوش نہ آسکے۔ اگر تم انسان کی تعریف کرنا چاہو اور کہو کہ انسان کھاتا ہے، جانور کہے گا میں بھی کھاتا ہوں۔ کیا خاص بات پیدا ہوئی انسان میں۔ انسان چلتا پھرتا ہے میں بھی چلتا پھرتا ہوں۔ انسان کے اندر قوتِ احساس ہے، میرے اندر بھی قوتِ احساس ہے۔ تو کیا خاص بات ہوئی انسان میں۔ کیوں انسان اپنے آپ کو اشرف کہہ رہا ہے؟ کیوں انسان اپنے آپ کو اکرم کہہ رہا ہے؟ کیوں اپنے آپ

کو افضل قرار دے رہا ہے؟ کون سی خاص بات ہے، تو اب جب ہم جانوروں کے مقابلے میں انسان کی سیرت بیان کریں گے، تو یہ نہیں کہیں گے کہ یہ چلتا ہے۔ یہ پھرتا ہے۔ یہ کھاتا ہے۔ یہ اٹھتا ہے، یہ بیٹھتا ہے۔ ہم یہ کہیں گے کہ یہ سمجھدار ہے۔ یہ عقل والا ہے، یہ بوجھ والا ہے۔ یہ تمہارے اندر نہیں ہے۔ تو یہ ہوئی انسان کی سیرت۔

مومن و کافر کی سیرت

انسانوں میں بھی بہت فرق ہے۔ ایک ہے کافر کی سیرت۔ ایک ہے مومن کی سیرت۔ اور مومن میں بھی بڑا فرق ہے۔ ایک ہے بچے کی سیرت۔ ایک ہے جوان کی سیرت۔ ایک ہے بوڑھے کی سیرت اور ایک ہے نوجوان کی سیرت۔ کیا مطلب؟ مثال کے طور پر ہم نے اگر آپ سے کہا کہ ہم نے ایک انسان کو دیکھا کہ بڑے ناسمجھی کے عالم میں انگارے کی طرف ہاتھ بڑھا رہا تھا۔ آپ سمجھ لیں گے، یہ کسی بچے کی سیرت ہوگی۔ اگر ہم نے یہ کہا کہ ہم نے ایک انسان کو دیکھا جو اپنے سامنے والے کو چیلنج کر رہا تھا اور کشتی لڑنے کے لیے تیار تھا۔ ہم سمجھ لیں گے یہ کسی پہلوان کی سیرت ہے۔ ہم جس طرح کی خوبی بیان کریں گے، اسی خوبی کی روشنی میں آپ یہ سمجھیں گے کہ یہ کس کی سیرت ہے۔ یوں ہی ہم اگر کوئی ایسی بات کریں جو کسی کے شرک کو ظاہر کرے تو آپ کہیں گے یہ کسی کافر و مشرک کی سیرت ہوگی۔ الغرض اگر تم مومن کی سیرت بیان کرنا چاہو تو وہ سیرت مومن کی سیرت نہیں بن سکتی جس میں دوسرے غیر مومن انسان بھی اس کے شریک ہوں۔ وہ بنے گی تو انسان کی سیرت بنے گی۔ وہ بنے گی تو جوان کی سیرت بنے گی۔ وہ بنے گی تو آدمی کی سیرت بنے گی۔ مومن کی سیرت وہی ہوگی جو اس کے ایمان کو ظاہر کرے۔

مثال کے طور پر اگر میں یہ کہوں سنو جی! آؤ میں تمہیں مومن کی سیرت سناؤں۔ مومن وہ ہے جو سوتا ہے، مومن وہ ہے جو کھاتا ہے، مومن وہ ہے جو چلتا پھرتا ہے، مومن وہ ہے جو یہ کام کرتا ہے، مومن وہ ہے جو بازاروں میں ٹہلتا ہے۔ تو آپ کہیں گے کہ تمہارا دماغ خراب ہوگیا ہے۔ یہ تو انسان کی سیرت ہے، مومن کی نہیں ہے۔ اس میں مومن کے لیے تم نے کون سی خاص بات

نکال دی ہے۔ ذرا غور تو کرو بات سمجھ میں آگئی۔ مومن کی سیرت اور ہے۔ اور ایسے ہی دوستو بڑھتے چلے جاؤ۔ بڑھتے چلے جاؤ۔ مومن کے اوپر ایک درجہ شہید کا ہے۔ شہید کے اوپر درجہ صدیق کا ہے۔ صدیق کے اوپر درجہ نبی کا ہے۔ نبی کے اوپر درجہ رسول کا ہے۔ رسول کے اوپر درجہ اولو العزم رسول کا ہے اور اولو العزم رسول کے اوپر درجہ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے۔ میں سوچ میں پڑ گیا اور میں بہت حیران رہتا ہوں کہ یہ انسان کتنا بے انصاف ہے۔ جانوروں میں اور اس میں صرف ایک درجے کا فرق ہے۔ یہ ناطق ہے، وہ ناطق نہیں ہے، ورنہ تمام درجوں میں یہ انسان جانوروں کی طرح ہے۔ مگر کیا ہو گیا ہے کہ یہ انسان صرف ایک درجے کا فرق رکھنے کے باوجود کبھی اپنے کو جانور کی طرح نہیں کہتا ہے اور وہ نبی جو ہزاروں درجے کا فرق رکھ رہا ہے، اس کو اپنی طرح کہتا ہے۔

جلسہ سیرت النبی کیا ہے؟

کیا اسی کا نام عقل ہے؟ کیا اسی کا نام دانائی ہے؟ کیا اسی کو فراست کہیں گے؟ کیا اسی کو شعور کہیں گے۔ تو سنو! اچھی طرح سنو! اب میرے رسول کی یہ جو سیرت بیان کرے کہ رسول اٹھتے تھے، رسول چلتے تھے۔ رسول سوتے تھے۔ رسول نے فلاں کا بوجھ اٹھا دیا۔ رسول نے فلاں کام کر دیا۔ رسول نے یہ کیا تو سمجھ لینا یہ رسول کی سیرت نہیں بیان کر رہا ہے۔ نبی کی سیرت نہیں بیان کر رہا ہے، وہ تو انسان کی سیرت بیان کر رہا ہے۔ اس لیے کہ جو نبی ہے وہ ولی بھی ہے، صدیق بھی ہے، شہید بھی ہے۔ مومن بھی ہے، انسان بھی ہے۔ تو جب تمام اوصاف ہیں تو اس کے ہر چیز کی سیرت الگ الگ ہے۔ مثلاً محمد عربی بحیثیتِ انسان ان کی سیرت اور ہے۔ محمد عربی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) بحیثیت مومن ان کی سیرت اور ہے۔ محمد عربی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) بحیثیت ولی ان کی سیرت اور ہے۔ محمد عربی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) بحیثیتِ صدیق ان کی سیرت اور ہے۔ محمد عربی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) بحیثیتِ نبی ان کی سیرت اور ہے۔ محمد عربی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) بحیثیتِ رسول ان کی سیرت اور ہے۔ محمد عربی (صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم بحیثیت صاحب شفاعتِ کبریٰ ان کی سیرت اور ہے۔ میں تو یہی کہہ رہا ہوں کہ اگر تم صرف وہ باتیں بیان کروگے جو اور انسانوں میں پائی جاتیں گی تو ہم سمجھ لیں گے کہ تم انسان کی سیرت بیان کر رہے ہو۔ نبی کی سیرت نہیں بیان کر رہے ہو، جو تعجب کی بات ہے اعلان کیا جاتا ہے کہ یہ سیرت النبی کا جلسہ ہے۔ اعلان کیا جاتا ہے کہ یہ سیرت الرسول کا جلسہ ہے اور بات کی جاتی ہے، تو انسان کی بات کی جاتی ہے۔ بات کی جاتی ہے تو بشر کی بات کی جاتی ہے۔ تو پھر یہی اعلان کردو یہ جلسہ سیرت الانسان ہے۔

اگر تم نبی کی سیرت اور رسول کی سیرت بیان کرنا چاہتے ہو تو ایسی بات کہو جو اس نبی میں ہو دوسرے میں نہ ہو۔ تب تو وہ نبی کی سیرت ہوگی اور اگر دوسرے میں ہوگئی تو نبی کے لیے مخصوص بات کیا رہی۔ الغرض نبی کی سیرت وہی ہے جو نبی میں رہے غیر نبی میں نہ رہے۔ تو اب ہم دعویٰ کرتے ہیں۔ اس طرح سیرت النبی ہمارا ہی اسٹیج بیان کرتا ہے۔ دوسرے تو اس طرح کی سیرت جانتے بھی نہیں، یا علم رکھ کر چھپاتے رہیں۔

ذرا سا غور تو کرو میرے نبی کے ایک ایک عمل میں کتنی حکمتیں اور کتنی دانائی ہے۔ یہ سمجھنے کی بات ہے۔ دیکھو ابھی حضرت مولانا نے ایک واقعہ بتایا۔ رسول کو ایک کپڑے کو دھوتا ہوا دکھا دیا۔ دکھا دیا نا۔ یہ بتاؤ یہ کپڑا دوسرا بھی تو دھو سکتا ہے۔ مگر کیا بات ہے جب کافر آکر دیکھتا ہے تو اس دھونے کو وہ دلیل نبوت سمجھتا ہے۔ وہ یہ بھی تو سوچ سکتا تھا کہ کوئی با اخلاق انسان بھی ایسا کر سکتا ہے۔ ایک شریف انسان سے بھی تو ایسا ممکن ہے۔ اس عمل کو دیکھ کر کلمہ پڑھنے کی تحریک کیوں پیدا ہوئی؟ کیا اس عمل کو دیکھ کر کے کافر کا کلمہ پڑھنا یہ نہیں بتا رہا ہے کہ اے لوگو تمہارا عمل اور ہے اور نبی کا عمل اور ہے۔

نبی کا عمل وہ ہے کہ اگر یہ سو جائیں تو معجزہ۔ جاگیں تو معجزہ۔ چلیں تو معجزہ۔ بیٹھیں تو معجزہ۔ اور اسی ضرورت کو محسوس کرانا تھا میرے رسول کو کہ بیٹھتے تو کہتے تھے میں بندوں کی طرح بیٹھتا ہوں۔ کھاتے تھے تو کہتے تھے کہ میں بندوں کی طرح کھاتا ہوں۔ میں نے عالمِ خیال میں پوچھا

اے اللہ کے رسول یہ کہنے کی کیا ضرورت ہے کہ میں بندوں کی طرح کھاتا ہوں، میں بندوں کی طرح چلتا ہوں۔ میں بندوں کی طرح اٹھتا بیٹھتا ہوں۔ تو جواب ملے گا ارے نادان تو نہیں جانتا۔ میرا اٹھنا بیٹھنا دلیلِ نبوت ہے۔ میرا اٹھنا بیٹھنا معجزہ ہے۔ میرا اٹھنا بیٹھنا کمال ہے۔ اسی لیے میں اپنی عبدیت کی رٹ لگا رہا ہوں کہ کہیں یہ بندے مجھے عبدہ سے ابنہٗ نہ کہہ دیں۔

آپ نے سمجھ لیا کہ سیرت النبی کیا ہے؟ لہٰذا سیرت النبی کا جلسہ اسے کہیں گے، جس میں نبی کے وہ اوصاف بیان کیے جائیں جو بحیثیت نبی ہوں اور اگر بحیثیت نبی والے اوصاف آپ نہیں بیان کر رہے ہیں، تو پھر یہ کیوں دھوکہ دے رہے ہیں کہ ہم سیرت النبی کا جلسہ کر رہے ہیں۔ قوم کو کیوں فریب دے رہے ہیں۔ یقین جانو کہ سیرت النبی کا جلسہ کرنا ہم سنّیوں کا مقدر بن چکا ہے۔ یہ کرم سرکار کا ہم سنّیوں کے اوپر ہے کہ اپنی سیرت وہ ہم سے کہلواتے ہیں۔ یہ نہ سمجھیں گے اور نہ کہہ پائیں گے۔

بارگاہِ نبوّت کی عظمت

اب دوستو! میں تمہیں بتانا چاہتا ہوں۔ آؤ دیکھو نبی کا مقام کیا ہے۔ نبی کی سیرت کیا ہے۔ نبی کی عظمت کیا ہے۔ بہت سنا ہو گا تاریخ کو پڑھنے والوں نے تاریخوں کو پڑھا ہے۔ نہ جانے کتنے سلطان آئے چلے گئے۔ نہ جانے کتنے حاکم ہیں جو اس وقت موجود ہیں، کتنے پیدا ہوں گے۔ تاریخیں کروٹیں بدلتی رہیں گی۔ تاریخیں اپنے آپ کو دہراتی رہیں گی۔ یہ سارا سلسلہ تو چلتا ہی رہے گا مگر دوستو! اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا کہ جو سلطان آیا، جو بادشاہ آیا، جو شہنشاہ آیا، اس نے اپنے دربار کو خود ہی سجایا۔ اپنے دربار کے آداب اس نے خود بیان کیے۔ اپنے دربار میں آنے والوں کے لیے قوانین اور ضابطوں کی فہرست خود مرتب کی کہ اے لوگو! میرے دربار میں آنا تو ایسے آنا، بات کرنا تو ایسے کرنا، بیٹھنا تو ایسے بیٹھنا، بولنا تو ایسے بولنا۔ اور اپنے حاکموں کے اوپر لازم قرار دیا کہ میرے دربار میں آنے والوں کے لیے ان آداب کا پابند بناتے رہیں اور پھر دیکھا یہ جاتا ہے کہ

وہ قانون بنانے والا جب چلا گیا تو اس کے دربار کے آداب بھی چلے گئے۔ قانون بھی چلا گیا، ضابطہ بھی چلا گیا۔ اب دوسرا آیا ع ہر کہ آمد عمارتِ نو ساخت ـــــ دوسرے نے دوسری عمارت بنائی۔ اب ہمارے یہاں کے آداب یہ ہیں۔ اب ہمارے یہاں کا ضابطہ یہ ہے۔ اب ہمارے یہاں کا قانون یہ ہے۔ تو اس طرح ادب کا قانون بنانے والا بھی گیا اور اس وقت کے ادب کے قوانین بھی چلے گئے۔ الغرض جب بادشاہ اپنا قانون خود بناتا ہے، تو جب وہ جاتا ہے، تو اس کا قانون بھی چلا جاتا ہے اور پھر کوئی اس کے بنائے ہوئے قوانین کا پُرسانِ حال نہیں ہوتا۔ ایک بات اور بھی قابلِ غور ہے کہ انسانی بادشاہ اور انسانی حکمران جب کوئی قانون بناتا ہے تو اس کا قانون صرف انسانوں پر چلتا ہے۔ آج تک تم نے نہ سنا ہوگا کہ کسی انسانی حکومت کا قانون جنوں پر چلا ہو، کسی حکومت کا قانون دریاؤں پر چلا ہو، کسی حکومت کا قانون پہاڑوں پر چلا ہو۔ ہم تو یہ دیکھتے ہیں کہ انسان جب قانون بناتا ہے تو اپنے جیسے انسانوں ہی پر چلاتا ہے۔ اب آؤ میں تمہیں ایک ایسا دربار دکھاؤں جو بہت بڑا اور بہت پیارا دربار ہے۔ اسی دھرتی کے اوپر، اسی آسمان کے نیچے، اسی آکاش کے تلے۔ نہایت ہی عجیب دربار ہے کہ دربار کسی کا ہے، قانون کوئی بنا رہا ہے۔ یہاں آؤ تو ایسے آؤ، بولو تو ایسے بولو۔ بیٹھو تو ایسے بیٹھو۔ میں اس اجمال میں کوئی بات نہیں کہنا چاہتا۔ دربار ہے مصطفےٰ کا، قانون ہے کبریا کا۔

اے محبوب! اپنی بارگاہ کے قوانین تم نہ بناؤ، ضابطے تم نہ بناؤ، یہاں کے لیے اصول تم نہ بناؤ۔ یہ تو میں نے اپنے ذمہ کرم میں رکھا ہے، ورنہ معاملہ کچھ اور ہوگا، اس لیے کہ اے میرے محبوب! قانون تو تو بھی بنا سکتا ہے۔ قانون سازی کا تجھے اختیار دیا گیا ہے اور اپنی بارگاہ کے آداب تو متعین کر سکتا ہے، مگر اے محبوب! اگر تو بنائے گا، تو پھر وہ چیز حدیث بن کر لوگوں تک پہنچے گی اور جب اس پر صدیاں گزر جائیں گی تو راویوں کا ایسا اختلاف ہوگا، کچھ معاملہ ایسا چلے گا، بعد کے ضعیف الاعتقاد بے ادب یہ کہیں گے، ہم اس ادب کے قانون کو نہیں مانتے۔ یہ تو ضعیف ہے، کمزور ہے۔ اس کا راوی ایسا ہے، اس کا راوی ویسا ہے تو ادب کرنا نہ چاہیں گے،

تو تیری حدیثوں سے الجھیں گے۔ تو اے محبوب! خاموش رہ۔ میں جبرئیل کو بھیجوں گا تاکہ حدیث نہ رہے قرآن ہو جاتے۔

اے محبوب! ایک دوسری بات اور بھی ہے، وہ یہ کہ تو انسان، تیرے اندر انسانی خواص انسان کی ہدایت کے لیے انسان ہی جائے گا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تیرے بناتے ہوئے قانون پر یہ لوگ شک کی نظر کریں۔ انسانوں کا قانون جو ہے وہ تو انسان ہی پر چلے گا۔ انسان کا قانون جو ہے، وہ تو آدمیوں ہی پر چلے گا، بشر ہی پر چلے گا۔ تو اے محبوب! تو خاموش رہ۔ اس معاملے میں تجھے پڑنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اب یہ خالق کا قانون ہے، ہر مخلوق پر چلے گا۔ اب تیری بارگاہ کا ادب صرف انسانوں کے لیے ضروری نہیں رہ گیا۔ ملائکہ کے لیے بھی ضروری، جنوں کے لیے بھی ضروری پتھروں کے لیے بھی ضروری، درختوں کے لیے بھی ضروری، جانوروں کے لیے بھی ضروری۔ دریا کے قطروں کے لیے بھی ضروری۔ آسمان کے ستاروں کے لیے بھی ضروری اور زمین کے ذروں کے لیے بھی ضروری، اس لیے کہ یہ خالق کا قانون ہے۔

سوچا جا سکتا ہے کہ اچھا تو کب تک یہ پابند۔ جب تک رسول نگاہوں کے سامنے رہیں گے تب تک پابند۔ جب تک سرکار دیکھتے رہیں گے تب تک پابند۔ جواب یہ ہے جب حیّ وقیوم کا قانون ہے، تو اس کو کیسے کوئی مٹا سکتا ہے۔ حیّ قیوم کا بنایا ہوا قانون ہے۔ زمانے کی دستبرد سے یہ ہمیشہ پاک رہے گا اور جب یہ خدا کا بنایا ہوا قانون ہے تو نہ خدا کو زوال ہے نہ اس کے قانون کو زوال۔

تو بس آج میرا جی یہی چاہتا ہے کہ خدائی قانون ہو اور مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا دربار ہو اور وہاں کے آداب ہوں اور آج میں بہت احتیاط سے بات کروں گا۔ احتیاط اس لیے کروں گا کہ قرآن کریم کی آیت کے سوا کوئی چیز [illegible] ہوں، ورنہ ضعیف الاعتقاد انسان ادب کرنا نہیں چاہتا۔ تو کہتا ہے یہ ضعیف ہے، وہ ضعیف ہے۔ میں سمجھ گیا کہ تو خود ہی ضعیف الاعتقاد ہے۔

اب قرآن کریم کی چند آیتیں مختلف مقامات سے آپ کے سامنے عرض کروں گا کہ دیکھو کیسے کیسے آداب بارگاہِ مصطفیٰ کے بتائے گئے ہیں۔ اور اس کے بعد میں صرف آداب ہی کا ذکر نہیں کروں گا۔ ادب کرنے والوں کو کیا دیا گیا، وہ بھی عرض کروں گا۔ بے ادبوں کے ساتھ کیا سلوک رب تبارک و تعالیٰ نے کیا، اس کا بھی ذکر ہو گا۔ ارے بھئی قانون اگر ہم بنائیں تو جو قانون کی خلاف ورزی کرے گا، اس کی سزا تو ہمیں دیں گے نا اور جو قانون پر چلے گا، اس کو انع بھی ہم دیں گے۔ تو قانون تو خدا نے بنایا ہے نا، تو جو خلاف ورزی کرے گا اسے سزا خدا دے گا۔ اور جو اس کی خلاف ورزی نہ کرے گا اسے انعام خدا دے گا۔ ادب والوں پر خدائی عنایات اور بے ادبوں پر خدائی عتاب دیکھ کر آپ بآسانی خود ہی فیصلہ کر لیں گے با ادب با نصیب بے ادب بے نصیب۔

صرفِ اہلِ ایمان کیوں ؟

اب میں ایک ایک آیت تلاوت کروں گا اور تھوڑی تھوڑی ہر آیت کی شرح بھی کرتا جاؤں گا۔ تفسیر بھی عرض کرتا جاؤں گا تاکہ مفہوم کی مکمل وضاحت ہو جائے۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاتَّقُوا اللّٰهَ

اے وہ لوگ جو ایمان لا چکے، ان سے خطاب ہے یٰاَیُّهَا النَّاس فرما کر سارے انسانوں کو نہیں پکارا۔ اے ایمان والو! تم سے کہا جا رہا ہے۔ کیا بات ہے۔ یہ ایمان والوں سے خطاب کیوں ہے؟ سارے انسانوں سے کیوں خطاب نہیں؟ کہا سنو جی! یہ رسول کی بارگاہ کے ادب کی بات ہے نا۔ تو ایمان والا ہی تو ادب کرے گا تو اور لوگوں سے ابھی ادب کی بات مت کرو۔ ابھی ان سے ایمان کی بات کرو۔ تم ایمان لاؤ، تب ادب کا سبق سیکھو۔

لہذا جو لوگ بے ادب ہیں، ان کی طرف تخاطب بھی نہیں۔ وہ ابھی اس خطاب سے نیچے ہوتے ہیں۔ ان سے تو یہی خطاب ہے کہ تم پہلے ایمان لے آؤ۔ جب تم مومن ہو جاؤ گے، پھر ادب کا حکم دیا جائے گا۔ دیکھو روزہ فرض، نماز فرض، حج فرض، زکوٰۃ فرض، مگر کافر

یہ نہیں کہا تھا رسول نے اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ۔ کسی کافر سے نہیں کہا تھا وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ۔ کسی کافر سے نہیں کہا تھا اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیْلِ۔ کافر سے بس اتنا ہی کہا گیا تھا قُوْلُوْا لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ تُفْلِحُوْا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہو۔ فلاح پا جاؤ گے۔ اور جب اس نے کہہ لیا تو اب سب کہا جا رہا ہے، اسی لیے ہم بے ادب سے نہیں کہتے ادب کرو۔ بے ادبوں سے کبھی مت کہنا کہ رسول کا ادب کرو، ان سے کہنا تو یہ کہنا، پہلے ایمان لاؤ پھر ادب سیکھو اور ادب کرو۔

تو اے ایمان لانے والو! اللہ اور رسول پر سبقت مت کرو۔ وہاں آگے بڑھنے کی کوشش نہ کرو۔ یعنی اللہ اور رسول کے آگے بڑھنے کی کوشش مت کرو اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری ہر حرکتوں کو دیکھتا ہے، تمہاری ہر بات کو سننے والا ہے۔ یہ معاملہ کیا ہے؟ - معاملہ یہ تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ابھی قربانی نہیں فرمائی تھی کہ صحابہ کرام میں سے کچھ لوگ ایسے تھے جنہوں نے حضور کی قربانی سے پہلے ہی قربانی کرلی اور کچھ صحابہ نے ایسا کیا کہ رمضان شریف کا مہینہ ابھی شروع نہیں ہوا اور حضور نے ابھی روزہ شروع نہیں فرمایا تھا، لیکن انہوں نے روزہ پہلے ہی سے شروع کر دیا۔ دیکھو یہ کسی برائی کے راستے پر نہیں گئے تھے، روزہ ہے تو اچھی چیز، کوئی پہلے ہی سے رکھے تو کیا حرج ہے؟ قربانی تو کرنی ہی ہے، کوئی پہلے ہی کرلے تو کیا حرج ہے؟ یہ ایسی غلط روی کی تو بات نہیں تھی، مگر رب کو یہ منظور نہیں ہوا۔ اور فرما دیا جس کا حاصل یہ ہے کہ ابھی میرے محبوب نے روزہ شروع نہیں کیا، تو نے پہلے کیسے روزہ رکھ لیا۔ ابھی میرے محبوب نے قربانی نہیں کی، تو تو نے پہلے کیسے کرلی۔ مطلب یہ ہے ارے نادان! کسی اور بات میں ہم تجھے کیا بڑھنے دیں گے۔ عبادت میں بھی نہ بڑھنے دیں گے، تو کسی اور بات میں کیا سبقت لے جائے گا۔ اگر تو میرے رسول سے پہلے روزہ رکھے گا تو تیرا روزہ بیکار جائے گا۔ اگر میرے رسول سے پہلے تو نے قربانی کردی تو یہ قربانی مقبول نہیں ہوگی۔ اللہ اور اللہ کے رسول پر سبقت مت کرو، مگر میں سوچنے لگا کہ یہ رسول پر سبقت کی تھی اللہ تعالیٰ پر کہاں سبقت کی تھی۔ سبقت تو کی تھی رسول پر نا۔ رسول نے روزہ ابھی شروع نہیں کیا،

انہوں نے شروع کر دیا۔ سبقت ہوئی کہ نہیں۔ رسول نے ابھی قربانی نہیں فرمائی انہوں نے کر دی، سبقت ہوئی کہ نہیں۔ مگر ایسا تو نہیں ہوا کہ خدا نخواستہ کہ خدا نے تو ابھی قربانی نہیں کی تو نے کیسے کر دی؟ خدا نے تو ابھی روزہ ہی نہیں رکھا، پہلے سے آپ نے کیسے شروع کر دیا؟ تو خدا کے ذکر کی تو کوئی ضرورت ہی نہیں تھی۔ یہاں پر رسول سے سبقت کی بات کی تھی۔ مگر خدا نے کہا سوچ! رسول سے جو سبقت کر رہا ہے، گویا وہ خدا سے سبقت کر رہا ہے۔ رسول سے جو بڑھنے کی کوشش کر رہا ہے، تو گویا اپنے آپ کو وہ خدا سے بھی بڑھانے کی کوشش کر رہا ہے۔ تو اے ایمان والو! ایسی بے ادبی نہ کرو، یہ ادب کے خلاف بات ہے کہ جس کام میں رسول ہاتھ نہ لگائیں، اس میں تم خود سے ہاتھ لگا دو۔ نادانو! یہ کب کہا ہے کہ میرے برابر چلو؟ رسول نے یہ کب کہا کہ میرے آگے آگے چلو؟ رسول نے تو یہی کہا ہے فَاتَّبِعُوْنِیْ میرے پیچھے پیچھے آؤ۔ تو میرے پیچھے پیچھے آنے والا پہلے کام نہیں کیا کرتا۔ اسی لیے علماء نے ایک ادب کا طریقہ بتایا ہے کہ علمائے ملّتِ اسلامیہ اور ایسے ہی بزرگانِ ملّتِ اسلامیہ یہ سب وارث النبی ہیں۔ یہ نبی کے نائب ہیں۔ تو اب جب یہ راستے میں چلیں تو پیچھے رہنا ہی چاہیے، یعنی چلنے میں بھی سبقت نہ کرے۔ سرکارِ مدینہ اگر زمین پہ چل رہے ہوں تو چلنے میں بھی سبقت نہ کرو۔

بارگاہِ صدیق میں

مگر دوستو! اس قانون کو لے کر بارگاہِ صدیق میں پہنچا کہ اے سیدنا صدیق اکبر وہ شبِ ہجرت کی آپ کی پیاری ادا ہمیں یاد آئی۔ کبھی آپ دائیں ہیں، کبھی آپ بائیں ہیں۔ کبھی آپ آگے ہیں، کبھی آپ پیچھے ہیں۔ تو حضور والا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ۔ یہ آگے آگے آپ کیوں چل رہے ہیں۔ اللہ کے رسول سے سبقت مت کیجیے۔ زمین میں بھی چلنے میں سبقت مت کیجیے لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ۔ تو جواب ملے گا نادان تو نہیں جانتا۔ میں آگے جو بڑھ رہا ہوں وہ سبقت کرنے کے لیے نہیں بڑھ رہا ہوں۔ یہ بھی میری غلامی کی ایک ادا ہے کہ جب مجھے یہ خیال آتا ہے کہ کہیں کوئی دائیں سے تیر نہ پھینک دے تو میں داہنے آ جاتا ہوں۔ جب مجھے خیال آتا ہے

کہ کہیں کوئی پیچھے سے تیر نہ لگا دے تو میں پیچھے آجاتا ہوں۔ جب خیال آتا ہے کہ کہیں کوئی بائیں سے تیر نہ پھینک دے تو میں بائیں آجاتا ہوں۔ جب خیال آتا ہے کہ کہیں کوئی آگے سے تیر نہ پھینک دے تو میں آگے آجاتا ہوں۔ میں آگے نہیں چل رہا ہوں۔ میں تو اپنی شمع کے گرد رقص کر رہا ہوں۔

کیا رسول بھائی ہیں؟

ایک تو ہے برابری کے لیے آگے بڑھنا اور اس کے لیے کوشش کرنا، برابری کے لیے آگے بڑھنے کے لیے بڑا پروگرام بنایا جاتا ہے۔ ایک صاحب نے پروگرام بنایا کہ اب کیا ترکیب کی جائے کہ رسول کو اپنے برابر کیا جائے، تو انہوں نے قوم سے یہ بات منوانے کی کوشش کی سنو جی! نبی انسان ہے۔ ہے کوئی ایسا جو نبی کو انسان نہ مانے۔ یہ تو ہمارا بھی عقیدہ ہے نا۔ جو کہے نبی انسان نہیں وہ کافر ہے۔ اتنا منوالیا۔ اور کہا سنو جی! ہم بھی تو انسان ہیں نا۔ ارے بھئی کون تم کو جانور کہے گا۔ ٹھیک کہتے ہو تم انسان ہی ہو۔ دیکھتے دھیرے دھیرے بات چل رہی ہے۔ پھر آگے چل کر بول پڑے اور سنو جی یہ سب انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ دیکھئے کتنی شائستگی کے ساتھ اور کتنے اچھے انداز سے فرما گئے ہیں کہ سارے انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں، اور اس خیال کو مزید قوت پہنچانے کے لیے بول پڑے کہ نفس انسانیت کے لحاظ سے تو دیکھو کیا میں نے بری بات کہی ہے۔ اب بات اور آگے بڑھ رہی ہے کہ جب سارے انسان بھائی بھائی ہیں نا اور ہم بھی انسان اور نبی بھی انسان۔ یہ کہہ کر اب پکڑ لیا انہوں نے ہاتھ میں آپ کا دامن۔ غور کیجئے پہلے کیا بات منوائی؟ تمام انسان بھائی بھائی ہیں، یہ آپ نے مان لیا۔ دوسری بات یہ منوائی ہم انسان ہیں، یہ مان لیا۔ اور تیسری بات یہ منوائی کہ نبی بھی انسان ہیں، یہ بھی آپ نے مان لیا۔ اور جب آپ نے تینوں کو مان لیا تو اب تو نتیجہ ماننا ہی پڑے گا کہ نبی ہمارے بھائی ہیں، مگر قرآن کریم بھی کیا پیاری بات کہتا ہے یُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَمَا یَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ۔ یہ اتنا پاپڑ اس لیے بیل رہے ہیں کہ یہ خدا کو اور مومنین کو فریب دینا

چاہتے ہیں، مگر سنو جی یہ خود اپنے کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ یہ نہ خدا کو فریب دے سکتے ہیں نہ مومنین کو فریب دے سکتے ہیں۔ یہ خود دھوکے میں ہیں، فریب میں ہیں۔

اپنے قانون کی تلوار کی زد میں

کیسے فریب میں ہیں، دھوکہ کیسے کھا گئے۔ آؤ غور کرو، چلو بھئی ہم تو یہ نہیں مانتے۔

تمام انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ تم تو جانتے ہو۔ تو یہ قانون آپ کا رہا ہے نا قانون آپ کا۔ قانون آپ نے کس لیے بنایا تھا تاکہ نبی کو اپنا بھائی کہہ سکیں، مگر قانون بہت خطرناک چیز ہوتی ہے۔ قانون کی تلوار جس کی گردن پر رکھو چل جائے گی۔ قانون اپنے پرائے کو نہیں دیکھتا۔ ایسا قانون مت بناؤ جو تمہارے لیے خطرے کا سبب بن جائے۔ چلو یہ قانون تمہاری کتاب کا لکھا ہوا قانون ہے کہ تمام انسان بھائی بھائی ہیں۔ چلو مان لو تھوڑی دیر کے لیے۔ مگر ایک بات بتاؤ کہ یہ تو تمہارا بنایا ہوا قانون ہے۔ میرا تو قانون نہیں ہے نا۔ تو میں مانوں یا نہ مانوں، تمہیں تو ماننا ہی پڑے گا۔ اب میں ایک سوال کروں گا اس مقام پر کہ ٹھیک ہے تمام انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں تمہارے اصول پر۔ تو یہ فرعون کون تھا؟ یہ نمرود کون تھا۔ یہ شداد ہامان کون تھے، یہ ابوجہل اور ابولہب کون تھے؟ اور یہ عتبہ وشیبہ کون تھے۔ یہ جن ہیں؟ نہیں۔ یہ انسان ہیں؟ ہاں! یہ فرشتے بھی تو نہیں ہیں نا؟ اینٹ پتھر بھی تو نہیں ہیں۔ تو جناب والا یہ سب انسان ہیں اور اے قانون بنانے والے مولوی صاحب آپ بھی تو انسان ہی ہیں نا۔ اب تو یہ طے ہے کہ مولوی صاحبان بھی انسان، قانون بنانے والے کا پورا طبقہ اور ان کی برادری بھی انسان۔ یہ ابوجہل اور ابولہب۔ عتبہ اور شیبہ۔ ولید بن مغیرہ۔ فرعون ونمرود یہ بھی انسان۔ اب اپنا قانون لے آؤ۔ سب انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ارے تو نے کتنا غضب کیا کہ جس قانون سے تو نے رسول کو اپنا بھائی بنانا چاہا، اسی قانون سے تو فرعون ونمرود کا بھائی بن گیا۔ اسی قانون سے تو ابوجہل وابولہب کا بھائی بن گیا۔ تو یہ لوگ دھوکہ دینا چاہتے ہیں مومنین کو، مگر خود دھوکہ کھا گئے۔

ایسی بیوقوفی کی بات ہی کیوں کرتے ہو؟ ایسا قانون ہی کیوں بناتے ہو؟ قانون کی تلوار تو اپنے پرائے کو نہیں دیکھتی جو بنائے گا، اس پر بھی چل جائے گی۔ مثال کے طور پر چوری کے خلاف قانون آپ بناؤ اور خود ہی چوری کرو تو سزا پاؤ گے کہ نہیں۔ وہ تو بات ہی ایسی ہے۔

یَااَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٗ۔

اللہ اور رسول پر سبقت کرنے کی جرأت مت کرنا۔ دوستو! میں تمہیں دُکھے دل کی آواز سناتا ہوں۔ میں اپنے درد کی آواز تمہارے کانوں تک پہنچاتا ہوں۔ یہ کیسے کلمہ پڑھنے والے ہیں، یہ کیسے رسول کے ماننے والے ہیں۔ کیا یہ ادب کا قانون ان کی نظر میں نہ آیا جس رسول پر ہم اگر زمین پر سبقت کرکے چلیں تو معیوب ہو جاتے۔ عبادت میں سبقت کریں تو معیوب ہو جاتے۔ رسول سے پہلے روزہ رکھ لیں تو معیوب ہو جاتے۔ رسول سے پہلے قربانی کرلیں تو معیوب ہو جاتے اور تمہیں یہ کہتے ہوئے شرم نہ آئی کہ نبی امتی سے صرف علوم میں ممتاز ہو جاتے ہیں۔ رہ گیا عمل تو بسا اوقات بظاہر امتی بھی نبی کے برابر ہو جاتا ہے، بلکہ بڑھ بھی جاتا ہے۔ امتی اپنے نبی سے عمل میں بڑھ جاتا ہے، یہ کہتے ہوئے تمہیں شرم نہ آئی۔ میں سمجھ گیا، کیوں کہا، بڑے ریاضی داں معلوم ہوتے ہیں، حساب و کتاب لگایا ہوگا۔ حساب یہ لگایا ہوگا کہ نبی کی عمر ترسٹھ سال کی اور ہم پچھتر سال کے۔ لہٰذا نبی نے صرف ترسٹھ سال نماز پڑھی اور ہم نے پچھتر سال نماز پڑھی۔ نبی نے صرف ترسٹھ سال روزہ رکھا، ہم نے پچھتر سال رکھا۔ تو ہم بڑھ گئے نا۔ ایک دو تین گنتی میں شمار میں۔ مگر میں کبھی کبھی پوچھتا ہوں ان سے۔ تم اپنے پچھتر سال کی نہیں، بلکہ ڈیڑھ سو سال والا سجدہ اکٹھا کرلو اور اپنا سجدہ ہی نہیں سارے انسانوں کا سجدہ بھی اکٹھا کرلو اور دیکھو میں اور بھی چھوٹ دیتا ہوں۔ اگر سجدے کی کمی تمہارے پاس ملے تو تم اس سب سے زیادہ سجدہ کرنے والے سے بھی مانگ لیتا جس نے بڑے بڑے سجدے کیسے تھے۔ اکٹھا ہوگا نہ کہیں، حساب کیا ہوگا۔ ارے تو بھی دے دے اپنا سجدہ اور اس کو بھی اکٹھا کرلے۔ اچھا میں ایک اور بھی چھوٹ دیتا ہوں انبیاء و مرسلین کے سجدے کو اکٹھا کرلو۔ ملائکہ مقربین کے سجدوں کو اکٹھا کرلو۔ ساری کائنات

کی عبادتوں کو اکٹھا کرلو اور اکٹھا کر کے ایک پلڑے پر رکھو اور بتاؤ، کیا وہ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک سجدے کے برابر ہو سکتا ہے؟ اور جب تم سب مل کر ایک سجدے کے برابر نہیں ہو سکتے تو ترسٹھ سال والی عبادت سے کیسے بڑھو گے؟

نورِ مصطفیٰ کی عمر

یہاں برابری اور بڑائی ہوتی ہے، مقبولیت کی۔ قربت کی، منزلت کی تو میرے رسول کے ایک سجدے کو جو مقام حاصل ہے، وہ اتنے سجدوں کو حاصل نہیں ہے۔ تو اب بتاؤ جب سب مل کر کے ایک سجدے کے برابر نہیں پہنچے، تو اگر تجھے تنہا کر لیا جائے تو، تو کہاں پہنچے گا۔ تو ادب سیکھو اور ادب کے انداز سے سوچو۔ مگر پھر بھی یہ کہتے ہیں نہیں صاحب گنتی میں تو بڑھ گئے۔ چاہے مقام میں بڑھیں یا نہ بڑھیں، بڑی گنتی لگا رہے ہیں۔ میں نے کہا اچھا چلو گنتی ہی میں بڑھ کر دکھا دو۔ اب جب گنتی کرنا ہے تو ہم رسول کی اصل عمر شریف سے گنتی کریں گے۔ ارے تم کہتے ہو کہ رسول کی عمر ترسٹھ سال ہے غلط کہتے ہو۔ ترسٹھ سال تو رسول کی بشریت کی عمر ہے۔ نور کی عمر کا تو پتہ ہی نہیں ہے

نورِ مصطفیٰ کی عمر کا اندازہ لگاؤ، تو سیدنا جبرائیل کہتے ہوئے نظر آئیں گے۔ اے جبرائیل ذرا یہ تو بتاؤ تمہاری عمر کیا ہے؟ میرے رسول نے پوچھا تھا تمہاری عمر کیا ہے؟ کہا حضور بس اسی سے اندازہ لگا لیجئے کہ میں عرش کے اوپر ایک تارا دیکھتا تھا اور ستر ہزار سال کے بعد ایک بار دیکھتا تھا جس کو بہتر ہزار سال تک میں نے دیکھا اور اب وہ نظر نہیں آ رہا ہے۔ تو حضور مسکرا کر کہتے ہیں کہ وہ میرا ہی نور تھا۔

ذرا غور تو کرو۔ میرے رسول کے نور کی عمر تو بتاؤ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ۔ زمین کا فرش بچھایا نہیں گیا، آسمان کا شامیانہ لگایا نہیں گیا، چاند سورج کے چراغ جلائے نہیں گئے ستاروں کی قندیلیں روشن نہیں کی گئیں۔ آبشار کے نغمے عالمِ عدم میں تھے۔ دریا کی روانی کا وجود نہیں ہے۔ گردشِ لیل و نہار کا پتہ نہیں ہے، مگر نورِ مصطفیٰ جگمگا رہا ہے اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ۔ سب سے پہلی مخلوق میرا نور ہے۔ اب لگاؤ حکم اور اس کے بعد سوچو۔ رسول

ہماری نگاہوں سے پوشیدہ ہیں، مگر آج بھی حیّ ہیں، آج بھی باحیات ہیں۔ آج بھی عمر کا سلسلہ ختم نہیں ہوا۔

اب بتاؤ جب میرا رسول بارگاہِ قدسی میں تھا تو کیا کر رہا تھا؟ ذکرِ الٰہی کر رہا تھا، تسبیح ربانی کر رہا تھا اور آج میرا رسول کیا کر رہا ہے؟ اپنے خدا تعالیٰ کو یاد کر رہا ہے۔ تو سنو جی! انچ فٹ لے کر ناپو، تعداد لے کر شمار کرو۔ میرے رسول نے جتنا خدا کو یاد کیا ہے، تعداد میں تم اتنا نہیں پہنچ سکتے۔ تمہیں شرم آنی چاہیئے، جب تم یہ کہتے ہو امتی نبی سے عمل میں بڑھ بھی سکتا ہے۔ مگر نہیں دوستو! بات عجیب سی ہے۔ علم میں شیطان کو بڑھایا، عمل میں اپنے آپ کو بڑھایا، استاد و شاگرد دونوں بڑھ گئے۔ نعوذ باللہ!

حضرت قیس کا اُونچا سُننا

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۔

اے ادب کرنے والو! ٹھہر جاؤ۔ ادب کرو یہ رسول کی بارگاہ ہے۔ یہاں تمہیں آگے نہیں بڑھنے دیا جائے گا۔ یہ تو ایک ادب کی بات رہی۔ اب دوسری ادب کی بات کی طرف میں آپ کے ذہن کو لے جاؤں۔ دوستو! حضرت قیس (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ایک صحابیٔ رسول ہیں، مگر وہ اونچا سنتے ہیں۔ ایک بات میں بتاؤں، جو لوگ اونچا سنتے ہیں، وہ اونچا بولتے بھی ہیں۔ عادت ایسی ہوتی ہے، وہ سمجھتے ہیں کہ سبھی اونچا سنتے ہیں۔

حضرت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ایک عارضہ ہو گیا ہے، ایک بیماری ہے۔ بیمار کو تو لوگ یوں بھی معاف کر دیتے ہیں۔ بیماری پر کوئی تعاقب نہیں کیا جاتا۔ بیماری سے کوئی پکڑ نہیں ہوتی۔ بیماروں پر کوئی گرفت نہیں ہوتی۔ ایک عارضہ تھا جس کی وجہ سے وہ اونچا سنتے تھے۔ تو رسول کی بارگاہ میں ان کی آواز بلند ہو جاتی تھی۔ رب تبارک و تعالیٰ نے اس کو بھی ناپسند فرمایا۔ نہیں پسند فرمایا۔ حضرت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ مجرم نہ تھے معذور تھے۔ ایک عارضے کی وجہ سے ایسا ہوا تھا، مگر ادب کا قانون آگیا۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۔

اے ایمان والو! نبی کی آواز پر اپنی آواز بلند نہ کرو۔ آواز تو فطری چیز ہوتی ہے، کسی کی آواز اونچی ہوتی ہے کسی کی زوردار ہوتی ہے، مگر جو فطری چیز ہے، اس پر بھی کنٹرول کرنے کا حکم ہے۔ تم بڑی آواز والے ہو، مگر وہاں نہ بننا کہ ہم بڑی آواز والے ہیں، وہاں پست رہنا، زبان کو پست رکھنا، اور اپنی آواز کو نبی کی آواز پر بلند نہ ہونے دینا اور نبی کو ایسے نہ پکارنا جیسے تم ایک دوسرے کو پکارتے ہو۔ کیوں؟ اس لیے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال چھن جائیں اور تمہیں احساس بھی نہ ہو۔ اس بے ادبی کے نتیجے میں کہیں ایسا نہ ہو۔ دیکھو دوستو ہم بارگاہِ الٰہی میں معروضہ پیش کریں گے۔ الٰہ العالمین قیس معذور ہیں قیس مجبور ہیں، یہ عارضے کی وجہ سے ایسا ہوگیا ہے لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا تیرا قانون ہے۔ تیرے کلام پاک کی بات ہے۔ وہ معذور مجبور ہیں، مگر کہا سنو! وہ معذور و مجبور ضرور ہیں، مگر میری گرفت ان پر نہ ہی، مگر قانون دینا ضروری ہوگیا۔ قیس معذور تھے، مجبور تھے، مگر اب یہاں میرے رسول کی بارگاہ کے ادب کا سوال آگیا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اگر میں کوئی قانون نہ دوں تو مستقبل کا انسان تیز تیز آواز سے بارگاہِ رسول میں شور مچائے اور کہیں کہ یہ حضرت قیس کی سنت ہے۔ یہ صحابیِ رسول کی سنّت ہے، لہٰذا ضروری تھا کہ قانون دے دیا جائے۔

حضرت قیس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو محسوس کیا اور بارگاہِ رسالت میں آنا ہی چھوڑ دیا۔ حضرت قیس صحابیِ رسول کے پاس دیدارِ رسول سے بڑھ کر کون سی دولت تھی، مگر آنا چھوڑ دیا۔ ایک بار میرے رسول نے کہا کہ قیس کئی روز سے نہیں آرہے ہیں تو کچھ لوگ حضرت قیس کے پاس پہنچے اور کہا کہ حضور یاد فرما رہے ہیں۔ کہا سنو جی! میں تو جہنمی ہوگیا۔ میرے لیے آیت اتر آئی۔ میرے سرکار نے جب سنا تو کہا نہیں، وہ جنتی ہیں، یعنی رب نے ان کی خطاؤں کو معاف فرمادیا، مگر یہ کیا معاملہ ہے؟ جب سے یہ آیت اتری صدیق اکبر کو دیکھو،

فاروق اعظم کو دیکھو کس قدر آہستہ بولنے لگے ہیں اور کتنے صحابہ ایسے تھے کہ منہ میں کنکریاں رکھ کر بولتے تھے تاکہ آواز بلند نہ ہونے پائے، کیوں؟ اس لیے کہ آواز اگر بلند ہوگئی رسول کی آواز پر تو اعمال کے چھن جانے کا اندیشہ ہے۔

کن لوگوں کے اعمال چھینے جائیں گے

یہ بڑی خطرناک بات ہے کہ اعمال چھین لیے جائیں اور احساس تک نہ ہو۔ یہ بڑی سزا ہے۔ میں اس سزا کو سمجھاؤں۔ فرض کرلو میرے مکان پر کچھ تجوریاں ہیں، جس کے اندر بہت سے مال و اسباب رکھے ہوئے ہیں۔ اچھا۔ سب جمع کرلیا میں نے اور اس کے بعد وہاں سے چوری بھی ہوگیا، کوئی نکال لے گیا۔ مجھ کو خبر نہیں۔ چوری ہوگئی اور خبر نہیں۔ وہ چیز نکل گئی اور مجھے احساس نہیں۔ جب مجھے خبر نہیں تو میں یہی سمجھوں گا ناکہ میں بہت دولت والا ہوں۔ میں بہت ہی سرمایہ والا ہوں۔ یہی تو میں سمجھوں گا اور اگر مجھے اس کا علم ہوگیا ہوتا کہ وہ چیز نکل گئی تو میں پھر بھرنے کی کوشش کرتا نا۔ اچھا چلو ایک بار نکلی اب دوسری بار بھر دو، مگر دیکھو میں مطمئن ہوں۔ ادھر معاملہ خالی ہے اور میں مطمئن ہوں کہ بھرا ہے۔ کیوں اس لیے کہ مجھے نکل جانے کا مجھے احساس نہیں ہے۔ نکل جانے کا شعور نہیں ہے، تو احساس چھین لیا، اور ہم اپنے آپ کو رئیس سمجھے ہوتے ہیں، مگر جب ضرورت ہوگی کھولنے کی، تو ہم سے بڑھ کر محتاج کوئی نہ ہوگا۔ ہمارے پاس کچھ بھی نہ ہوگا۔ یہی حال ہے دوستو! رب نے کہا کہ اے رسول کے بے ادبو! یہ مطلب تھوڑے ہی ہیں کہ ہم تم سے عمل کرائیں گے۔ اے رسول کے بے ادبو! ہم تم سے نماز بھی پڑھوائیں گے۔ روزہ بھی رکھوائیں گے، حج بھی کروائیں گے زکوۃ بھی دلوائیں گے۔ اعمال خیر و خیرات بھی کرائیں گے اور تم اپنی سمجھ سے تجوری بھی بھرتے جاؤ گے اور ادھر میں مٹاتا چلا جاؤں گا، مگر مٹنے کا احساس تمہیں ہونے نہیں دیا جائے گا۔

ایسی بات تھوڑے ہی ہے کہ کام نہ کراؤں اور سزا دوں۔ کام بھی کراؤں گا اور کچھ دوں گا بھی نہیں۔ ہاں تم سے سب کراؤں گا۔ خوب نماز پڑھو گے۔ خوب ادھر ادھر گلی گلی دوڑو گے

خوب قریہ قریہ جاؤ گے۔ خوب بستی بستی گھومو گے، تمہیں خوب پریشان کراؤں گا۔ خوب تمہیں گھماؤں گا کہ تم رسول کے بے ادب ہو اور تم سمجھو گے کہ تمہارے پاس چار حج ہیں اور اتنے ہزار سجدے ہیں اور اتنے ہزار روزے ہیں اور اتنے زیادہ اعمال خیر و خیرات ہیں۔ راہِ خداوندی میں اتنے ہزار قدم میں نکل چکا ہوں، مگر یہ سب کا سب تمہارا عمل بے سود ہوگا اور قیامت میں تم سے زیادہ کوئی محتاج نہ ہوگا۔ ارے دیکھو! اگر رب تبارکُ تعالیٰ ان کو احساس دے دیتا کہ تمہارا عمل اکارت ہو رہا ہے، تو پھر بھرنے کی کوشش کرتے، صحیح بنانے کی کوشش کرتے، مگر رب تعالیٰ نے یہ سزا دی ہے کہ تم سے کام بھی کرائیں گے اور تمہیں یہی احساس رہے گا کہ ہم بہت کام والے ہیں، مگر میں تمہارے اعمال چھین لوں گا، تمہیں شعور نہ ہوگا۔

کتنی بڑی سزا ہے یہ حبطِ اعمال والی عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ تَصْلٰى نَارًا حَامِيَةً۔ عمل بھی کریں گے، مشقت بھی اٹھائیں گے اور نتیجہ یہ ہوگا کہ اعمال بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونک دیئے جائیں گے۔ ذرا غور تو کرو اور اے ایمان والو اچھی طرح سُن لو۔ لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ نبی کی آواز پر اپنی آواز کو بلند مت کرو۔ اچھا جب یہ پست کرنے لگے۔ صحابہ بالخصوص صدیق اکبر کا حال تو یہ ہو گیا کہ اتنا آہستہ بولنے لگے کہ خود حضور کو کئی بار پوچھنا پڑتا تھا کہ کیا کہتے ہو؟ کبھی کبھی کئی بار پوچھنا پڑتا تھا۔ اس کے باوجود ادب والوں نے اپنے انداز کو نہیں بدلا۔ بہت ہی دھیرے دھیرے گفتگو بارگاہِ رسول میں کرتے رہے۔ اس پر یہ آیت نازل فرما دی گئی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ
الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ۔

یہ لوگ جو حضور کی بارگاہ میں اپنی آواز پست کرتے ہیں، اپنی آواز کو دباتے ہیں فطری چیز آج دبا رہے ہیں جس کو ابھارنے کی طاقت ہے اس کو دبا رہے ہیں، جس کو بڑھانے کی

استعداد ہے، اس کو دبا رہے ہیں۔ جو لوگ اپنی آواز کو رسول کی بارگاہ میں دباتے ہیں، پست کرتے ہیں تو یہی وہ لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لیے چن لیا ہے۔ یہ نہیں کہا جو نماز پڑھتے ہیں، ان کو تقوے کے لیے چُن لیا، جو روزہ رکھتے ہیں ان کو تقوے کے لیے چُن لیا، جو حج کرتے ہیں ان کو تقوے کے لیے چُن لیا۔ جو مارے مارے اِدھر اُدھر پھرتے رہتے ہیں، ان کو تقوے کے لیے چُن لیا، بلکہ یہ فرمایا کہ جو رسول کی بارگاہ میں ادب کرتے ہیں، ان کو تقوے کے لیے چُن لیا۔ یہیں سے اشارہ ہو گیا کہ اے نماز پڑھنے والو! نماز افضل العبادات ہے۔ نماز ضروری ہے۔ نماز کے چھوڑنے کی محرومی بڑی محرومی ہے۔

اے نماز پڑھنے والو نماز پڑھو یہ فرض ہے ؎

روزِ محشر کہ جاں گداز بود　　اوّلیں پرسشِ نماز بود

نماز اتنی اہم ہے کہ میدانِ قیامت میں سب سے پہلا سوال نماز کا ہوگا۔ مگر اے نماز پڑھنے والو! یقین جانو! نماز سے تقویٰ نہیں ملتا۔ روزے سے تقویٰ نہیں ملتا۔ حج سے تقویٰ نہیں ملتا۔ ادھر ادھر کی چلت پھرت سے تقویٰ نہیں ملتا۔ اے اچھی طرح سے عبادت کرنے والو، عبادت سے تقویٰ نہیں ملتا۔ تقویٰ خدا کے فضل سے ملتا ہے۔ خدا کے دین سے ملتا ہے۔ خدا کی عطا سے ملتا ہے۔ اگر وہ تقویٰ دینا چاہے تو زندگی بھر کے گنہ گار کو متقی بنا دے اور اگر تقویٰ چھیننا چاہے تو گروہِ ملائکہ میں شامل ہونے والے کو مردود کر دے۔

الغرض تقویٰ خدا تعالیٰ کے فضل و کرم سے ملتا ہے تو جب خدا کے فضل سے ملتا ہے، تو خدا کا فضل کس پر ہوتا ہے۔ خدا تعالیٰ ہی سے پوچھو کہ اے رب جب تو ہی تقویٰ دیتا ہے تو کس کو دیتا ہے تو جواب ملتا ہے: اِنَّ الَّذِيْنَ يَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى۔

جو لوگ رسول کی بارگاہ میں اپنی آواز کو پست کرتے ہیں، جو رسول کی بارگاہ میں ادب سے پیش آتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل کو تقویٰ کے لیے چُن لیا ہے اور کسی دل میں وہ

تقویٰ نہیں رکھتا، بے ادبوں کو وہ تقویٰ نہیں دے گا۔ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ۔ اور صرف تقویٰ ہی نہیں ہے، بلکہ ان کے لیے مغفرت بھی ہے اور اجرِ عظیم بھی ہے تو یہ میرے رسول کی بارگاہ کا دوسرا ادب ہے۔۔

بنی تمیم کا وفد بارگاہِ رسالت میں

آؤ اب تیسرے ادب کو سمجھو، قبیلہ بنی تمیم سے کچھ لوگ بارگاہِ رسالت میں آتے۔ دوپہر کا وقت تھا اور آنے کے بعد باہر ہی سے حضور کو پکارنا شروع کر دیا۔ سرکار آرام فرما رہے ہیں۔ یہ پکارنا رب تعالیٰ کو ناگوار ہوا۔ یہ پکارنا پسند نہیں آیا، فوراً ادب کا ایک قانون آ گیا۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ۔ اے محبوب! یہ جو حجرے کے پیچھے سے آپ کو پکارتے ہیں نا ان میں اکثر ناسمجھ ہیں، وَلَوْ اَنَّهُمْ صَبَرُوْا حَتّٰى تَخْرُجَ اِلَيْهِمْ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ۔ اے محبوب اگر ایسا ہوتا یہ کھڑے رہتے آواز نہ دیتے۔ یہاں تک کہ آپ خود ہی ان میں تشریف لاتے تو یہ ان کے لیے بہتر تھا۔ ادب یہ نہیں ہے پکارو۔ ادب یہ ہے کہ کھڑے رہو۔ یہاں میں ایک باریک نکتے کی طرف آپ کے ذہن کو لے جاؤں گا۔ دیکھو مولانا بشیر صاحب کے دولت کدے پر میں گیا۔ یہ گھر کے اندر بیٹھے ہیں، تو پھر میں آواز لگاؤں نا تو ٹھیک ہے۔ ہم کو یہ سکھاؤ محمد بشیر کہہ کر مت پکارنا۔ بشیر کہہ کے نہ پکارنا۔ اگر بلانا ہے تو حضرت مولانا کہہ کے پکارنا۔ بلانا ہے تو حضرت صوفی صاحب قبلہ کہہ کے بلانا۔ یعنی اچھے اچھے القاب سے بلاؤ کیوں؟ اس لیے یہ قانون ہمیں اس لیے دیا گیا ہے۔ اگر ہم نہ بلائیں گے تو مولانا کو پتہ کیا چلے گا کہ دروازے پر کون ہے۔ ارے بھئی آواز نہ دیں گے تو وہ بیٹھے رہیں گے اندر۔ اور ہم کھڑے رہیں گے باہر۔ اور اگر ان کا گھریلو کام بڑھ گیا تو ہمارا وقت بھی چلا جائے گا۔ الغرض نام لے کر پکارنے سے ضرور روکیے، مگر آداب و القاب کے ساتھ تو آواز دینے دیجیے۔ یعنی یہ ضرور فرمایا کہ نام لے کے نہ پکارو۔ محمد کہہ کے نہ

پکارو (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) احمد کہہ کے نہ پکارو (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) لیکن اگر ہم یا سید المرسلین کہہ کر پکاریں تو کیا حرج ہے؟ یا رسول اللہ کہہ کے پکاریں تو کیا حرج ہے؟ یا شفیع المذنبین کہہ کے پکاریں تو کیا حرج ہے؟ یا رحمۃ للعالمین کہہ کے پکاریں تو کیا حرج ہے؟ قرآن کہہ رہا ہے کہ نہیں۔ یہ بھی کہہ کے نہ پکارو۔ ارے پھر کیسے خبر ہوگی؟ ارے رسول کے حجرے پر جا کر اچھے اچھے القاب سے بھی نہ پکاریں۔ نہیں نہیں ندا کرنا ہی جرم ہے۔ خود تشریف لائیں آخر کیا بات ہے۔ اسلامی طریقہ تو یہی ہے نا کہ تین مرتبہ ہم آواز دیتے ہیں۔ صاحبِ خانہ کی اگر آواز مل گئی تو مل گئی، ورنہ پلٹ آتے۔ یہاں پکارنے کی بھی اجازت نہیں۔ کہا سنو جی۔ پکارا اسے جاتا ہے جو بے خبر ہو۔ جگایا اسے جاتا ہے جو بے حس ہو۔ آواز اسے دی جاتی ہے جسے اطلاع نہ ہو۔ ارے نادان جو عرش کی بات بتاتا ہے کیا وہ اپنے دروازے سے بے خبر ہوگا؟

جو لوحِ محفوظ کو پڑھ پڑھ کے سنا رہا ہو، پھر وہ نہیں جانے گا کہ ہمارے دروازے پر کون کھڑا ہے، لہٰذا سنو جی! بے خبر کو پکارنا تو کوئی بات نہیں مگر خبر والے کے یہاں چلانا بے ادبی ہے ؎

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

حضور کی دعوتِ طعام

اور آگے چلیے حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عقد فرمایا تو ایک عام دعوت فرمائی اور صحابہ کرام تھوڑی تھوڑی تعداد میں آتے تھے اور دعوت کھا کر چلے جاتے تھے۔ اس لیے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا جو حجرہ شریف تھا، جو مکان تھا، وہ اپنے مرتبہ اپنی منزل، اپنے مقام کے لحاظ سے بہت ہی زیادہ وسیع تھا، بہت ہی زیادہ بلند تھا۔ ایسا وسیع و عریض کہ اس کی بلندی، اس کی لمبائی چوڑائی میں

نہیں سمجھا سکتا۔ مگر انچ فٹ کے لحاظ سے اس میں جگہ اور گنجائش کم تھی۔ تو سرکار نے کہا جتنی گنجائش ہے، اتنے اتنے آئیں اور کھا کر چلے جائیں۔ آتے گئے اور کھاتے گئے، مگر تین آدمی کھانے کے بعد بیٹھ گئے اور بیٹھ کر باتوں میں جی بہلانے لگے۔ حضور کو ناگوار تو ضرور لگا۔ حضور کو تکلیف ہوئی، مگر حضور نے حیا و شرم کی وجہ سے کہا نہیں کہ اگر میں انہیں اپنے در سے نکالوں گا تو کون پناہ دے گا؟ سرکار نے تو کچھ نہ کہا مگر حضرت جبرئیل آگئے ادب کا قانون تو ادھر سے آرہا ہے، انہیں کچھ تھوڑے ہی بتانا ہے۔

یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُیُوْتَ النَّبِیِّ۔ اِلَّا اَنْ یُّؤْذَنَ لَکُمْ اِلٰی طَعَامٍ غَیْرَ نَاظِرِیْنَ اِنٰهُ وَلٰکِنْ اِذَا دُعِیْتُمْ فَادْخُلُوْا وَاِذَا طَعِمْتُمْ فَانْتَشِرُوْا وَلَا مُسْتَاْنِسِیْنَ۔

اے ایمان والو! نبی کے گھر میں بلا اجازت مت داخل ہو۔ اور اگر نبی دعوت کے لیے بلائیں بھی تو پہلے ہی سے جا کر انتظار نہ کرو۔ بلکہ جب بلائیں تو جاؤ۔ جب کھا چکو تو نکل جاؤ اور وہاں باتوں میں دل نہ بہلاؤ۔ کیوں؟ اس لیے کہ ان ذٰلِکُمْ کَانَ یُؤْذِی النَّبِیَّ فَیَسْتَحْیٖ مِنْکُمْ وَاللّٰهُ لَا یَسْتَحْیٖ مِنَ الْحَقِّ۔ یہ قانون اس لیے بنا ہے کہ تمہارے اس انداز سے نبی کو ایذا پہنچتی ہے۔ وہ شرم فرماتے ہیں۔ وہ کچھ نہیں کہتے اور اللہ تعالیٰ حق فرمانے سے شرم نہیں فرماتا۔ با خدا دیوانہ باشی با محمد ہوشیار ؎

ادب گا ہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

میں صرف ادب کے قوانین آپ کے سامنے صرف قرآن کے حوالے سے بولوں گا۔

چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ آیتیں ہیں اس قرآن کریم میں۔ ان کو صرف ایک آیت یاد ہے۔ ذرا غور تو کرو۔

ایک آیت یاد ہے جانتے ہو کونسی آیت قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ اتنا ہی یاد ہے۔ ارے بھئی یہی آیت اگر سمجھ لیتے، تب بھی ہمارا کام چل جاتا۔ ہمیں افسوس یہی ہے کہ یاد ہی ہے سمجھ نہیں ہے

صحابہ کرام کا طریقہ

صحابہ کرام کا طریقہ یہ تھا کہ جب حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کچھ ارشاد فرماتے اور وہ سمجھ نہ پاتے یا سُن نہ پاتے تو عرض کرتے کہ رَاعِنَا یَا رَسُوْلَ اللہِ۔ اے اللہ کے رسول ہماری رعایت فرمائی جائے۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ دوبارہ ارشاد فرمائیں۔ یہودیوں کو موقع مل گیا۔ یہودیوں کا معاملہ ہی ایسا تھا کہ ان کی لغت میں یہ لفظ رَاعِیْنَا گالی کے لیے تھا۔ ذرا دبا کے بولتے تھے رَاعِیْنَا۔ رَاعی کہتے ہیں چرواہے کو۔ تو اس میں وہ ذم کا پہلو نکالتے تھے۔ تو چونکہ صحابہ بھی راعنا کہتے تھے، تو اب یہ بھی اعلانیہ راعینا راعینا کہنے لگے۔ کوئی اس پر اعتراض کرتا تو کہتے تھے بھئی تم لوگ بھی تو کہتے ہو۔ تو نیت ان کی بُری تھی صحابہ کی نیت بُری نہیں تھی۔ جب تک یہودیوں نے اس لفظ کا استعمال شروع نہیں کیا تھا۔ صحابہ کرام یہ لفظ استعمال فرماتے رہے اور کوئی روک ٹوک بھی نہیں آتی۔ مگر جب یہودیوں نے استعمال شروع کر دیا تو یہ آیت اتر آئی یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا۔ اے ایمان والو! راعنا مت کہو۔ وَقُوْلُوا انْظُرْنَا کہنا ہے تو یہ کہو انْظُرْنَا یَا رَسُوْلَ اللہِ۔ اے اللہ کے رسول ہم پہ نظر فرمائیے۔ اے اللہ کے رسول ہمارے اوپر نگاہ ڈال دیجئے۔ وَاسْمَعُوْا ارے نادانو! غور سے سنو، رسول کی بات ہے انْظُرْنَا کہنے کی بھی ضرورت نہ رہے۔ رسول کو زیادہ زحمت مت دو۔ وَاسْمَعُوْا غور سے سنو۔ جو رسول فرما رہے ہیں، اسے غور سے سنو اور اگر کبھی سننا رہ جائے تو رَاعِنَا مت کہو اُنْظُرْنَا کہو۔

اپنی طرح بشر کون کہے

اب میں تم سے ایک سوال کرتا ہوں صحابہ کرام جو رَاعِنَا کہتے تھے، کیا بُری نیت سے کہتے تھے۔ بُری نیت سے کہتے تو کافر ہو جاتے۔ کیوں روکا گیا کہ یہ لفظ کافر بھی کہنے لگا تمہاری نیت صحیح ہو، مگر اگر وہی کافر بھی بول سکے، تو ایسا لفظ مت بولو۔ اب ہم تمہاری نیت نہ دیکھیں گے۔ چلو جی تھوڑی دیر کے لیے تمام تفصیلات کو نظر انداز کر کے مختصر انداز میں عرض کروں کہ

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِثْلُکُمْ کی روشنی میں یہ کہو کہ رسول ہماری طرح ہیں اور اس میں تمہاری کوئی بُری نیت بھی نہ ہو، بلکہ نیت بڑی اچھی ہو۔ یعنی اس کہنے میں کہ رسول ہماری طرح بشر ہیں بڑی اچھی نیتّت ہے آپ کی۔ مگر اتنا تو مانو گے نا کہ کافروں نے بھی رسول کو اپنی طرح بشر کہا۔ تو یہ وہ بولی ہے جو کافر بھی توہین کی نیتّت سے بولتے رہے۔ تمہاری نیتّت توہین کی نہ سہی۔ تمہاری نیتّت تعظیم کی سہی، تمہاری نیتّت توقیر کی سہی، مگر جب کافر اسے توہین کی نیت سے بولتا رہا ہو تو اب ایسا لفظ بھی بولنا حرام ہو گیا۔ آپ کہیں گے کہ کیوں حرام ہو گیا۔ ہم کہیں گے رَاعِنَا جیسے حرام ہو گیا۔ صحابہ کی نیتّت بُری نہ تھی، مگر جب یہودیوں نے بولنا شروع کیا تو اب بولنا حرام ہو گیا۔ تم جھوٹے ہو جو کہتے ہو کہ نیت بُری نہیں۔ ارے نادانو! اگر نیتّت بُری نہ ہوتی تو فضائل کی آیات چھوڑ کے اسی پر کیوں ٹھہرتے۔

میں ایسے موقع پر بتاتا ہوں کہ دیکھو ان کو کیا سزا ملی۔ سزا یہ ملی ہے جسے اکثر میں عرض کرتا رہتا ہوں۔ آپ کی محفل میں بھی عرض کروں۔ قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِثْلُکُمْ۔ اے محبوب! تم کہہ دو کہ ہم تمہاری طرح بشر ہیں۔ کس سے کہہ دوں؟ کافروں سے۔ غور کیجیے گا کفار مخاطب ہیں اس کے کہ اے محبوب! تم کافروں سے کہو کہ ہم تمہاری طرح ہیں۔ یہاں ذرا اس نکتے پر بھی غور کیجیے گا اور بہت سمجھنے کی بات ہے اور یہ آخری بات ہے۔ اس کا کوئی جواب بھی نہیں ہے ان کی تمام امت کے پاس۔ صدیق اکبر سے کہوں؟ نہیں۔ فاروق اعظم سے کہوں؟ نہیں۔ ان سے مت کہو۔ جو مان گئے ہیں ان سے مت کہو۔ جنہوں نے نہیں مانا ہے ان سے کہو۔ تو رسول کے مخاطب کون تھے؟ کفار تھے۔ مشرکین تھے۔ اب آج اگر کوئی یہ کہے کہ اس آیت کے مخاطب ہم ہیں تو کدھر گئے۔

چلے تھے رسول کو اپنی طرح بنانے کے لیے، خود ابوجہل کی طرح بن گئے۔ بن گئے کہ نہیں بن گئے۔ اس لیے کہ مخاطب تو وہی تھے نا۔ تو جو مخاطب تھے، آپ نے اپنے آپ کو اسی میں شمار کر لیا۔ ارے نادانو! تم تو ان میں نہیں تھے، ان میں کہاں چلے گئے۔

ذرا غور توکرو صدیق اکبر سے کہنے کی بولی؛

کیا ابوجہل کو حق دوگے؟

اَیُّکُمْ مِثْلِی لَسْتُ کَاَحَدٍ مِنْکُمْ۔

مومنوں سے یہ کہو کہ تم ہماری طرح نہیں ہو۔ میں تمہاری طرح نہیں ہوں۔ ان سے یہ کہو۔ کافروں سے یہ کہو۔ مصلحت کیا ہے؟ حکمت کیا ہے؟ اس کی طرف میں نہیں لے جانا چاہتا ہوں۔ میں صرف سوالیہ نشان چھوڑ جاتا ہوں، اس لیے کہ وہ تو ہر بڑے آدمی کو حق ہے کہ تواضعاً انکسارًا جس سے جو چاہے کہے۔ تواضع انکسار اگر رسول نہیں کریں گے تو تواضع انکسار کا سبق ہمیں کون دے گا۔ وہ سیّد المتواضعین ہیں۔ تو رسول تواضع نہیں فرمائیں گے تو کون کرے گا؟ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہی کہا ہے کہ یہ آیت تواضعاً حضور نے فرمائی۔ یہ کچھ میری اپنی بات نہیں ہے، مگر بہرحال تم پر یہ لعنت پڑی نا۔ اچھا ایک سوال میں اور کرتا ہوں کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے مومنوں سے نہ سہی، مگر کافروں کو تو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا۔ تو کیا تم ابوجہل کو یہ حق دیتے ہو کہ وہ کہے تمہارا رسول ہماری طرح ہے اور آیت یہی وہ پیش کرے کہ دیکھو تمہارے رسول نے اس آیت میں ہمیں کو مخاطب بنایا ہے۔

یہ بات تو زیادہ معقول ہے نا۔ رسول نے جس کو مخاطب بنایا تھا۔ کیا تم اس کو یہ حق دیتے ہو کہ وہ رسول کو اپنی طرح کہے۔ کیا ابولہب اور ابوجہل کو یہ حق دیتے ہو۔ مخاطب تو یہی تھے نا۔ تو یہ کہتے ہیں دیکھو تمہارا قرآن پاک ہی تو کہہ رہا ہے۔ تمہارا رسول ہم سے کہہ رہا ہے۔ ہم تمہاری طرح بشر ہیں۔ تو جب رسول ہماری طرح ہیں بشر ہیں تو ہم رسول کی طرح۔ تو کتنی پکی دلیل ہوگی کافروں کی۔ مگر تم ان کو حق ہرگز نہ دوگے۔ مجھے حیرت ہے کہ جن کو مخاطب بنایا گیا، ان کو تو حق نہیں دے رہے ہو اور جو مخاطب ہی نہیں ہیں پھر ان کو کہاں سے حق مل گیا؎

عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے
یہ گھٹائیں اسے منظور بڑھانا تیرا
فرش والے تیری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

بارگاہِ نبوی میں آنے سے پہلے

دیکھو حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں جو رئیس صحابۂ کرام تھے وہ بارگاہِ رسول میں حاضر ہوتے تھے۔ بڑی دیر دیر تک مسئلے پوچھتے رہتے تھے۔ تو یہ دیر تک بیٹھنا رب تبارک وتعالیٰ کو پسند نہ آیا۔ یہ کہا ادب کرو، اس بارگاہ کی اہمیت محسوس کرو اور اس کے بعد ایک آیت اتری یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰکُمْ صَدَقَۃً۔ اے ایمان والو! تم رسول سے کچھ پوچھنا چاہو۔ کچھ معروضہ پیش کرنا چاہو تو اس معروضے کو پیش کرنے سے پہلے کچھ صدقہ کرو۔

سیدنا علی المرتضیٰ نے دس مسئلے پوچھے تھے، تو دس بار صدقہ کیا تھا۔ پھر یہ آیت ختم ہوگئی یعنی وجوب ختم ہوگیا اور استحباب باقی رہا۔ تو اے ایمان والو جب تم پیسہ خرچ کرکے رسول کی بارگاہ میں آؤ گے تو کچھ وزن محسوس کرو گے۔ یہ آسان نہیں ہے کہ بیٹھے رہو، جب تک چاہے بیٹھے رہو۔ اس لیے کہ آدمی کو جب کوئی چیز مفت میں ہاتھ آتی ہے تو وہ بے وزن ہوا کرتی ہے۔ اسی لیے انتظام کیا گیا۔ بعد میں امت کی ضرورت کے لیے یہ حکم اٹھا دیا گیا۔ وجوب اٹھا دیا گیا۔ مگر شروع میں مقامِ رسالت کو دکھانے کے لیے قرآن میں یہ ہدایت تو آگئی نا۔

دیکھو یہاں آؤ مشقت اٹھا کے آؤ اور میں تو سوچ میں پڑ گیا کہ خدا اپنے یہاں بلاتا ہے تو کہتا ہے صرف وضو کرکے آؤ اور رسول کے یہاں آؤ تو صدقہ کرکے آؤ۔

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

اور ایک بات اور بھی سمجھ میں آئی۔ میں سوچتا تھا کہ دیکھو ہر چاہنے والا یہ چاہتا ہے کہ اپنے محبوب کا گھر اپنے گھر کے قریب ہو تو یہ کیا بات ہوئی کہ رب تعالیٰ نے اپنے گھر کو خانہ کعبہ کو بیت اللہ کو مکے میں رکھا اور محبوب کو مدینے پہنچا دیا۔ یہ کیا معاملہ ہے۔ سنو جی اگر رسول پاک کا گنبدِ خضریٰ مکے میں ہوتا تو رسول کی زیارت لوگ حج کے طفیل میں کرتے اور رب کو یہ پسند نہیں ہے کہ

طفیلی زیارت ہو، بلکہ منظور یہ ہے کہ وہاں کے لیے تشدر حال ہو، وہاں کے لیے تین سو میل کا سفر کرو، پیسہ خرچ کرو، صعوبتِ سفر اٹھاؤ اور ان کے ارادے سے جاؤ تاکہ جو ارادہ نہ رکھے وہ وہاں پہنچ بھی نہ سکے ؎

ان کی طفیل حج بھی خدا نے کرا دیے
اصلِ مراد حاضری اس پاک در کی ہے

فرشتوں نے غسل دیا

دیکھو میں قرآن کریم کی آیتیں پڑھ رہا ہوں۔ یہ نہ کہنا یہ ضعیف ہے، وہ ضعیف ہے۔

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَجِيْبُوْا لِلّٰهِ وَ لِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيْكُمْ

اے ایمان والو جب اللہ و رسول تمہیں بلائیں تو فوراً حاضر ہو جاؤ۔ بارگاہِ رسول میں حاضر ہو جاؤ۔ اس لیے کہ رسول تمہیں وہ دیتا ہے جو تمہارے لیے حیات بخش ہے۔ لما یحییکم اس لیے کہ یہ رسول تمہیں زندگی دیتا ہے۔ آؤ دیکھو حدیث کی روشنی میں اس آیت کا مطلب:

حضرت حنظلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جن کو آپ غسیل الملائکہ کہتے ہیں، مغسول الملائکہ۔ کیا بات تھی؟ رات کے وقت ان کے کان میں ایک آواز آتی ہے کہ اللہ کے رسول کا منادی پکار رہا ہے جہاد کے لیے۔ اور اس وقت یہ ایسے عالم میں تھے کہ غسل کرنا ضروری تھا۔ مگر سوچا کہ اگر غسل کرنے میں لگ گیا تو تعمیل میں تاخیر ہو جائے گی۔ بغیر غسل کیے ہوئے جہاد میں شریک ہو گئے اور جب شریک جہاد ہو گئے اور وہاں پہنچے تو شہید بھی ہو گئے۔ جب نعشیں تلاش کی گئیں اور حضرت حنظلہ کی لاش ملی تو دیکھا کہ پانی کے قطرے گر رہے ہیں۔ سرکار نے بتایا۔ سنو جی! ان کو غسل کی ضرورت تھی، مگر جب میری آواز ان کے کانوں تک پہنچی، میرے منادی کی آواز جب ان کے کانوں تک پہنچی تو یہ غسل کیے بغیر دوڑ پڑے تو ان کو ملائکہ نے غسل دیا ہے۔

رسول کے حکم کا ادب کرنے والا، رسول کے امر پر قربان ہو جانے والا دیکھو اس کو ملائکہ نہلا رہے ہیں، گھر میں اگر وہ نہاتے تو اپنے پانی سے نہاتے۔ اپنے ہاتھوں سے نہاتے، کچھ تاخیر

بھی ہو جاتی اور جب تاخیر ذرہ برابر نہ کی، تو ملائکہ نے نہلایا اور میں نہیں کہہ سکتا کہ کوثر سے نہلایا یا سلسبیل سے نہلایا۔ میں نہیں کہہ سکتا کہ تسنیم سے نہلایا کہ کس چیز سے نہلایا۔ بہر حال ملائکہ نے نہلایا۔ دیکھا آپ نے یہ ہے رسول کے حکم پر دوڑنے کا انجام و نتیجہ۔

نماز کی حالت میں دوڑ پڑو

میں ایک اور بات پیش کر رہا ہوں۔ یہ دیکھو ابی بن کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز پڑھ رہے ہیں جو صحابی رسول ہیں۔ سرکار نے آواز لگائی تو انہوں نے نماز جلد ختم کی اور حاضر ہوئے۔ حضور نے پوچھا دیر کیوں کر دی۔ کتنا معقول جواب تھا کہ نماز پڑھ رہا تھا، مگر حضور نے فرمایا کیا تو نے قرآن نہیں پڑھا اِسْتَجِیْبُوْا لِلّٰہِ وَلِلرَّسُوْلِ اِذَا دَعَاکُمْ۔ اللہ و رسول جب بلائیں تو دوڑ پڑو۔ نماز کا عذر بھی نہ سنا جائے گا۔ اللہ و رسول نے جب بلایا تو تجھے نماز کی حالت میں دوڑ پڑنا چاہیے۔ اسی لیے علماء کیا فرماتے ہیں کتنی پیاری بات۔ اگر رسول بلائیں کسی نمازی کو تو فوراً اس کو چاہیے کہ حاضر ہو جائے۔ مثلاً اگر دو رکعت اس کو پڑھنا ہے، ایک پڑھ چکا ہے۔ جب بھی وہاں سے چلے بیچ میں کسی سے بات نہ کرے اور رسول کے پاس جائے، جا کر ان سے گفتگو بھی کرے اور رسول جو اس کو حکم دیں کہ جاؤ بازار سے تم یہ کام کر آؤ، مثلاً تو وہ بھی جا کر کر آئے، کر کے آئے اور بارگاہِ رسول میں حاضر ہو جائے۔ پھر وہاں سے جب سرکار واپس کر دیں، تو پلٹ کے آئے اور آنے کے بعد ایک پڑھ چکا تھا، ایک اور پڑھ لے، ابھی تک وہ نماز ہی میں تھا۔

ارے اس کی نماز کیسے ٹوٹ سکتی ہے، قبلہ سے رُخ ضرور پھرا تھا، کعبے سے رُخ ضرور پھرا تھا، مگر کعبے کے قبلے کی طرف پھرا تھا۔ بات اس نے ضرور کی تھی، مگر اس سے کی تھی جس پر نماز میں سلام بھیجنا واجب ہے، تو اب بھلا بتاؤ، اس کی نماز کیسے ٹوٹ سکتی ہے اور غور کرو کہ اگر دو رکعت ہم پڑھتے تو دو منٹ میں ہو جاتی۔ رسول نے اپنی طرف بلا لیا تو دو منٹ والی نماز کتنی لمبی ہو گئی۔

غور کرتے جاؤ دوستو! اور مسئلے کی بات سمجھتے جاؤ۔ میں یہاں پر سوچنے لگا۔ اللہ و رسول بلائیں۔ اللہ تعالیٰ کا بلایا سنو گے۔ اللہ تعالیٰ کی بولی کوئی سننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ تو بلایا تو رسول

نے تھا، مگر کہا گیا اللہ و رسول بلائیں تو اس آیت نے اس بات پر نص کر دیا کہ رسول کی پکار خدا کی پکار ہے۔ رسول کا بلانا خدا کا بلانا ہے۔ تو اب جس خدا کی تم نماز پڑھ رہے ہو، اسی خدا کا رسول ہی تو بلا رہا ہے۔

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر!
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

قرآن نے کسے مردہ کہا؟

اِسۡتَجِیۡبُوۡا لِلّٰهِ وَلِلرَّسُوۡلِ اِذَا دَعَاكُمۡ لِمَا یُحۡیِیۡكُمۡ۔ اس لیے کہ یہ رسول تمہیں زندگی دیتا ہے۔ مُردوں کو بھی زندہ کرتا ہے اور زندوں کو بھی زندہ کرتا ہے۔ کتنے ہیں جو اپنے آپ کو زندہ کہتے ہیں، مگر ہیں بالکل مردہ۔ چلتے پھرتے مردہ۔ کیا آپ نے نہیں دیکھا انہیں۔ خدا کرے نہ دیکھیں۔ مگر ہیں۔ میں قرآن کریم سے ثابت کروں گا۔ اصول مجھے قرآن ہی سے ملے گا قرآن کے اندر ہے صُمٌّۢ بُكۡمٌ عُمۡیٌ فَهُمۡ لَا یَرۡجِعُوۡنَ۔ یہ بہرے ہیں، یہ اندھے ہیں، یہ گونگے ہیں۔ ارے بھئی کہاں، ابوجہل بہرا تھا، اندھا تھا، گونگا تھا۔ نہیں کان رکھ کر بہرا۔ زبان رکھ کے گونگا۔ آنکھ رکھ کے اندھا۔ معلوم ہوا کہ دیکھنے والی آنکھ بھی اندھی ہوتی ہے۔ معلوم ہوا کہ بولنے والی زبان بھی گونگی ہوتی ہے۔ معلوم ہوا کہ سننے والا کان بھی بہرا ہوتا ہے۔ یہ قرآن کریم کا فیصلہ ہے۔ مطلب یہ ہے کہ دیکھو، یہ آنکھ رکھتے ہیں حق نہیں دیکھتے، اندھے ہیں۔ یہ کان رکھتے ہیں حق نہیں سنتے، بہرے ہیں۔ یہ زبان رکھتے ہیں حق نہیں بولتے گونگے ہیں۔ تو مجھے کہنے دو یہ جان رکھتے ہیں مگر رسول پہ قربان نہیں کرتے مردہ ہیں۔ قرآن پاک میں صاف لفظوں میں انہیں مردہ فرمایا گیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اِنَّكَ لَا تُسۡمِعُ الۡمَوۡتٰی۔ تم مُردوں یعنی کافروں کو منوا نہیں سکتے۔ یہی ہیں چلتے پھرتے مردہ، کان رکھ کر بہرے۔ آنکھ رکھ کے اندھے۔ زبان رکھ کے گونگے اور جان رکھ کر کے مُردے۔ واقعی جب مردہ ہیں تو مُردوں والی خاصیت بھی پیدا ہو گئی۔ دیکھو زندے ایک دوسرے کو تحفے پیش کرتے ہیں نا ہم نے

آپ کو کوئی تحفہ پیش کیا۔ آپ نے ہم کو کوئی تحفہ دیا۔ یہ زندوں کا طریقہ ہے تو الحمد للہ ہم سب زندہ اور ہمارے سب جانے والے بھی زندہ۔ یہاں سے ایصالِ ثواب کا تحفہ جاتا ہے اور ادھر سے جناب والا ان کے فیوض و برکات آتے ہیں، تو زندے زندوں کو دے رہے ہیں، مگر مردہ نہ لینا جانتا ہے نہ دینا جانتا ہے۔

اب تم راز سمجھ لو کہتے ہیں مت بھیجو، مت بھیجو۔ سوچتے ہیں کہ اپنے والے کو تو بھیج ہی نہیں پاتے، تو یہ لوگ بھی اپنے والے کو نہ بھیجیں۔ تو کہنا کہ تم دیکھو تم تو نہیں بھیجتے ہو، ٹھیک ہی کرتے ہو۔ ادھر والے بھی مردہ، تم بھی مردہ۔ مردہ مردے کو نہیں دیتا۔ ہم زندہ ہیں۔ زندہ زندے کو دے گا۔

لِمَا یُحْیِیْکُمْ یہ رسول تمہیں زندگی دیتا ہے، بَل پڑ جاتے ہیں۔ جب ہم کہتے ہیں رسول زندگی دیتا ہے۔ کیا تم اس پیارے واقعے کو فراموش کر دو گے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا لشکر آگے آگے جا رہا ہے۔ فرعون پیچھے پیچھے تعاقب کر رہا ہے۔ حضرت جبرئیل گھوڑے کے اوپر جا رہے ہیں۔ جہاں حضرت جبرئیل کے گھوڑے کی ٹاپ پڑ رہی ہے، وہاں سبزیاں اگ رہی ہیں۔ اور یہ دیکھو یہ سامری ہے جس نے اس جگہ کی خاک کو اٹھایا ہے، جہاں جبرئیل کے گھوڑے کی ٹاپ پڑ رہی ہے اور پھر ایک سونے کا بچھڑا بنایا اور پھر اس خاک کو اس کے منہ میں ڈال دیا تو بچھڑے کے اندر زندگی پیدا ہو گئی۔ اب بتاؤ یہ زندگی کہاں سے آئی؟ سبب بتاؤ۔ یہ اسباب کی دنیا ہے۔ یہ وسائل کی دنیا ہے۔ دینے والا خدا ہے مگر ذریعہ تلاش کرو۔ تو سنو حضرت جبرئیل کا جہاں قدم پڑا ان کی خاک میں زندگی آ گئی اور وہ خاک کی زندگی ایسی زندگی تھی جس نے بچھڑے کو زندگی دے دی۔ گھوڑے کے ٹاپ کے اندر کہاں سے زندگی آئی؟ یہ حضرت جبرئیل اس پر بیٹھے تو گھوڑے کے ٹاپ کے اندر زندگی آ گئی اور پھر اس زندگی نے ذرے کو زندہ کیا اور ذروں نے سامری کے بچھڑے کو زندہ کر دیا۔ تو سنو جب حضرت جبرئیل کے گھوڑے کی ٹاپ کے اندر زندگی بخشنے کی طاقت خدا نے دی ہے، تو یہ جبرئیل وہی تو ہیں جنہوں نے رسول پاک کے قدموں پر پیشانی ٹیک دی تھی۔

اور مجھے کہنے دو حضرت جبرئیل نے زندگی رسول سے لی اور زندگی دے رہے ہیں ؎

اے ہزاراں جبرئیل اندر بشر   بہرِ حق سوئے غریباں یک نظر

ادب گاہیست زیر آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

بے ادبوں کی فہرست

دیکھا تم نے اس وقت کے ادب والوں کا حال۔ کیسے ادب والے تھے اور کیسا کیسا ادب کا قانون تھا۔ اب میں سوچتا ہوں کہ بے ادبوں کا بھی کچھ ذکر ہو جائے۔ مگر اس دور کے بے ادبوں کا ذکر کروں گا۔ اس لیے کہ جب آپ اُس دور کے بے ادبوں کو سمجھ لیں گے تو ان کا بھی سمجھنا آسان ہی رہے گا۔ الغرض اس دور کے ادب والوں کا میں نے ذکر کیا ہے تو اس دور کے بے ادبوں کا ذکر کردوں۔ دیکھو بے ادبوں کی بڑی لمبی فہرست ہے جیسے ادب والوں کی بڑی لمبی فہرست ہے۔ سب کا نام لے کر بتاؤں تو اتنا وقت بھی نہیں۔ تھوڑے سے وقت میں مجھے کچھ عرض کرنا ہے تو بے ادبوں میں ایک بڑا بے ادب تھا جس کا نام ہے ولید ابن مغیرہ۔ اس نے کہا یَا اَیُّھَا الَّذِیْ نُزِّلَ عَلَیْہِ الذِّکْرُ اِنَّکَ لَمَجْنُوْن ۔ اے وہ جس کو دعویٰ ہے کہ ہم پر ذکر نازل ہوا تو مجنون ہے۔ ولید ابن مغیرہ کی اس گستاخی کا حضور جواب دے سکتے تھے، مگر اشارہ ربانی ہوا اے محبوب! تم جواب نہ دو۔ ایسے سر پھروں کے جواب دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ اے محبوب! تمہیں جواب دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں جواب دیتا ہوں۔ تو پہلے جواب کیا دیا: وَمَا اَنْتَ بِنِعْمَۃِ رَبِّکَ بِمَجْنُوْن۔ اے محبوب! تو اپنے رب کے فضل و کرم سے مجنون نہیں ہے۔ وَاِنَّ لَکَ لَاَجْرًا غَیْرَ مَمْنُوْنٍ۔ اور آپ کے لیے تو بے پایاں اجر ہے۔ وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ۔ اور آپ تو خلقِ عظیم پر ہیں۔ پہلے رسول کے اوصاف کو رسول کو سنایا۔ اس کے بعد پھر جس نے مجنون کہا تھا۔ اس کے دس عیب قرآن نے شمار کرائے: لَا تُطِعْ کُلَّ حَلَّافٍ مَّھِیْنٍ۔ ھَمَّازٍ مَّشَّآءٍ بِنَمِیْمٍ مَّنَّاعٍ لِّلْخَیْرِ مُعْتَدٍ اَثِیْمٍ عُتُلٍّ بَعْدَ ذَالِکَ زَنِیْمٍ۔

اے محبوب! ایسوں کی بات پہ کان مت دھرو، ایسے کی بات نہ سنو جو پرلے درجے کا جھوٹا ہو، طعنہ باز ہو، چغلخور ہو۔ قرآن کریم کی روشنی میں سنو۔ یہ نہ کہنا کہ ممبر سے گالی دے رہے ہیں۔ قرآن کا ترجمہ پیش کر رہا ہوں۔ چغلخور بھلائی سے روکنے والا ہے، حد سے بڑھنے والا ہے۔ بڑا ہی گنہگار ہے، بڑا سخت دل ہے اور اے محبوب! اس پر طرّہ یہ کہ حرامزادہ ہے۔ قرآن کا لفظ ہے جو سُن رہے ہو۔ زَنِیْم کا لغت میں جاکر ترجمہ دیکھو۔ زَنِیْم اسے کہتے ہیں کہ جس کے باپ کا پتہ ہی نہ ہو۔ دس عیب قرآن نے ولید بن مغیرہ کے شمار کرا دیئے۔

آج یہاں پر میں ایک پیاری بات سناؤں گا۔

سُنّی علمائے گالی دیتے ہیں

آج علماء اہل سنت والجماعت کے اوپر اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ گالی دیتے ہیں۔ کیا گالی دیتے ہیں؟ کسی کافر کو کافر کہہ دیا تو گالی ہے۔ کسی مشرک کو مشرک کہہ دیا تو گالی ہے۔ کسی منافق کو منافق کہہ دیا تو گالی ہے۔ کسی رجیم کو رجیم کہہ دیا تو گالی ہے۔ کسی خنّاس کو خنّاس کہہ دیا تو گالی ہے۔ تو میں کہتا ہوں کہ اگر یہ سب گالی ہے تو یہ سب قرآن میں ہے۔ پہلے قرآن کی صفائی کرو جو اخلاق والی کتاب ہے، جو آسمانی کتاب ہے جو صحیفۂ مبارکہ ہے۔ یہ سب الفاظ اسی قرآن میں ہیں اور اگر تم اسی کو قرآن کریم مانتے ہو جس میں یہ سب الفاظ ہیں، تو تمہیں ان الفاظ کو گالی کہتے ہوئے شرم آنی چاہیئے۔ کیا خدا نے گالی دی ہے؟ حدیث شریف میں اگر منافقوں کو کلاب النّار (جہنم کا کتا) کہا تو کیا رسول نے گالی دی ہے اور پھر اس کے بعد کہتے کیا ہیں؟ کافر کو کافر مت کہو۔ مزہ تو یہ ہے کہ کافر کو کافر مت کہو کہنے والے خود کافر کہتے ہیں۔ غور کرو کہتے ہیں کافر کو کافر نہ کہو۔ کس کو کافر نہ کہیں؟ کافر کو۔ جناب نے تو کہہ دیا کافر کو کافر نہ کہو۔ ان سے کہو کہ پھر مسلمانوں کو مسلمان بھی نہ کہو۔ پوچھا گیا کہ کافر کو کافر کیوں نہ کہیں؟ جواب دیا کہ تجھے کیا خبر کہ مرنے سے پہلے ایمان لے آئے تو ان سے کہو کہ مسلمان کو مسلمان بھی نہ کہنا، اس لیے کہ تجھے کیا خبر کہ مرنے سے پہلے کافر ہو جائے۔ یہ کتنا بڑا افترا ہے شریعت پر۔ کیا رسول کا یہی پیغام تھا کہ کافر کو کافر نہ کہو۔ اگر یہی پیغام تھا تو رسول نے خود کیوں کہا،

قُلْ یٰاَیُّھَا الْکٰفِرُوْنَ۔ اے کافرو! یہ کس کو کہا تھا، کافر ہی کو تو کہا تھا اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ مشرکین نجس ہیں۔ یہ کس کو کہا؟ مشرکین ہی کو تو کہا گیا۔ خناس کہا کس کو کہا؟ رجیم کہا کس کو کہا؟ شیطان کہا کس کو کہا؟ خبیث و خبیثات کے الفاظ قرآن پاک میں کیوں آئے؟ اور میں نے جو آیت مبارکہ سنائی اس میں تو حرام زادہ تک کہہ دیا۔ اس میں زنیم کا لفظ بھی آگیا۔ معلوم ہوگیا کہ تم ابھی سمجھ ہی نہ سکے کہ گالی کس کو کہتے ہیں۔ کافر کو کافر کہنا گالی نہیں ہے۔ شرابی کو شرابی کہنا گالی نہیں ہے۔ چور کو چور کہنا گالی نہیں ہے۔ بدکار کو بدکار کہنا گالی نہیں ہے۔ جو صفت جس کی ہو اس صفت سے اس کو یاد کرنا گالی نہیں ہے۔ کسی مسلمان کو کافر کہو تو گالی ہے۔ کسی نیک کو بُرا کہو تو گالی ہے۔ جو مصداق ہو اس مصداق والے کو وہی کہو تو گالی نہیں۔ مجھ سے تم یہ ضرور پوچھ سکتے ہو کہ جس کو مردود کہا ہے، وہ واقعی مردود ہے کہ نہیں؟ جس کو خبیث کہا ہے وہ واقعی خبیث ہے کہ نہیں؟ یہ سوال تو معقول ہے، مگر یہ کہنا تو غلط ہے کہ میں نے گالی دی ہے۔ جب میں ثابت کروں گا کہ واقعی وہ ایسا ہی ہے تو یہ چیز گالی نہیں بنتی اور جب تم گالی نہ سمجھ سکے تو قرآن کریم کیا سمجھو گے؟

جواب دو کہ قرآن کریم میں جو کچھ ولید بن مغیرہ کو کہا گیا، یہ گالی ہے کہ نہیں۔ اگر اس کو گالی کہو گے تو قرآن کریم کو کیا کہو گے۔ الغرض یہ گالی نہیں ہے، اس لیے کہ جس کو ایسا کہا گیا تھا وہ واقعی ایسا ہی تھا۔ یاد رکھنا اس کو یہ بات بہت زیادہ کہی جاتی ہے۔ گالی دیتے ہیں۔ اچھا میں اب ایک بات اور بتاؤں۔ ولید ابن مغیرہ اپنی ماں کے پاس گیا اور اس سے کہا اے ماں! آج محمد عربی (صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے میرے دس عیب شمار کیے ہیں، نَو کو تو میں جانتا ہوں، مگر یہ جو دسواں ہے یہ تو ہی بتا سکتی ہے، میرے باپ کا کیا نام ہے؟ بتانا پڑے گا اور سن لے محمد (صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم) جھوٹ نہیں بول سکتے۔ دیکھا ولید سامنے مجنون کہتا ہے اور اپنے دل میں یہ خیال بھی رکھے ہوتے ہے کہ محمد (صلی اللّٰہ تعالیٰ علیہ وسلم) جھوٹ نہیں بول سکتے۔

زبان سے مجنون کہہ رہا ہے، مگر سمجھ رہا ہے کہ میری زبان جھوٹ بول رہی ہے ۔ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جھوٹ نہیں بول سکتے ۔ اے ماں! اگر تو صحیح نہ بولے گی تو میں تلوار سے تیری گردن اڑا دوں گا ۔ تو ماں نے اعتراف کر لیا کہ تیرا باپ بہت ہی کمزور تھا اور دولت مند تھا ۔ اسی لیے میں نے یہ سوچا کہ کہیں یہ دولت اس کے مرنے کے بعد اِدھر اُدھر منتشر نہ ہو جائے ۔ الغرض تو ایک چرواہے کے گناہ کا نتیجہ ہے ۔ دیکھا رسول کو گالی دینے والا اپنے آئینے میں جو اپنے کو دیکھتا ہے تو کیسا پاتا ہے ۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہر گستاخِ رسول کو تحقیق کرنا چاہیئے کہ اس کی نسل کا کیا حال ہے ۔ بہر حال ماں نے جرم کا اعتراف کر لیا ۔ میں نے ایک بہت ہی عجیب بات آپ کو سنا دی ہے ۔ کافر نے کہا محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) جھوٹ بول نہیں سکتے ۔ مانا نہیں مگر ابھی کہہ رہا ہے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) جھوٹ نہیں بول سکتے ۔ تمہیں حیرت ہوگی ۔ کچھ ایسے لوگ آج کل ملتے ہیں جو کہتے ہیں خدا تعالیٰ بھی جھوٹ بول سکتا ہے ۔

ولید بن مغیرہ کہہ رہا ہے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) جھوٹ نہیں بول سکتے ۔ یہ کیسے کلمہ پڑھنے والے ہیں، کہتے ہیں خدا بھی جھوٹ بول سکتا ہے ۔ اس سے ایک مسئلہ سمجھ میں آیا جس کو میں عرض کر دینا چاہتا ہوں ۔ دیکھو شرک کس کو کہتے ہیں ۔ شرک کہتے ہیں کہ خدا کی جیسی شان ہے، ویسی کسی غیر خدا کی شان تم مان لو وہ شرک ہے ۔ خدا تعالیٰ کی ذات کی طرح کسی دوسرے کی ذات کو مان لو یہ شرک ہے ۔ خدا تعالیٰ کی صفات جیسی کسی کی صفات تم مان لو ۔ الغرض یہ شرک ہے کہ جیسے خدا کی شان ہے ویسے کسی کی شان مان لو ۔ شرک ہے نا ۔ اچھا تو اب جن کے نزدیک خدا تعالیٰ کا جھوٹ بولنا ممکن ہے، اگر ان کا بھی جھوٹ بولنا ممکن ہے تب تو شرک ہو گیا ۔ خدا تعالیٰ کا بھی جھوٹ بولنا ممکن اور بندے کا بھی جھوٹ بولنا ممکن، تو شرک ہو گیا ۔ تو اب شرک سے بچنے کی ایک صورت ہے کہ خدا تعالیٰ کے جھوٹ بولنے کو یہ ممکن کہیں اور اپنے جھوٹ بولنے کو واجب کہیں ۔ اس لیے اگر اپنے جھوٹ بولنے کو ممکن کہیں گے تو خدا تعالیٰ اور بندے کی شان ایک ہو جائے گی ؎

عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے
یہ گھٹائیں اسے منظور بڑھانا تیرا

ایک نکتہ

یہاں پر ایک نکتے کی طرف میں آپ کے ذہن کو لے جانا چاہتا ہوں۔ دیکھو رسول کو اس نے پاگل کہہ دیا، مجنوں کہہ دیا۔ تو کیا اس کا جواب یہ تھا کہ ولید بن مغیرہ کے عیب کو شمار کرایا جائے۔ یہ بھی کوئی جواب ہے ٹھیک ہے صاحب۔ مولانا بشیر صاحب کو کسی نے مجنوں کہہ دیا۔ ہیں ان کا چاہنے والا تو کیا میں اب اس کے عیب کو شمار کر دوں۔ یہ کوئی جواب ہوا۔ عیب تو ظاہر ہو گیا۔ وہ تو ٹھیک ہے مگر جواب کیا ہوا کیا رسول اسی لیے آئے تھے؟ کیا نبوت کا فریضہ ادا ہو گیا؟ کیا دعوتِ حق ادا ہو گئی؟ بہت باریک نکتے کی طرف ذہن کو لے جا رہا ہوں۔ عیب گنانے کی کیا ضرورت؟ نہیں دوستو! عیب گنانے کی کیا ضرورت؟ نہیں دوستو! عیب اس طرح سے نہیں گنایا گیا ہے، بلکہ ولید کے جن عیوب کو گنایا گیا ہے۔ ان میں بعض عیوب وہ ہیں جس کو ولید تنہا جانتا ہے اور بعض عیوب وہ ہیں جن کو ولید کی ماں تنہا جانتی ہے۔ ایسے عیب شمار کرائے۔ تو اب یہ صرف عیوب کا شمار کرانا ہی نہیں ہوا۔ جواب بھی ہو گیا۔ ارے سن جس نبی کو تو مجنون پاگل کہتا ہے، وہ تیرے اس عیب کو بھی جانتا ہے جس کو تیری ماں کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

تو بتاؤ جو نبی اتنا جاننے والا ہو گا، وہ نبی ہو گا کہ مجنوں ہو گا۔ وہ رسول ہو گا کہ پاگل ہو گا۔ تو دیکھو عیب بھی شمار ہو گئے اور نبوت کا پرچار بھی ہو گیا۔ نبوت کا پیغام بھی پہنچ گیا۔ نبی کی شان بھی ظاہر ہو گئی۔

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

ابولہب اور اس کے بیٹوں کا حشر

اور تیزی سے میں آپ کو لے چلوں۔ یہ ابولہب کون تھا؟ یہ بھی تو بے ادبوں کا

سردار ہے۔ جب بلایا تھا میرے رسول نے اور پیغامِ حق سنایا تھا، تو اس نے کیا کہا تھا، تبالک سائرالیوم الھذا اجمعتنا۔ ہلاکت ہو سارے دن تمہارے اوپر۔ کیا اسی لیے ہمیں اکٹھا کیا تھا؟ ابولہب نے یہی کہا تھا۔ ابولہب تو ایک بار کہہ گیا اور سورۂ تبت نازل ہوگئی کہ وہ تو کہہ رہا ہے کہ ہلاکت ہو، مگر اے محبوب! وہ تو ہلاک ہوگیا۔ تَبَّتْ يَدَا اَبِي لَهَبٍ وَّتَبَّ۔ وہ بھی ہلاک ہوگیا اور اس کی جورو امِ جمیل بھی ہلاک ہوگئی۔ دونوں کی ہلاکت کا پیغام۔ ابولہب نے تو ایک بار کہا، مگر آج چودھویں صدی سے ہر نمازی اس پر ہلاکت بھیج رہا ہے اور قیامت تک اس پر ہلاکت برستی رہے گی۔ رسول کو ایک بار کہا تھا اس نے۔ اس کو تو دنیا نہیں جانتی۔ مگر اس پر دنیا آج تک لعنتیں بھیج رہی ہے۔ دیکھا آپ نے یہ ابولہب کا عبرتناک انجام اور اس کے بعد اس کا غصہ دیکھو۔ اس کے دو بیٹے تھے۔ عتبہ و عتیبہ۔ حضورؐ کی دو صاحبزادیاں عتبہ اور عتیبہ کے نکاح میں تھیں: ایک حضرت رقیہ اور ایک حضرت ام کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ اس وقت مشرکین سے نکاح جائز تھا، ابھی حرمت کی آیت نہیں اتری تھی۔ تو ابولہب نے کہا کہ تم لوگ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی بیٹیوں کو طلاق دے دو۔ اگر نہیں دو گے تو تمہیں اپنی میراث سے محروم کردوں گا۔ عتیبہ ڈرتا تھا، وہ بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوا اور معذرت کی اس نے بارگاہِ رسول میں اور عرض کیا کہ میرا باپ اتنی سختی کر رہا ہے۔ اس لیے مجبوراً میں طلاق دے رہا ہوں اور عتبہ نے گستاخانہ انداز سے طلاق دی تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کہا اے الہ العالمین اپنے کتوں میں سے کسی کو اس پر مسلط کردے۔ اتنا کہنا تھا کہ ابولہب کہتا تھا کہ میرے بیٹے کا مستقبل خطرے میں ہے عتبہ کے پیچھے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی بددعا پڑ گئی ہے۔ کافر تو اختیار کو مانتا تھا، اگر آج ایمان والے نہ مانیں تو تعجب ہے نا۔ میرے بیٹے کے پیچھے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کی بددعا پڑ گئی ہے۔ الغرض ہر طرح اس کی نگرانی کرنے لگا۔ ایک مرتبہ تجارتی قافلے کا جب اسے امیر بنا کر باہر جانا ہوا تو اپنے غلاموں کو اس نے تاکید کی تھی، ذرا عتبہ کا خیال رکھنا۔ تو غلاموں نے اس کا بڑا خیال رکھا۔ رات کے وقت جب پڑاؤ پڑا اور جب سونے کا وقت ہوا تو عتبہ کو

بیچ میں سلایا۔ غلام کنارے کنارے سوتے۔ مگر ایک شیر آتا ہے۔ سونے والوں کے ہر ایک کے منہ کو سونگھتا ہے۔ سونگھنے کے بعد اندر گیا۔ اس نے عتبہ کے منہ کو سونگھا اور چیر پھاڑ کر برابر کیا اور چلا گیا۔ میں سوچنے لگا اے شیر! تجھے منہ کے سونگھنے کی ضرورت کیا تھی۔ یہ تو سبھی کافر تھے۔ منہ سونگھنے کی ضرورت کیا تھی؟ تو جواب ملے گا سوچی: رسول کے گستاخ کے منہ سے ایسی بو آتی ہے جو جانور بھی پہچانتے ہیں، وہاں کافر کی تلاش نہیں تھی، گستاخ کی تلاش تھی۔

کاتبِ وحی کا حشر

ایک کاتبِ وحی تھا یعنی ابتدا میں وحی کی کتابت کیا کرتا تھا۔ اس کے بعد ہوا کیا کہ مرتد ہو گیا۔ جب مرتد ہو گیا، تو مرنے کے بعد اسے دفن کیا گیا، تو زمین نے اسے اٹھا کر باہر پھینک دیا تو لوگوں نے سمجھا کہ شاید اصحابِ رسول نے اٹھا کر پھینکا ہو گا۔ پھر دفن کیا پھر پھینک دیا۔ تین چار مرتبہ جب پھینک دیا۔ جس سے ظاہر ہو گیا کہ رسول نے جس کو اپنے در سے نکال دیا ہے اسے زمین بھی قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر
نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا

دوستو! ان تمام واقعات کو اپنی نگاہوں کے سامنے رکھو۔ ادب والوں کے حال کو مدنظر رکھو اور بے ادبوں کے احوال کو یاد رکھو۔ یہ ادب والے ہیں، یہ تقویٰ والے ہیں، یہ اجرِ عظیم والے ہیں، یہ مغفرت والے ہیں، یہ صلاح و فلاح والے ہیں، یہ کامیابی والے ہیں، یہ بے ادب ہیں، یہ رسوائی والے ہیں، یہ ذلت والے ہیں، یہ جہنم میں جانے والے ہیں، یہ قعرِ مذلت میں گرنے والے ہیں۔ ان کے نتائج کو دیکھو اور ان کے نتائج کو بھی دیکھو اور ولید ابن مغیرہ جیسے بے ادب کو تو یہیں بھی سزا مل گئی۔ قرآن کریم کے اندر ہے سَنَسِمُهٗ عَلَى الْخُرْطُوْمِ۔ یعنی اس کی سور جیسی تھوتھنی پر ہم داغ دیں گے۔ ذرا قرآن کا انداز تو دیکھو۔ سور جیسی تھوتھنی پر یعنی یہیں چہرہ بگاڑ دیا جاتا ہے بے ادبوں کا۔ دیکھ لو کسی بے ادب کو پہچان لو گے۔

کفر جب گُستاخ ہو جائے

ایک بات میں تمہیں بتاؤں۔ کُفر بُری چیز ہے، مگر جب کفر، کفر کی حد تک رہے۔ دشمنی، دشمنی کی حد تک رہے۔ امید ہے کہ ایمان کی توفیق مل جائے، مگر جب کوئی گُستاخی کر دیتا ہے، تو اس سے توبہ کی توفیق چھین لی جاتی ہے ؎

از خدا خواہیم توفیقِ ادب　　　　بے ادب محروم ماند از فضلِ رب

گستاخ اپنے وقت کا کتنا بڑا علامہ ہی کیوں نہ ہو، گستاخی کر کے پھر توبہ نہ کر سکے گا۔ اسے میاں! کتنے بڑے علامہ بنو، مگر جنّت کو بے دیکھے مانا۔ جہنم کو بے دیکھے مانا۔ عذاب قبر کو بے دیکھے مانا۔ ملائکہ کو بے دیکھے مانا۔ تو جب دیکھ کے ماننے والا نکال دیا گیا، تو بے دیکھے ماننے والوں میں کیا دیری؛ معلوم یہ ہوا کہ گستاخ کو توبہ کی توفیق نہ ہو گی۔ اسی لیے دیکھو ابلیس گستاخ تھا، اور خدا تعالیٰ کے عذاب کی سختی کو وہ جانتا تھا، مگر مغفرت نہیں مانگتا۔ مہلت مانگتا ہے، توبہ نہیں کرتا۔ اسے تو توبہ کرنی چاہیئے تھی، مگر نہیں کرتا۔ معلوم یہ ہوا کہ گستاخ جو ہوا کرتا ہے، اس سے توبہ کی توفیق چھین لی جاتی ہے اور میں بتاؤں قرآن کریم کی آیت سے؛ اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ فَضَلُّوْا فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا۔ اے محبوب! دیکھو یہ تمہاری کیسی کیسی مثالیں لاتے ہیں۔ کبھی شاعر کہتے ہیں، کبھی ساحر کہتے ہیں، کبھی سحر زدہ کہتے ہیں، کبھی مجنون کہتے ہیں۔ کیسی کیسی مثالیں لاتے ہیں، مگر یہ گمراہ ہو گئے۔ فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا۔ اب یہ راستے پر پلٹ کے آنے والے نہیں ہیں۔ ان سے استطاعت چھین لی گئی۔ بغل میں بخاری ضرور رہے گی۔ سر پہ قرآن بھی رہے گا مگر اگر گستاخی کی ہے تو توبہ نہیں کر سکیں گے، توبہ کی توفیق چھین لی جائے گی۔ دیکھو فاروق اعظم دشمن ضرور تھے گستاخ نہ تھے۔ خالد بن ولید دشمن ضرور تھے گستاخ نہ تھے۔ ابوسفیان دشمن ضرور تھے گستاخ نہ تھے۔ مگر ابوجہل گستاخ تھا۔ عتبہ و شیبہ گستاخ تھا۔ ابولہب گستاخ تھا۔ عقبہ ابن ابی معیط گستاخ تھا۔ ولید بن مغیرہ گستاخ تھا۔ دیکھو عکرمہ جو ابوجہل کے بیٹے تھے گستاخ نہ تھے، باپ گستاخ تھا، بیٹا گستاخ نہ تھا۔ بیٹا مومن ہوا، باپ رہ گیا۔

ایک عاشقِ رسول کا جواب

ان تمام واقعات کو سامنے رکھنے کے بعد کیا آپ یہ نہ کہیں گے باادب بانصیب، بے ادب بے نصیب۔ آخر میں چلتے چلتے میں کہوں گا دوستو! اگر تم اسلام کی شوکت کو سمجھانا چاہتے ہو۔ اگر تم اسلام کی بلندیوں کو سمجھانا چاہتے ہو۔ اگر تم اسلام کی رفعت کو سمجھانا چاہتے ہو تو تمہیں بانیٔ اسلام کی شوکت کو سمجھانا پڑے گا۔ مکان کی عظمت مکین کی عظمت سے ہوتی ہے۔ اگر مکین بڑا ہوتا ہے تو مکان بھی بڑا ہوتا ہے۔ کعبہ بڑا کیوں ہے؟ اس لیے کہ آپ اسے بیت اللہ کہتے ہیں۔ گنبدِ خضریٰ کیوں عظیم ہے، اس لیے کہ وہ رسول کا مکان ہے تو جو مکان کی عظمت ہوتی ہے وہ مکین کی عظمت سے ہوا کرتی ہے۔ تو سوچو بتاؤ اس وقت تمہارا کیا حال ہوگا جب چند قوموں کے افراد تمہارے سامنے ہوں گے یہ یہودی ہے، یہ عیسائی ہے، یہ اہلِ ہنود ہیں کھڑے ہوئے ہیں اور ایک ہندو کہہ رہا ہے سوچو! ہمارے رہنما کا حال پوچھنا چاہتے ہو۔ تم جس کو رام کہتے ہیں ہم جس کو لچھمن کہتے ہیں۔ آؤ اس کی توانائیوں کو سمجھو۔ اس نے بہت بھاری کمان کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ عیسائی بولے گا سوچو! ہم جس کو نبی مانتے ہیں، وہ ایسا نبی تھا جس نے مردوں کو زندہ کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے یہودی بولیں گے کہ دیکھو ہمارے حضرتِ موسیٰ کا حال یہ ہے کہ انہوں نے پتھروں سے چشمہ جاری کر دیا۔ دیکھو کوہِ طور پر کلام کیا۔ سب اپنے مرکزِ عقیدت کی تعریف کر رہے ہیں، بولو اے مسلمانو! ان کے مقابلے میں اگر تمہیں بولنا پڑے، تو تم کیا بولو گے۔ کیا یہی بولو گے کہ ہمارا نبی تمہاری طرح ہے۔ ہمارا نبی تو مر کے مٹی میں مل گیا ہے۔ ہمارا نبی تو پیٹھ کے پیچھے کی بھی خبر نہیں رکھتا۔ ایسا جب تم کہو گے تو وہ کہیں گے پھر تو ہمارے اچھے ہیں تمہارے سے۔

سنو ایسے موقع میں مجھے بولنا پڑا تو میں کہوں گا کہ اے دھنش کے توڑنے والے تو نے اسی دنیا کی مادی دھنش کو توڑا اور پوری طاقت سے توڑا اور میرے رسول نے تو چمکتے ہوئے چاند کو توڑا اور ایک اشارے سے توڑ دیا۔

سنو اے حضرت مسیح کا کلمہ پڑھنے والو! ٹھیک ہے انہوں نے مردوں کو زندہ کر دیا۔ بڑا معجزہ ہے۔ مگر انہوں نے مُردوں کو زندہ کیا اور مردہ اسی کو کہتے ہیں جس میں رُوح کی صلاحیت اور روح نہ ہو۔ اس کو مردہ نہ کہیں گے جس میں روح کی صلاحیت ہی نہ ہو۔ تو حضرت مسیح نے مُردوں کو زندہ کیا، یعنی نکلی ہوئی رُوح کو پلٹایا اور میرے رسول نے تو بے روح کنکریوں میں جان ڈال دی۔

اگر حضرت کلیم اللہ علیہ السلام نے پتھروں سے پانی نکالا تو میرے رسول نے انگلیوں کی گھائیوں سے پانی نکالا۔ اگر حضرت کلیم کو شرفِ تکلّم ملا کوہِ طور پر، تو میرے رسول کو شرفِ تکلّم ملا عرشِ عظیم پر۔ ذرا غور تو کرو سنو اچھی طرح سنو! اے حضرت موسیٰ کا معجزہ یاد کرنے والو! یاد رکھنا حضرت موسیٰ کے لیے قانون تھا اے موسیٰ کچھ کہنا ہے تو طور پر آؤ۔ اے موسیٰ کچھ لینا ہے تو طور پر آؤ۔ اے موسیٰ کچھ سننا ہے تو طور پر آؤ۔ اے موسیٰ کچھ معروضہ پیش کرنا ہے تو طور پر آؤ۔ مگر حبیب کا معاملہ یہ تھا۔ اے حبیب تمہیں کچھ کہنا ہے تو طور پر جانے کی ضرورت نہیں۔ اے نبی صفا و مروہ پر بھی آنے کی ضرورت نہیں۔ جبل رحمت پر بھی جانے کی ضرورت نہیں۔ کعبہ میں بھی آنے کی ضرورت نہیں۔ مسجد حرام میں بھی آنے کی ضرورت نہیں بیت المقدس میں بھی جانے کی ضرورت نہیں۔ اے محبوب! تمہیں کچھ کہنا ہو تو زبان بھی ہلانے کی ضرورت نہیں۔ نظریں اٹھا د تو قبلہ بدل دیا جائے۔

فرش والے تیری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

سچ ہے باادب بانصیب۔ بے ادب بے نصیب۔

بارگاہِ رسالت میں صلوٰۃ وسلام عرض کرنے کے لیے مؤدبانہ کھڑے ہو جائیے۔

خطبہ (۳)

وسیلہ

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ
الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ۔

صرف اتنا ہی نہیں غم سے رہائی مل جائے
وہ جو مل جائیں تو پھر ساری خدائی مل جائے

دور رکھنا ہو تو پھر جذبِ اویسی دے دو
تاکہ مجھ کو بھی تو کچھ کیف جُدائی مل جائے

میں یہ سمجھوں گا مجھے دولتِ کونین ملی!
راہِ طیبہ کی اگر آبلہ پائی مل جائے

؎ مل نہیں سکتا خدا ان کا وسیلہ چھوڑ کر
غیر ممکن ہے کہ چڑھ جیئے چھت پہ زینہ چھوڑ کر

وسیلہ تلاش کرو

درود شریف : اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَ
مَوْلَانَا مُحَمَّدٍ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى اَنْ تُصَلِّيَ عَلَيْهِ

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس کی بارگاہ میں پہنچنے کے لیے وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو۔

میں نے جس آیت کریمہ کی تلاوت کا شرف حاصل کیا ہے، اس کا سیدھا سا ترجمہ عرض کر دیا۔ زمانہ بہت ہی پُر آشوب ہوتا جا رہا ہے۔ بعض ایسے واضح اور سامنے کے مسائل آج

نظری بنتے جا رہے ہیں۔ جن مسائل کو سمجھنے کے لیے کسی دلیل کے دینے کی ضرورت نہیں تھی، آج ان کو سمجھانے کے لیے دلیل کی ضرورت پڑ رہی ہے۔ اور اگر زمانہ ترقی یوں ہی کرتا گیا، تو کہیں ایسا دور نہ آ جائے کہ دن میں دن کو سمجھانے کے لیے دلیل دینی پڑے اور رات میں رات کو سمجھانے کے لیے دلیل دینی پڑے۔ کہیں ایسا زمانہ نہ آ جائے کہ آگ میں حرارت ہے، لوگ کہیں دلیل دو۔ بڑی مشکل ہے نہ ہم خود جلنے کو تیار ہوں گے اور نہ انہیں جلائیں گے تو اب دلیل دیں تو کیسے دیں؟

تو عجیب زمانہ ہے ایسی باتیں جن کے ماننے کے لیے کسی دلیل کی ضرورت نہیں تھی۔ کسی بُرہان کی ضرورت نہیں تھی، کسی حجت کی ضرورت نہیں تھی، آج اس کے لیے بھی دلیل مانگی جاتی ہے۔ بُرہان کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ حجت کی تگ و دو ہو رہی ہے۔ سنو عالم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک عالمِ امر دوسرا عالمِ خلق۔ ویسے مختلف جہتوں۔ مختلف اضافتوں، مختلف حیثیتوں سے عالم کی تو بیشمار قسمیں ہیں، مگر میں جس جہت سے تقسیم کر رہا ہوں، میں جس حیثیت سے بات عرض کر رہا ہوں، اس جہت سے عالم کی صرف دو قسمیں ہیں ایک ہے عالمِ امر اور دوسرا ہے عالمِ خلق۔ عالمِ امر اسے کہیں گے کہ رب کُن فرمائے اور چیز ہو جائے۔ نہ سبب، نہ وسیلہ، نہ ذریعہ، نہ یہ، نہ وہ۔ الغرض اس چیز کا وجود محتاجِ وسائل نہیں، بلکہ رب تعالیٰ نے کُن کہا اور چیز ہو گئی۔ تو کُن کہہ دینے سے جس چیز کا وجود ہو جائے، وہ عالمِ امر کی چیز ہے۔ عالمِ امر میں جو کچھ پیدا ہوا اس کا بھی خالق خدا ہی ہے اور عالمِ خلق میں بھی جو کچھ پیدا ہوا اور جو کچھ ہو گا، اس کا بھی خالق خدا ہی ہے، مگر فرق اتنا ہے کہ وہاں کُن کہہ کے پیدا کیا اور یہاں اسباب سے لگا دیا۔ وہاں کُن کہہ دیا روح ہو گئی مگر خود رُوح والے کو یعنی جس کو روح والا بنانا ہے، رب تبارک وتعالیٰ نے کُن کہہ کے نہیں پیدا کیا۔ دیکھو سیدنا آدم علیہ السّلام کا مجسمہ کیا کُن کہہ کے نہیں بن سکتا تھا۔ کُن، ہو جا۔ مجسمہ تیار ہو جاتا، مگر نہیں عناصرِ اربعہ کی ترکیب جاری ہے۔ مجسمہ تیار کیا جا رہا ہے۔ لاؤ مٹی، لاؤ پانی، لاؤ آگ، لاؤ ہوا۔ اے فرشتو! اس کو گوندھو اور گوندھ کر کے مجسمہ تیار کرو۔ اتنی ضرورت میرے رب

کے لیے نہیں تھی۔ قادرِ مطلق کے لیے نہیں تھی۔ مجسمۂ آدم کو وہ کُن کہتا ہو جاتا، مگر نہیں۔ رُوحِ آدم عالمِ امر کی ہے اور مجسمۂ آدم عالمِ خلق کا ہے اور دونوں کی تخلیق سے الگ الگ سنّتِ الٰہیہ متعلق ہے۔

عالمِ اسباب

تو ہم کو کہاں رکھا گیا ہے۔ عالمِ اسباب میں رکھا گیا۔ عالمِ وسائل میں رکھا گیا۔ بتاؤ کوئی چیز ایسی ہے جو تمہیں بے وسیلہ مل سکتی ہے۔ دینے والا خدا ہے، رازق خدا ہے، خالق خدا ہے، مالک خدا ہے۔ ایک ہی دینے والا ہے، ایک ہی پیدا کرنے والا ہے۔ ایک ہی رزق دینے والا ہے۔ مگر بتاؤ تمہارے منہ میں کوئی لقمہ بغیر وسیلے کے آسکتا ہے؟ کیا تمہاری ناکوں میں ہوا کا کوئی حصہ بغیر وسیلے کے آسکتا ہے۔ بولو اچھی طرح سے بولو۔ سوچو یہ عالمِ خلق۔ عالمِ خلق میں اگر ہم یہ کہیں کہ یہ اسباب و وسائل کی دنیا ہے، یہاں بغیر وسائل کے کوئی کام نہیں ہو سکتا اور کوئی کہے دلیل دو، تو ہم یہی سمجھیں گے کہ ہم کہہ رہے ہیں کہ دن ہے اور آپ کہتے ہیں کہ دلیل دو۔

دوستو! ذرا سوچو کہ کس قدر سامنے کی بات کر رہا ہوں کہ یہ انسان سوچتا ہے تو دماغ کے ذریعہ سوچتا ہے۔ دیکھتا ہے تو آنکھ کے ذریعے سے دیکھتا ہے۔ بولتا ہے تو زبان کے ذریعہ سے بولتا ہے۔ سنتا ہے تو کان کے ذریعہ سنتا ہے۔ چلتا ہے تو پیر کے ذریعہ چلتا ہے۔ کام کرتا ہے، تو ہاتھ کے ذریعہ کرتا ہے۔ یہاں عالمِ وجود میں آیا تو والدین کے ذریعہ آیا۔ اپنی زندگی بچاتا ہے، تو آب و ہوا کے ذریعہ بچاتا ہے۔ اور حال یہ ہے کہ یہ سارے ذرائع خدا نہیں ہیں، بلکہ یہ سب غیرِ خدا ہیں۔ بایں ہمہ ان وسائل و ذرائع میں سے اگر کسی سے بے پرواہی برتو تو معاملہ گڑبڑ ہو جائے۔ اچھی طرح سے دیکھو کہ انسان کس قدر ذرائع استعمال کر رہا ہے۔ یہاں تک کہ اگر کسی کی مخالفت کرتا ہے تو اپنی عقل کے ذریعہ کرتا ہے۔ یہاں تک کہ میرے رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کے علم کی نفی کرتا ہے، تو اپنے ہی علم کے ذریعہ کرتا ہے۔

جب میرے رسول کے اختیار کا انکار کرتا ہے، تو اپنی زبان اور اپنے اختیار کے ذریعے کرتا ہے تو معلوم ہوا کہ رسول کو بے اختیار کہنے والے تجھے شرم آنی چاہیے کہ تجھے تو انکار کا اختیار ہے اور سرکارِ رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کچھ بھی اختیار نہیں۔ تو دیکھو تمام کام ذرائع سے ہو رہے ہیں، مگر جب اس انسان سے کہا جاتا ہے کہ خدا تعالیٰ تک پہنچنا ہے تو کہتا ہے کہ اب ذریعہ نہیں چاہیئے، بلکہ اب تو ڈائرکٹ پہنچ جائیں گے۔ سارا کام اِن ڈائرکٹ اور خدا تعالیٰ تک پہنچنا ڈائرکٹ۔

ڈائرکٹ اور اِن ڈائرکٹ

غور کیجیئے کہ یہ اجلاس جس میں آپ شریک ہیں، وہ اس بلڈنگ کے بالائی حصے پر ہو رہا ہے۔ یہاں تک آپ زینوں کے ذریعے آتے ہیں۔ ہے کوئی آنے والا جو یہاں ڈائرکٹ آ گیا ہو؟ میں نے دیکھا کہ سب آنے والے زینے کے ذریعے آ رہے ہیں۔ یہاں آنے کے لیے جو ایک راستہ بنا ہوا ہے، اسی راستے سے آ رہے ہیں۔ میں سوچنے لگا یہ معاملہ کیا ہے کہ معمولی سی بلندی پر آئیں تو بغیر ذریعہ نہ آ سکیں اور خدا تعالیٰ تک بغیر ذریعہ پہنچ جائیں؟ کیا کوئی ایسا شارٹ روٹ ہے؟ کوئی ایسا راستہ ہے کہ خدا تعالیٰ تک پہنچ جائیں، مگر کوئی ذریعہ اختیار نہ کرنا پڑے؟ نہ رسول کا ذریعہ، نہ محبوبِ الٰہی کا ذریعہ، نہ خواجہ اجمیری کے در پر جانا پڑے، نہ غوث جیلانی (رحمہم اللہ تعالیٰ) کے در پر۔ واقعی اگر کوئی ایسا شاٹ روٹ ہے تو ہم بھی نہ چلیں ان کے ساتھ۔ کیا ضرورت ہے اتنا لمبا راستہ اختیار کرنے کی؟ پیرِ طریقت علامہ علاؤ الدین صدیقی صاحب کے ذریعہ ہم جائیں گے تو یہ ہم کو کہاں کہاں لے جائیں گے کبھی بارگاہ شہنشاہِ نقشبند میں لے جائیں گے۔ کبھی بارگاہِ چشت میں، کبھی بارگاہِ قادریت میں لے جائیں گے اور کبھی بارگاہِ سہروردیت میں۔ تو کہاں کہاں جانا پڑے گا، لہٰذا اگر ہمیں کوئی شارٹ راستہ مل جائے کہ نہ اجمیر جانا پڑے نہ لاہور، نہ بغداد جانا پڑے نہ کربلا۔ یہاں تک کہ گنبدِ خضرا کے لیے بھی شدِ رحال نہ کرنا پڑے تو یہ تو بڑا اچھا ہے نا، یہاں سے اٹھے وہاں پہنچے۔

لوگ آج تیز رفتاری پسند کرتے ہیں۔ دیکھو اب ٹرینیں چل رہی ہیں تو اب گدھوں پر کون سواری کرے گا؟ یوں ہی ہوائی جہاز کی موجودگی میں پرانی سواریوں کو کون پسند کرے گا؟ لہٰذا اگر واقعی ملک کے دانشوروں نے ملک کے عقلمندوں نے اور ملک کے علم والوں نے کوئی ایسا روٹ پالیا ہے، تو اسے بتانا چاہیے کہ دیکھو یہ ایک ایسا روٹ ہے جس سے تم خدا تک ڈائرکٹ جاسکتے ہو۔ اس لیے کہ میں ابھی تک یہ نہیں سمجھ سکا کہ جب انسان یہاں ڈائرکٹ آ نہیں سکتا تو وہاں کیسے جاسکتا ہے؟ اچھا آؤ اس وقت کا تصور کرو، جب آپ کو چلنے پھرنے کا اختیار نہ ہوگا۔ یعنی جب آپ کے ہاتھوں میں توانائی نہ ہوگی۔ جب آپ کے پیروں میں طاقت نہ ہوگی۔ جب آپ کو چلنے پھرنے کا اختیار نہ ہوگا۔ یعنی جب رُوح نکال لی جائے گی۔ اب ایسے وقت میں آپ کو اپنے مکان سے قبرستان تک ایک سفر کرنا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ایمان والوں کے کاندھے پر آپ جارہے ہیں۔ دیکھئے نہلایا جارہا ہے، مگر دوسرے نہلا رہے ہیں۔ کفن پہنایا جارہا ہے، مگر دوسرے پہنا رہے ہیں۔ الغرض ایمان والوں کے کاندھے پر آپ وہاں پہنچ رہے ہیں۔ عزت واحترام کے ساتھ آپ کو اتارا جارہا ہے۔ تو میں یہ سوچنے لگا کہ یہ قبر کی منزل ہے۔ جب یہاں یہ انسان ڈائرکٹ نہیں آرہا ہے، تو یہ خدا تک ڈائرکٹ کیسے پہنچے گا؟

میں یہ دکھانا چاہتا تھا کہ یہ مسئلہ کتنا واضح ہے، مگر لوگ آج کہتے ہیں کہ دلیل دو۔

ڈائرکٹ سفر کرنے کا ایک آسان روٹ

میں اپنے صدر باوقار سے ایک التماس کروں گا کہ وہ مجھے اس بات کی اجازت دیں۔ میں نے ڈائرکٹ سفر کا ایک روٹ نکالا ہے۔ وہ سمجھادوں، بھئی! محنت کریں گے، تو کیا نہیں ملے گا۔ ڈائرکٹ سفر کا ایک روٹ میں نے نکال ہی لیا۔ وہ کیا ہے؟ سنو، مگر ڈائرکٹ سفر کا روٹ ہے، جو خدا تک پہنچنے والا نہیں ہے۔ میں صرف سفر کی بات کررہا ہوں۔ ایک سفر ایسا ہوتا ہے جو ڈائرکٹ ہوتا ہے۔ آپ کہیں گے بھئی! وہ کونسا سفر ہے؟ دیکھو جی نیچے سے جو اوپر آیا تھا، وہ زینے کے واسطے سے آیا۔ زینے کا واسطہ

نہ ملتا، تو ہو سکتا ہے کہ وہ رسّی پھینکتا اور رسّی کے واسطے سے آتا۔ کسی کے کاندھے کے واسطے سے آتا، ہیلی کا پٹر پر اڑ کر کے آتا۔ الغرض نیچے سے اوپر آنے والا بے چارہ واسطہ اختیار کرنے پر مجبور رہے۔ اگر وہ یہ چاہے کہ بغیر واسطہ وہ نیچے سے اوپر آجائے تو کبھی نہیں آسکتا۔ بہت مجبور ہے۔ ان کی لاچاری پر رحم آتا ہے۔ ان کی بے کسی پر رحم آتا ہے۔ اگر کوئی صاحب اوپر ہوں اور انہیں وہیں سے دھکیل دو تو وہ ڈائرکٹ نیچے چلے جاتے ہیں۔ نہ زینے کی ضرورت ہے نہ رسّی کی ضرورت ہے۔ نہ ہیلی کا پٹر کی ضرورت ہے، نہ کسی اور کی ضرورت ہے۔ یہ بھی ایک سفر ہے جو ڈائرکٹ ہوتا ہے۔ تو اب بھی اگر کوئی کہے کہ سنو میں واسطے سے سفر کر رہا ہوں۔ سمجھ لینا کہ نیچے سے اوپر جا رہا ہے، اس لیے کہ نیچے سے اوپر بغیر واسطہ کے کوئی جا ہی نہیں سکتا۔

اگر کوئی کہے میں تو ڈائرکٹ سفر کر رہا ہوں، تو اس کو بھی جھٹلانے کی ضرورت نہیں۔ ٹھیک کہہ رہا ہے۔ وہ یقیناً اوپر سے نیچے جا رہا ہے۔ یہاں یہ ذہن نشین رہے کہ جو نیچے سے اوپر جا رہا ہے، اس کی آخری منزل اعلیٰ علیین ہے اور جو اوپر سے نیچے آ رہا ہے۔ اس کی آخری منزل اسفل السافلین ہے۔ منزل بدل گئی۔ سفر کا انداز بدل گیا۔

اعلیٰ علیین عالمِ برزخ میں سب سے اونچے درجے کا نام ہے اور اسفل السافلین عالمِ برزخ کے جہنم کے سب سے نیچے درجے کا نام ہے۔

دیکھو ایک مرتبہ ایک عجیب بات ہوئی۔ نیچے سے اوپر ایک صاحب نیچے سے اوپر چلے۔ وہ جا ہی رہے تھے کہ ایک آواز آئی، کہاں جا رہے ہو مت جاؤ۔ ایک صاحب روکنے لگے مت جاؤ۔ نہیں نہیں صاحب میں تو جاؤں گا۔ یہ کہہ کر وہ آگے بڑھنے لگے۔ اس پر وہ روکنے والے دامن کھینچنے لگے۔ الغرض وہ آگے بڑھتے رہے اور یہ قدم پکڑتے رہے تو معلوم ہوا کہ یہ جو ان ڈائرکٹ سفر کر رہے ہیں، ان کی راہ میں رکاوٹ بہت ہے۔ ایک قدم بڑھایا اجمیر کی طرف ــــ آواز آئی مت جاؤ۔ خواجہ محبوب الٰہی کی طرف ــــ، مت جاؤ۔

سرکار لاہوری کی طرف بڑھے، مت جاؤ۔ خواجہ اجمیری کی طرف چلے، مت جاؤ۔ سرکار بغداد کی طرف چلے، مت جاؤ۔ معلوم ہوا کہ نیچے سے اوپر جو جا رہے ہیں اور زینے سے جا رہے ہیں ان کے لیے رکاوٹ بہت ہے۔ جگہ جگہ رکاوٹ ہے، مگر دوستو جب ایک شخص اوپر سے نیچے جا رہا تھا تو کوئی نہیں کہہ رہا تھا کہ مت جاؤ۔ نہ کسی نے دامن پکڑا نہ ہاتھ تھاما، نہ بازو پکڑا۔ ارے کوئی تو جاتے اس کے ساتھ مہربانی بھی کرے۔

اسی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ خدا تک پہنچنے کا یہی راستہ ہے کہ بزرگوں کے واسطے پہنچا جائے اور اس صحیح راستے کو ابلیس خوب جانتا ہے۔ لہٰذا وہ رکاوٹ ڈالتا ہے کہ اگر یہ چلنے والا اسی راستے پر چلتا رہا تو یقیناً خدا تعالیٰ تک پہنچ جائے گا اور جو چھوڑ کے جا رہا ہے انہیں ابلیس نے بھی چھوڑ دیا۔ جاؤ کہاں جاؤ گے؟ وہیں تو جا رہے ہیں جہاں ہمیں بھیجنا تھا۔

وسیلے کی قسمیں

دیکھا آپ نے خدا تعالیٰ تک بغیر وسیلہ نہیں پہنچ سکتے۔ یہ مسئلہ کتنا واضح اور روشن مسئلہ ہے۔ مگر کتنے غضب کی بات ہے کہ آج اسے دلیل کی روشنی میں سمجھانے کی ضرورت پڑ رہی ہے۔ دیکھتے صاحب ایک ایک چیز اور خود انسان اسباب و وسائل میں بالکل جکڑا ہوا ہے۔ آؤ غور کرو کہ میں نے جس آیتِ کریمہ کی تلاوت کا شرف حاصل کیا ہے۔ اس میں وسیلہ کا لفظ آیا ہے۔ پہلے یہ سمجھیے کہ وسیلے کے لیے کتنی باتیں ضروری ہیں۔ تو اس کے لیے تین باتیں ضروری ہیں۔ ایک وہ ہے جس کی بارگاہ میں وسیلہ بنایا جائے۔ دوسرا وہ جو وسیلہ بنائے اور تیسرا وہ ہے جس کو وسیلہ بنائے۔ اب غور کیجیے حضرت مولانا محمد بشیر صاحب کو میں نے وسیلہ بنایا تو یہ ہو گئے وسیلہ اور میں ہوا وسیلہ چاہنے والا۔ اور جس کی بارگاہ کا میں نے انہیں وسیلہ بنایا وہ بارگاہ وہ ہے جس میں وسیلہ بنایا، تو تین ہوتے کہ نہیں۔ یہ بھی خیال رہے کہ وسیلہ بنانے کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ جس کی بارگاہ میں وسیلہ بنایا جا رہا ہے، وہ بارگاہ ہماری نگاہ میں عظیم ہے۔ جہاں ہم جانے کی اپنے اندر صلاحیت نہیں پا رہے ہیں یا کوئی اور وجہ ہو جو ڈائرکٹ

حاضری میں رکاوٹ ڈالتی ہو۔

مثال کے طور پر ایک بادشاہ ہے اور ہم اس کے نافرمان ہیں، تو نافرمان ہونے کی وجہ سے ہمیں خوف لگے گا ناکہ اگر بادشاہ سے کچھ ہم کہنے جاتیں تو نافرمانی کی بنیاد پر کہیں وہ عتاب نہ نازل فرمائے، تو ہم کیا سوچیں گے کہ بادشاہ کے پاس جانا یہ تو ہمارے بس کی بات نہیں ہے۔ چلو کسی ایسے سے ملا جائے جس کو بادشاہ بہت چاہتا ہو۔ جس کی بات بادشاہ رد کرنا پسند نہ فرماتا ہو۔ تو ہم نے سوچا یہ فلاں وزیرِ اعظم ہیں۔ چلو ان سے ملا جائے۔ مگر سوچا ان سے بھی تو کوئی راہ و رسم نہیں ہے۔ اچھا تو کسی ایسے کو تلاش کرو، جس سے ہمارا تعلق ہے اور اس کا وزیرِ اعظم سے تعلق ہے۔ اب اس تلاش میں ہو سکتا ہے کہ لائن لمبی لگ جاتے اور ہو سکتا ہے کہ وہی ایک آدمی سے کام چل جاتے، مگر یہاں ایک ایسے کی تلاش ہے جو ہمارے گناہوں اور جرموں سے نظر ہٹائے اور ہم جس کے گنہ گار ہیں، اس کی بارگاہ میں سفارش کرے۔ یہ درست ہے کہ ہم جس کی بارگاہ کے گنہ گار ہیں، اس کے رحمان و رحیم ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ اس کی رحمت کی کوئی انتہا نہیں۔ مگر وہ قہار و جبار بھی ہے، اس کے قہر و جبر کی بھی کوئی انتہا نہیں، لہٰذا ہمیں کسی ایسے کی تلاش ضرور کرنی پڑے گی جو ایسا رحیم و کریم ہو کہ ان جرموں اور گناہوں کے باوجود ہمیں اپنے دامن میں پناہ دینے کے لیے تیار ہو، راضی ہو اور صرف اتنا ہی نہیں، بلکہ اس کا اعزاز بارگاہِ خداوندی میں اتنا ہو کہ جب وہ کچھ کہے تو رب تبارک و تعالیٰ کا فضل اسے راضی کر دے، تلاش کرو۔ تلاش کرنا پڑے گا۔ تو ایک بیچ والے کی تلاش ہمیشہ رہتی ہے۔ جس کا تعلق اِدھر سے بھی ہو، اُدھر سے بھی ہو۔ معلوم یہ ہوا کہ راہ و رسم بنانے میں چاہے کئی منزلیں کیوں نہ ہو جائیں، مگر اس کے بغیر چارہ نہیں۔ دیکھو صحابہ کرام نے رسولِ پاک کو راضی کیا۔ تابعین نے صحابہ کو راضی کیا۔ تبع تابعین نے تابعین کو راضی کیا۔ ائمہ مجتہدین نے ان کو راضی کیا تو یہ سلسلہ چلا آ رہا ہے۔ ایسے ہی تیرہ صدیاں گزر گئیں، تو اب لائن تو لمبی ضرور ہو جاتے گی، مگر ہمیں اس سلسلہ رحمت کی کسی ایک کڑی سے واسطہ قائم کرنا پڑے گا، رابطہ قائم کرنا پڑے گا۔ نسبت قائم کرنی پڑے گی،

اس لیے کہ اگر ہم نے ان سے کوئی نسبت قائم نہیں کی، تو پھر سفارش کس بنیاد پر کریں گے ؟ کیوں سفارش کریں گے ؟ بس میں یہی عرض کر رہا تھا کہ کم سے کم تین کی ضرورت ہے۔ ایک ہے سفارش کرانے والا اور ایک وہ ہے جو سفارش کرے اور ایک وہ ہے جس کی بارگاہ میں سفارش کی جائے۔ تو جب ہم خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں کوئی وسیلہ بنائیں گے، تو بتاؤ خدا کی بارگاہ میں خدا تعالیٰ ہی کو وسیلہ بنائیں گے ؟ آپ کہیں گے نہیں۔ خدا تعالیٰ وہ ہے جس کی بارگاہ میں وسیلہ بنائیں۔ مثلاً رسول وہ ہیں جس کو ہم نے وسیلہ بنایا۔ ہم وہ ہیں جو وسیلہ بنانے والے ہیں۔ چلیے رسول کو نہ بنائیے۔ آپ اپنے عمل کو بنائیے اور کہہ دیجئے کہ ہمارا عمل ہمارا وسیلہ ہے۔ ہماری نماز وسیلہ ہے۔ ہمارا حج وسیلہ ہے۔ ہمارا روزہ وسیلہ ہے۔ ہمارے اعمال خیر و خیرات وسیلہ ہیں۔ ہمارا زکوٰۃ دینا وسیلہ ہے۔ ہمارے نیک اعمال وسیلہ ہیں۔ بہرحال ٹھیک ہے۔ ہم اس وقت یہ نہیں کہہ رہے ہیں آپ کس کو وسیلہ بنائیں، مگر اتنا تو یقین کے ساتھ معلوم ہو گیا کہ چاہے تم کسی کو بھی وسیلہ بناؤ، مگر وہ وسیلہ خدا نہیں، بلکہ غیر خدا ہی ہے۔ اسلام کو وسیلہ بناؤ تو اسلام کا نام خدا نہیں ہے۔ نماز کو وسیلہ بناؤ تو نماز بھی خدا نہیں ہے۔ روزہ کو وسیلہ بناؤ تو روزہ بھی خدا نہیں ہے۔ حج کو وسیلہ بناؤ تو حج بھی خدا نہیں ہے۔ زکوٰۃ کو وسیلہ بناؤ تو زکوٰۃ بھی خدا نہیں ہے۔ اعمالِ خیر و خیرات کو وسیلہ بناؤ تو یہ بھی خدا نہیں ہے۔ کسی انسان کو وسیلہ بناؤ تو یہ بھی خدا نہیں ہے۔ کسی بزرگ کو وسیلہ بناؤ تو یہ بھی خدا نہیں ہے۔ کسی پیغمبر کو وسیلہ بناؤ تو یہ بھی خدا نہیں ہے۔ وسیلہ تو تمہیں بنانا ہے جس چیز کو چاہو بنالو۔ مگر بہرحال یہ بات یقینی ہے کہ وسیلہ غیر خدا ہی ہے خدا نہیں ہے۔ بہت ہی صاف بات ہے، بہت ہی روشن بات ہے۔ اچھا ہم تھوڑے ہی یہ ضد کر رہے ہیں کہ ہم جس کو وسیلہ بناتے ہیں، آپ بھی اسی کو بنائیے۔ ہم کہتے ہیں کہ جس کو بھی چاہو بناؤ۔ اپنی سمجھ کے مطابق اپنی دانائی کے مطابق، مگر وسیلہ تو غیر خدا ہی ہوگا۔ جب وسیلے کی تشریح شروع ہوگئی تو کسی نے کہا وسیلے سے مراد اسلام ہے۔ وسیلے سے مراد محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی ہو سکتے ہیں۔ وسیلے سے مراد صحابہ کرام ہیں۔ وسیلے سے مراد اہل بیت ہیں۔

وسیلے سے مراد علمائے ملتِ اسلامیہ ہیں۔ وسیلہ سے مراد اولیائے کرام ہیں۔ وسیلہ سے مراد اعمالِ صالحہ ہیں۔ تو اب وسیلے سے مراد اسلام ہو، چاہے اعمالِ صالحہ ہوں، چاہے بزرگانِ دین ہوں، چاہے اہلِ بیت ہوں، چاہے صحابہ ہوں، چاہے ائمہ مجتہدین ہوں، چاہے سلف صالحین ہوں۔ الغرض آپ نے جس کو بھی وسیلہ بنایا وہ غیرِ خدا ہی ہوگا۔ وسیلہ کیا کرتا ہے۔ وسیلہ کا کام کیا ہے؟ تو وسیلہ سفارشی ہوتا ہے۔ تو اب اگر کوئی اس طرح کا عقیدہ بنائے کہ غیرِ خدا کو وسیلہ و سفارشی نہیں بنایا جا سکتا، تو میری سمجھ میں نہیں آتا وہ وَابْتَغُوْٓا اِلَیْهِ الْوَسِیْلَةَ کا کیا ترجمہ کرے گا اور کیا مطلب بتاتے گا۔

وسیلہ قرآن عظیم میں

رب تبارک و تعالیٰ کہہ رہا ہے کہ اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔ وسیلہ سے کیا مراد ہے۔ اس سلسلے میں میں نے اقوالِ مفسرین آپ کے سامنے رکھ دیے۔ مگر تمام مفسرین کے کلام کو دیکھنے کے بعد جو معنی میرے ذہن میں آیا ہے۔ اب اسے عرض کر رہا ہوں۔ اس آیتِ کریمہ کے الفاظ پر غور کرو۔ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ۔ اے وہ لوگ جو ایمان لا چکے۔ تو معلوم ہوا خطاب ہے ایمان والوں سے۔ اب وسیلے سے مراد ایمان نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ اگر وسیلہ سے مراد ایمان ہوتا تو پھر اسے تلاش کرنے کا حکم ایمان والوں کو نہ دیا جاتا، بلکہ اس صورت میں خطاب ان سے ہوتا جو ایمان سے خالی ہیں۔ اس لیے کہ جو ایمان لا چکا تو اب وہ ایمان کیا تلاش کرے۔ الغرض اس آیت میں وسیلے سے مراد ایمان نہیں ہو سکتا۔ وَاتَّقُوا اللّٰهَ۔ اللہ سے ڈرو۔ اللہ سے ڈرنے کا کیا مطلب ہے؟ ہر وقت کانپتے رہو، ہر وقت لرزتے رہو۔ نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس کی نافرمانی مت کرو اور اس کے احکام کی اطاعت کرو۔ یہی تو تقویٰ ہے نا۔ تو دیکھو وَاتَّقُوا اللّٰهَ میں تقویٰ میں سارے اعمالِ صالحہ آ گئے۔ کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ کوئی عمل نہ کرے اور متقی ہو جائے، تو تقویٰ میں اعمال آ گئے — المختصر یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا میں ایمان آ گیا وَاتَّقُوا اللّٰهَ میں اعمال آ گئے اور جَاهِدُوْا فِیْ سَبِیْلِهٖ۔

میں جہاد آگیا۔ اس طرح جہاد کا ذکر بھی الگ دیا گیا۔ تو اب وسیلہ کا معنی بتاؤ اور ایسا معنی جو نہ ایمان ہو نہ اعمال ہوں، نہ جہاد ہو۔ اس لیے کہ ان سب کا ذکر تو الگ الگ ہو ہی چکا ہے، تو اب بتاؤ وسیلے سے کیا مراد ہے؟ تو یہی کہو گے کہ اٰمنوا میں ایمان کا ذکر آگیا۔ تقویٰ میں اعمال کا ذکر ہو گیا اور جَاهِدُوْا میں جہاد کا ذکر ہو گیا۔ اب وسیلے سے مراد ایمان نہیں ہے، جانِ ایمان ہے۔ یعنی ایمان کا دینے والا ہے۔

الغرض ظاہر ہو گیا کہ یہاں وسیلے سے مراد جانِ ایمان یعنی ایمان کا دینے والا ہے۔ وسیلے سے مراد اعمال صالحہ کی تعلیم دینے والا ہے۔ اعمالِ صالحہ کو سکھانے والا ہے۔ وسیلے سے مراد جہاد کا ڈھنگ بتانے والا ہے۔ اور بولو وہ کون ہیں تو یہی تو جواب ہو گا کہ وہیں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم وَابْتَغُوْا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ کا معنی اب یہ ہو گیا کہ اے ایمان والو! تقویٰ والو تم ایمان لائے بہت اچھا کیا تم نے تقویٰ کی زندگی اختیار کی بہت بہتر کیا۔ تم نے جہاد اپنا لیا بہت اچھا کیا۔ مگر اب سب کچھ کر کے رسول کو وسیلہ بنا بھی لو تاکہ بارگاہِ قرب تک پہنچ بھی سکو۔

حیاتِ رسول کی قسمیں

اچھا یہ تو آیت کا مطلب ہو گیا اور یہ مطلب میں یوں ہی نہیں بتا رہا ہوں۔ بلکہ رسول کو وسیلہ بتایا گیا اور آپ سے توسل کیا گیا۔ اس کی تفصیل میں جانے سے پہلے یہ ذہن نشین فرمالیجیے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیات کی تین قسمیں ہیں۔ پہلی ہماری نگاہوں میں آنے سے پہلے کی زندگی، دوسری جب ہمارے پاس تشریف لے آئے، اُس وقت کی زندگی۔ اور تیسری جب نگاہوں سے روپوش ہو گئے اس وقت کی زندگی۔ تین زمانے ہو گئے نا۔ زمانے کی تقسیم کرلیں۔ ایک زمانہ جبکہ نورِ محمدی نے ابھی جامۂ بشریت نہیں پہنا تھا۔ دوسرا زمانہ وہ جبکہ نورِ محمدی جامۂ بشریت پہن کر بشر کی اور انسانوں کی ہدایت کے لیے ہماری نگاہوں کے سامنے آیا۔ یہ ترسٹھ سالہ زندگی پر مشتمل ہے اور تیسرا زمانہ وہ جبکہ ہماری نگاہوں سے سرکار روپوش

ہو گئے تھے تو میں ہر ہر زمانے کو الگ کر کے بتاؤں کہ ہر زمانے میں رسول کو وسیلہ بنایا گیا اور اب اس کے بعد چوتھا زمانہ تمہیں ملے گا ہی نہیں کہ وسیلہ نہ بناؤ۔

اب دیکھو ابھی میرے رسول کا ظہور بھی نہیں ہوا ہے۔ نورِ مصطفےٰ ابھی جامۂ بشریت میں نہیں آیا ہے۔ پہلے کا حال سُنیں سیدنا آدم علیہ السلام سے ایک بھول ہو گئی۔ اس بھول کو شریعت کی زبان میں زلّت کہا گیا ہے۔ اس زلت کو یاد رکھنا، اس کو ضلالت نہ کہنا۔ اس کو گمراہی نہ کہنا۔ زلت جانتے ہو کیا ہے؟ بلا ارادہ بلا قصد اگر کوئی بھول ہو جائے، تو وہ زلت ہے جس کو کہتے ہیں پھسل جانا۔ ہمارے یہاں کہتے ہیں پھسل گئے۔ کیا مطلب؟ آپ دریا کے کنارے چل رہے تھے ٹہلنے کے لیے، پھسل کے دریا میں چلے گئے۔ تو کیا یہ کہا جائے گا کہ غسل کا ارادہ تھا؟ اور اگر یہی عمل غسل کے ارادے سے ہوتا تو بات کچھ اور ہوتی۔ مگر بلا قصد و ارادہ ہوا، لہٰذا اسے زلت کہا جائے گا۔ اور حضرت آدم علیہ السلام تو خود بھی نہیں پھسلے۔ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ شیطان نے پھسلا دیا۔ اس کو ایسا سمجھیے کہ راستہ تو اچھا تھا، صاف تھا، ایک صاحب نے اسے چکنا بنا دیا کہ ادھر ہی سے قاری اسماعیل صاحب روز گزرتے ہیں۔ آج گزریں تو پھسل جائیں۔ ہوا بھی ایسا ہی قاری صاحب ادھر سے گزرے اور پھسل گئے۔ تو اب اس وقت کیا کہا جائے گا یہی نا کہ پھسلے تو قاری اسماعیل، مگر فلاں نے پھسلا دیا، جس نے راستے کو چکنا بنا دیا، جس نے پھسلنے کے اسباب پیدا کر دیئے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے ندامت و شرم کے مارے آسمان پر نظر اٹھانا چھوڑ دیا۔ ع

جن کا رتبہ ہے سوا ان کو سوا مشکل ہے

وہ بڑے مرتبے والے ہیں۔ یاد رکھو سیدنا آدم علیہ السلام کی طرف جس زلت کا انتساب کیا گیا ہے وہ ان کے مقام اور ان کی منزل کے اعتبار سے ہے۔ اس لیے کہ جس کو ان کے لیے زلت کہا گیا ہے، وہ تمہارا بڑے سے بڑا متقی بھی نہیں کر سکتا۔ اچھی طرح سے اس بات کا خیال رہے

ع جن کا رتبہ ہے سوا ان کو سوا مشکل ہے

خیر انہوں نے دُعا کی۔ مختصراً عرض کروں گا۔ واقعہ نگاری نہ کروں گا۔ دعا میں انہوں نے میرے رسول کا واسطہ دیا اور کہا الٰہ العالمین، اے اللہ کریم میں اس کی ذات کا وسیلہ دے کر معافی اور مغفرت چاہتا ہوں جس کا نامِ نامی اسمِ گرامی محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہے۔ اے اللہ! مجھے معاف فرما دے بحق محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)،

سوال ہوا؟ - یہ حدیث جو ہے حاکم و بیہقی، دونوں نے حضرت سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے، اسے بھی یاد رکھیے گا۔ تو رب تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اے آدم! تونے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کو کیسے جان لیا؟ تو حضرت آدم علیہ السلام نے معروضہ پیش کیا کہ اے الٰہ العالمین جہاں میں نے دیکھا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ - وہاں پایا مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ عرش کے پائے پر، عرش کے سینے پر، جنت کے اوراق پر، جنت کے دروازوں پر، حوروں کی آنکھوں پر۔ تو میں نے سمجھ لیا کہ یقیناً یہ کوئی محبوب بندہ ہے جس کے نام کو تونے اپنے نام کے ساتھ لگا لیا ہے۔ تو رب تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

صَدَقْتَ يَا آدَمُ اِنَّهٗ لَاَحَبُّ الْخَلْقِ اِلَیَّ اِمَّا اِذَا سَاَلْتَنِیْ بِحَقِّهٖ فَقَدْ غَفَرْتُ لَكَ وَلَوْلَا مُحَمَّدٌ مَا خَلَقْتُكَ وَمَا غَفَرْتُكَ۔

اے آدم تونے صحیح کہا جس کا تونے وسیلہ دیا ہے، وہ تمام مخلوق میں میرے نزدیک بہت زیادہ محبوب ہے اور جب تونے سوال کر دیا ہے تو اس کے وسیلے سے میں نے تجھے معاف کر دیا۔ اور اے آدم سنو اگر ان کو پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا تو میں تجھے پیدا ہی نہ کرتا۔ معافی کا سوال کیا تھا؟

رسول کے میلاد سے اختلاف

لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الْاَفْلَاكَ۔ اے محبوب اگر تجھے پیدا کرنا نہ ہوتا، تو میں افلاک کو پیدا نہ کرتا۔ لَوْلَاكَ لَمَا خَلَقْتُ الدُّنْيَا۔ اے محبوب! اگر تجھے پیدا کرنا نہ ہوتا تو میں دنیا ہی کو پیدا نہ کرتا — اسی لیے میں کہتا ہوں دوستو رسول کا میلاد مقصود تھا۔

اس لیے زمین کا فرش بچھا دیا۔ رسول کا میلاد مقصود تھا، اس لیے آسمان کا شامیانہ لگا دیا۔ رسول کا میلاد مقصود تھا، اس لیے چاند سورج کے چراغ جلا دیئے۔ رسول کا میلاد مقصود تھا، اس لیے ستاروں کی قندیلیں روشن کر دیں۔ رسول کا میلاد مقصود تھا، اس لیے آبشار کے نغمے جاری کر دیئے۔ رسول کا میلاد مقصود تھا، اس لیے دریا کو رواں دواں کر دیا۔ یہ گردشِ لیل و نہار کس لیے ہے؟ یہ کائنات کے نقش و نگار کس لیے ہے؟ یہ سب رسول کے میلاد کے لیے جبھی میں عرض کرتا ہوں زمین بھی میلاد والی ہے۔ یہ آسمان بھی میلاد والا ہے۔ یہ چاند سورج بھی میلاد والے ہیں۔ اب اگر کسی کو رسول کے میلاد سے اختلاف ہو تو کم سے کم اس میلاد والی زمین کو چھوڑ دے۔ اس میلاد والے آسمان کو چھوڑ دے۔

تو سیدنا آدم علیہ السلام نے وسیلہ بنایا۔ یہ اس عہد کی بات ہے کہ ابھی نورِ محمدی جامۂ بشریت میں نہیں آیا تھا، سیدنا آدم نے وسیلہ بنایا۔ سیدنا امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ خود ہی اپنے قصیدۂ نعمانیہ کے اندر تشریح پیش کر رہے ہیں، اَنْتَ الَّذِیْ لَمَا تَوَسَّلَ اٰدَمُ مِنْ زَلَّۃٍ بِكَ فَازَ وَهُوَ اَبَاكَ۔ اے اللہ کے رسول آپ کی شان وہ ہے کہ سیدنا آدم علیہ السلام نے آپ کو اپنی مغفرت کا وسیلہ بنایا۔ درآں حالیکہ وہ آپ کے بظاہر باپ، مگر انہوں نے آپ کو وسیلہ بنایا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف فرما دیا اور ان کی مغفرت فرما دی۔ وَبِكَ الْخَلِيْلُ دَعَا فَعَادَتْ نَارُهٗ بَرْدًا وَقَدْ خَمَدَتْ بِنُوْرِ بَهَاكَ۔ اے اللہ کے رسول حضرت خلیل (علیہ السلام) کے اوپر جو آتش کدہ نمرود گُل کدہ بن گیا۔ اس کی وجہ آپ کا نور تھا جو پیشانئ ابراہیم علیہ السلام میں چمک رہا تھا۔

دیکھو آگ اس لیے جلاتی تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السّلام کو خاکستر کر دیا جاتے، مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اطمینان پر قربان ہو جاؤ ؎

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

آج فیصلہ ہوگیا۔ ادھر نار کے شعلے اٹھ رہے ہیں اور ادھر نورِ محمدی کو لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام جا رہے ہیں۔ نار و نور کا جھگڑا شروع ہوگیا اور قدرت نے فیصلہ کر دیا کہ ساری دنیا نار بن جائے اسے گلزار کرنے کے لیے ایک نور کافی ہے۔

وَدَعَاكَ اَيُّوْبُ لِضُرٍّ مَسَّهٗ فَاُزِيْلَ عَنْهُ الضُّرُّ حِيْنَ دَعَاكَ ۔

اور اے اللہ کے رسول! حضرت ایوب علیہ السلام پر جب پریشانی آئی تھی تو انہوں نے بھی آپ کے وسیلے سے دُعا کی تھی۔ یہ کس کے اشعار ہیں؟ یہ امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اشعار ہیں۔ ان کے شعر کو، شعر و شاعری نہ سمجھنا، وہ تو احادیث کا ترجمہ کر رہے ہیں۔ تو خیر دوسرا کچھ کہے۔ کم سے کم حنفی کو تو ماننا ہی پڑے گا۔

گزشتہ اُمتوں کا دستور

وَكَذَاكَ مُوْسٰى لَمْ يَزَلْ مُتَوَسِّلًا
بِكَ فِي الْقِيَامَةِ يَحْتَمِيْ بِحِمَاكَ

اور اے اللہ کے رسول! حضرت موسیٰ (علیہ السلام) بھی ہمیشہ آپ کا وسیلہ پکڑتے رہے ہیں اور قیامت میں بھی وہ آپ کی حمایت کے طلبگار رہوں گے۔

اور یہی بات نہیں ہے دوستو! امت کا بھی یہی حال تھا۔ مجھے یاد پڑ گئے حضرت عبداللہ ابن عباس۔ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے ایک پیاری بات کہی ہے۔ یہ صحابی رسول ہیں۔ میں آج کے کسی انسان کی بات نہیں کر رہا ہوں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

لَمْ تَزَلِ الْاُمَّةُ تَتَبَاشَرُ بِهٖ وَتَسْتَفْتِحُ بِهٖ حَتّٰى اَخْرَجَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِيْ خَيْرِ اُمَّةٍ وَفِيْ خَيْرِ قَرْنٍ وَفِيْ خَيْرِ اَصْحَابٍ وَفِيْ خَيْرِ بَلَدٍ۔

یعنی پہلے جتنی امتیں تھیں، ان کا دستور یہ تھا، ان کا طریقہ یہ تھا کہ دشمنوں پر کامیابی میرے رسول کے واسطے سے مانگا کرتی تھیں اور یہ سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ رسول سب سے اچھی امت میں، سب سے اچھے زمانے میں، سب سے اچھے اصحاب میں، سب سے اچھے شہر میں مبعوث فرمائے گئے۔ یہاں پھر احادیث کے الفاظ یہ بھی بتا رہے تھے کہ یہودیوں کے مانگنے کا انداز کیا تھا۔ کوئی تو یوں کہتا،

اَللّٰھُمَّ انْصُرْنَا عَلَیْھِمْ بِالنَّبِیِّ الْمَبْعُوْثِ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ الَّذِیْ نَجِدُ صِفَتَهٗ فِی التَّوْرَاةِ۔ اے اللہ! ہم کو کامیاب کر دے، ان دشمنوں پر غالب فرما دے اس نبی کے واسطے سے جو آخری زمانے میں مبعوث ہونے والے ہیں اور جن کی یہ یہ صفتیں ہم توراۃ میں پا رہے ہیں۔ توریت میں جن کے یہ یہ کمالات اور اوصاف مذکور ہیں، ان کے واسطے سے ہمیں غالب فرما دے۔

اور کوئی یوں کہتا اَللّٰھُمَّ اِنَّا نَسْتَنْصِرُكَ بِالنَّبِیِّ الْاُمِّیِّ اَنْ تَنْصُرَنَا عَلَیْھِمْ۔ اے اللہ تجھ سے ہم نصرت طلب کر رہے ہیں، اس نبی امی کے واسطے سے تو ہمیں ان کافروں پر غالب فرما دے۔

تو دیکھو انبیاء اور انبیاء کا کلمہ پڑھنے والے سبھی دعائے نصرت کر رہے ہیں میرے رسول کے وسیلے سے۔ ثابت ہو گیا کہ پہلے زمانے میں اور پہلے عہد میں رسول کو وسیلہ بنایا گیا۔ قرآن بھی اس پر شاہد ہے۔ قرآن نے بھی وضاحت فرما دی ہے، پہلے کی امت طلب فتح و نصرت نبی کے واسطے سے کیا کرتی تھی۔ میں اس مقام پر پہنچا تو سوچنے لگا اے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ماننے والو ذرا یہ بتاؤ کلمہ تم پڑھتے ہو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُوْسٰی کَلِیْمُ اللّٰهِ۔ اور وسیلہ بناتے ہو آخری نبی کو۔ اے حضرت مسیح کے چاہنے والو کلمہ پڑھتے ہو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ عِیْسٰی رُوْحُ اللّٰهِ۔ اور وسیلہ بناتے ہو آخری نبی کو۔ اے حضرت خلیل علیہ السلام کے چاہنے والو کلمہ پڑھتے ہو لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اِبْرَاهِیْمُ خَلِیْلُ اللّٰهِ۔ اور وسیلہ بناتے ہو آخری نبی کو۔ تو امتی یہی کہیں گے ہمیں کیا معلوم۔ ہمارے نبی نے یہی بتایا ہے اور ہمیں یہی حکم دیا ہے۔

الغرض اس عہد میں میرے رسول کو وسیلہ بنایا گیا ہے، اس کے لیے کیا اتنی شہادتیں کم ہیں؟ انبیاء نے وسیلہ بنایا اور انبیاء کے علاوہ ان کے ماننے والے امتیوں نے اپنے نبی کے حکم سے میرے رسول کو وسیلہ بنایا۔ تو یہ ایک عہد آپ نے سمجھ لیا۔ اب دوسرا زمانہ آیا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس زمانے میں رسول کو وسیلہ بنایا گیا کہ نہیں؟ اس وقت یاد آ گئے حضرت عثمان ابن حنیف۔ حضرت عثمان ابن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے۔ خیال رہے کہ حضرت عثمان نام کے کئی صحابہ ہیں، مثلاً حضرت عثمان ابن عفان، حضرت عثمان ابن مظعون۔

اور یہ ہیں حضرت عثمان ابن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بارگاہ میں ایک نابینا آیا اور اس نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول آپ ہمارے لیے دعا کر دیجیے۔ یہ عرض کرنے والے بھی تو صحابیٔ رسول ہیں نا اور رسول کے پاس آئے ہیں۔ کیا ایمان لانے کے بعد ابھی تک یہ توحید نہیں سمجھے؟ ارے بھئی ٹھیک ہے بینائی کے لیے دُعا کرنی ہے تو کعبہ کیا دُور ہے؟ ارے دعا کرنے والے مسجد حرام میں جا کر دعا کرو۔ اے دعا کرنے والے مقامِ ابراہیم کے پاس دُعا کرو۔ صفا اور مروہ کی مقدّس چوٹی پر جا کر دعا کرو۔ مقاماتِ مقدسہ میں جا کر خدا تعالیٰ کو پکارو۔ مگر نہیں صحابیٔ رسول بارگاہِ رسالت میں آ رہے ہیں۔ حضور کا کام تو ہمارا ہے، مگر زبان آپ کی رہے۔ آپ دعا کیجیے۔ دیکھو وسیلہ بنا رہے ہیں کہ نہیں؟ سرکار نے ان سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں جس حال میں رکھا ہے، تمہارے لیے اسی میں بہتری زیادہ ہے۔ تم چاہو تو یہی حال اچھا ہے تمہارے لیے، اور ویسے چاہو تو پھر دعا بھی ہو سکتی ہے۔ تم کیا چاہتے ہو؟ کہا حضور مجھے راستہ دکھانے والا کوئی نہیں ہے۔ مسجد تک لانے والا کوئی نہیں ہے۔ سرکار میرے لیے آپ دعا فرما دیجیے۔ تو سرکار کے لیے یہ بھی آسان تھا کہ لعابِ دہن لگاتے ہی روشنی آ جاتی۔ سرکار کے لیے یہ بھی آسان تھا کہ آنکھوں پر ہاتھ رکھ دیتے تو روشنی آ جاتی۔ حضور جب حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نکلی ہوئی آنکھوں کو حلقۂ چشم میں رکھ کر آپ درست کر سکتے ہیں تو آپ ان کی آنکھوں کے ساتھ بھی ایسا سلوک فرما سکتے ہیں، لیکن اگر رسول لعابِ دہن لگا دیتے تو یہ ایک واقعہ بن کر ہمارے پاس آتا اور ہم رسول کے اختیار کے آگے سر جھکا دیتے۔ مگر ہمیں کیا ملتا؟ سرکار کو تو کچھ ہمیں بھی دینا تھا۔ اس لیے سرکار نے کہا اچھا ٹھیک ہے تو دعا چاہتا ہے، تو روشنی چاہتا ہے، تو جا خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں دو رکعت نماز پڑھ، اور نماز پڑھنے کے بعد یوں دعا کرنا۔ اب دُعا کے الفاظ پر غور کرو اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ وَاَتَوَجَّہُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحْمَۃِ۔ رسول تعلیم دے رہے ہیں: اے اللہ میں سوال کرتا ہوں تجھ سے اور متوجہ ہوتا تیری طرف۔ اس نبی کے صدقے سے سوال کر رہا ہوں۔ اس نبی کے وسیلے سے جن کا نام محمد ہے

(صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اور جو نبیِ رحمت ہیں، جو رحمت والے نبی ہیں، ان کے وسیلے سے۔ بات مکمل تھی، مگر ابھی دعا ختم نہیں ہوئی۔ کہا دیکھ اتنا کہنا اور یہ کہنے کے بعد پھر یہ کہنا، یَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ تَوَجَّھْتُ بِکَ اِلٰی رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ ھٰذِہٖ لِتَقْضِیْ لِیْ اَللّٰھُمَّ فَشَفِّعْہُ۔ جاؤ دو رکعت نماز پڑھو۔ کہاں پڑھیں ؟ مسجد میں پڑھو، چاہے گھر میں پڑھو۔ یہاں پڑھو، چاہے وہاں پڑھو۔ دو پڑھو اور پڑھنے کے بعد یہ دعا کرنا۔ میرے ہی سامنے پڑھو، یہ ضروری نہیں ہے، اسی لیے وہ پڑھنے والے حضور کے سامنے ہی پڑھنے نہیں لگے۔ حضور نے کہا جاؤ پڑھو اس کو، اور وہ وہاں سے چلے گئے اور ارشاد کے مطابق دو رکعت نماز پڑھی، پھر دُعا مانگی کہ اے اللہ میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ وَاَتَوَجَّہُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحْمَۃِ اور اس کے بعد یا محمد (اے محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) میں متوجہ ہوتا ہوں آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کی طرف —— ارے ابھی تو یا اللہ کہہ رہا تھا اور اسی دعا میں یا محمد کہنے لگا۔ کیا یا اللہ کہنا کافی نہیں تھا جو یا محمد کہنا پڑا اور اگر اس نے گھر سے پکارا ہوگا تو لفظ یا سے پکارا ہوگا۔ دور والے کو پکارا ہوگا اور یہ سمجھ کے پکارا ہوگا کہ سن رہے ہیں۔

کیا رسول کا وسیلہ ضروری ہے ؟

یا محمد! یہ کیوں کہا ؟ آج تو لفظ یا محمد سے لوگ گھبرا رہے ہیں، پریشان ہو رہے ہیں، لفظ یا نہ ہو۔ جیسے لفظ یا اژدہا ہے، جو نگل لے گا۔ یہ لوگ لفظ یا سے اتنا گھبرا رہے ہیں۔ مگر رسول نے تعلیم دی تھی کہ جہاں یا اللہ کہنا، اس کے بعد یا محمد بھی کہنا۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ وَاَتَوَجَّہُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ نَبِیِّ الرَّحْمَۃِ وَیَا مُحَمَّدُ اِنِّیْ تَوَجَّھْتُ بِکَ۔ ابھی دُعا کی طرف دھیان تھا اور اب رسول کو پکار رہا ہے۔ اے محمد! ہم آپ کے وسیلے سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہو گئے ہیں۔ اتنا کہنے کے بعد کیوں متوجہ ہوتے ہیں؟ اے رسول ہم اس لیے متوجہ ہوتے ہیں تاکہ میری یہ حاجت اور میری یہ ضرورت آپ کے صدقے میں اللہ تعالیٰ پوری فرما دے۔ لتقضی لی: تاکہ پوری کر دی جائے ہماری

ضرورت پھر اس کے بعد ابھی رسول سے اس سے باتیں ہو رہی تھیں نا پھر کیا اَللّٰھُمَّ فَشَفِّعْہُ۔ اے اللہ تو اپنے رسول کی سفارش کو میرے حق میں قبول فرمالے۔ ذرا دیکھئے تین رُخ ہو گئے۔ پہلا رخ اللھم دوسرا رُخ یا محمد تیسرا رُخ اَللّٰھم تین رُخ ہوئے نا۔ پہلے یا اللہ پھر یا محمد پھر یا اللہ ذرا غور کرو تین رُخ۔ ایک دعا میں تین خطاب۔ تین لفظ یَا۔ تو کیا بات ہے؟ یہ رسول کو خطاب کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ دعا کرنے کے لیے رسول کا وسیلہ مانگنے کے لیے یہ ضروری تھوڑی ہی ہے کہ رسول کو خطاب کرو۔ رسول کا وسیلہ یہ بھی تو ہے کہ اے اللہ! اپنے حبیبِ پاک کے صدقے میں میرے اس کام کو پورا کر دے۔ وسیلہ ہو گیا۔ مگر رسول کو خطاب کیوں کیا؟ سنو جی! یہ دعا نہیں ہے، ایک راز ہے جس کو صوفیا و مشائخ سمجھیں گے، اس لیے کہ جس وقت وہ اپنے خدا سے کہہ رہا ہے تو نبی کا واسطہ تو دے چکا۔ اب رسول کو مخاطب کر رہا ہے۔ اے رسول ہم بارگاہِ خداوندی میں معروضہ پیش کر چکے۔ اب آپ بھی اٹھائیے ہاتھ۔ اے سرکار ہم تو معروضہ پیش کر چکے، اب آپ بھی توجہ فرمائیے۔ اور جب توجہ کی بات ہو گئی، تو سرکار نے بھی اَللّٰھُمَّ فَشَفِّعْہُ کہنے کی تعلیم دے کر واضح ارشاد فرمادیا کہ دیکھو جب تم مجھ سے خطاب کرو گے تو میں خدا کی بارگاہ میں سفارش کروں گا اور جب میں ادھر سفارش پیش کروں تو تو خدا سے یہ عرض کر کہ اَللّٰھُمَّ فَشَفِّعْہُ۔ اَللّٰھُمَّ فَشَفِّعْہُ۔ اَللّٰھُمَّ فَشَفِّعْہُ۔ یعنی اے اللہ! میں نے اپنے رسول کو مخاطب کر کے ان کو سفارش کے لیے ہاتھ اٹھوا دیا ہے اور اب تو ان کی سفارش کو میرے حق میں قبول فرمائے۔

عاصی خدا کے رسول سے مغفرت

تو معنی یہ ہوا کہ جب تم رسول کو بلاؤ گے تو آپ کا دست کرم اٹھ جائے گا۔ تو بتاؤ یہ جو وسیلہ بنایا گیا۔ اچھا صاحب چلیے اور آگے چلیے۔ قرآن کریم میں ہے، وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْا اَنْفُسَھُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ۝ جنہوں نے اپنے نفس پر ظلم کیا تیری بارگاہ میں حاضر ہوتے اور آکر

خدا تعالیٰ سے دعائے مغفرت کرتے۔ مغفرت کرنی ہے خدا تعالیٰ نے اور آئیں رسول کے یہاں باریکیوں کی طرف ذہن کو لے چلو۔ بات بہت ہی علمی سطح کی ہے۔ نفسوں پر ظلم ہم نے کیسے کیا؟ یہی نا نماز نہیں پڑھی نفس پر ظلم کیا۔ روزہ نہیں رکھا نفس پر ظلم کیا۔ حج نہیں کیا نفس پر ظلم کیا۔ اپنے فرائض وواجبات ومؤکدات کو ادا نہیں کیا نفس پر ظلم کیا۔ اے نفس پر ظلم کرنے والو یہ بھی نفس پر ظلم کرنا ہے اور ان کے سوا بھی نفس پر ظلم کرنے کی بہت ساری صورتیں ہیں۔ مگر اے نفس پر ظلم کرنے والو! مغفرت چاہتے ہو، تو سنو گنہ گار تم خدا کے ہوئے، عاصی تم خدا کے ہوئے، مگر آؤ رسول کے یہاں۔ معافی یہاں مانگو، آؤ بارگاہِ رسول میں۔ اچھا بارگاہِ رسول میں آگئے، آکر کیا کریں؟ خدا سے مغفرت چاہو۔ ارے خدا تعالیٰ سے مغفرت چاہنے کے لیے یہیں آنا تھا۔ کیا ہمارے یہاں کی مسجد کافی نہیں ہے؟ کیا خانہ کعبہ کافی نہیں ہے۔ خدا تعالیٰ کے یہاں مغفرت چاہنے کے لیے یہیں آنا ہے کیا؟ ہاں یہیں آؤ۔ اچھا آگئے۔ اب خدا سے مغفرت چاہو، چاہا، مگر نہیں ابھی بات ختم نہیں ہوئی ہے۔ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ۔ رسول بھی تمہارے لیے دعائے مغفرت کریں۔ رسول بھی تمہارے لیے مغفرت کریں تو پھر کیا ہوگا لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا یعنی اگر تم دعائے مغفرت کرتے کرتے ناک رگڑتے رگڑتے پیشانی اور چہرے کو برابر کر دو اور رسول تمہارے لیے دعا نہ کریں تو خدا تعالیٰ تمہارے لیے تواب نہیں ہوگا۔ خدا تمہارے لیے رحیم نہ ہوگا، لہٰذا اے مغفرت کرانے والو! رسول سے ایسا رابطہ پیدا کرو کہ ادھر تمہارا ہاتھ اٹھے، ادھر رسول کا ہاتھ اٹھے۔

اور اس میں ایک نکتے کی بات یہ سمجھ آئی کہ سنو جی جو خدا تعالیٰ کا گنہ گار ہے، وہ رسول کا بھی گنہ گار ہے اور جو خدا کا مطیع ہے، وہ رسول کا بھی اطاعت شعار ہے تو جب تم گناہ دونوں کا کر رہے ہو، تو معافی بھی وہاں مانگو جو دونوں کا در ہو۔ کعبہ صرف خدا کا در ہے۔ طور خدا کی بارگاہ ہے۔ صفا اور مروہ پر خدا کا آستانہ، تو اب ایسی جگہ آؤ جو دونوں کی چوکھٹ ہو، مسجد حرام صرف خدا کا گھر ہے۔ مسجد نبوی صرف خدا کا گھر۔ کسی بھی مسجد میں چلے جاؤ صرف خدا کا گھر۔

مگر آؤ بارگاہِ مُصطفےٰ پر یہ رسول کا بھی در ہے اور رحمتِ خدا کا بھی در ہے کہ جب تم دونوں کے گنہ گار ہو تو معافی بھی دونوں سے مانگو۔

انڈیا اور پاکستان والے

جب تم وہاں خدا تعالیٰ سے معافی مانگو گے اور رسول ہاتھ اٹھا دیں گے تو ظاہر ہو جائے گا کہ انہوں نے اپنے گنہ گار کو معاف کر دیا جبھی تو ہاتھ اٹھایا اور جب یہ اپنے گنہ گار کو معاف کر دیں گے تو لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّابًا رَّحِیۡمًا۔ تو اللہ تعالیٰ بھی تمہارے لیے تواب ہوگا۔ تمہاری توبہ کو قبول کرے گا اور تمہارے لیے رحیم ہوگا۔ یہاں ایک نکتے کی طرف اور میں ذہن لے جاؤں بات آگئی تو عرض کر دوں وہ یہ کہ مدینے والوں کے لیے تو بڑا اچھا رہا کہ جب ظلم کریں گے، تو بارگاہِ رسالت میں پہنچ جائیں گے، مگر برطانیہ والے تو بڑی مشکل میں پڑ جائیں گے ظلم کرنے میں کمی نہیں اور بار بار پہنچنا کیسے ہو سکتا ہے؟ اور بیچارے انڈیا والے اور پاکستان والے تو پھنسے رہیں گے ظلم کی کوئی رفتار بے پناہ تیز، روزانہ ظلم ہوتا ہے۔ نہ جانے کیسے کیسے ظلم ہوتے ہیں۔ کس قدر بدعنوانیاں ہماری زندگی کے اندر ہیں، مگر بتاؤ بار بار ہم پہنچیں کیسے؟ کہ مغفرت ہو۔ تو میں اس کا جواب دیتا ہوں ؎

دل پہ دلدار کی ہر وقت نظر رہتی ہے
ان کی سرکار میں کچھ بھی نہیں نیت کے سوا

تم اگر رسول سے دور ہو تو تم نے رسول کو کیوں اپنے سے دور سمجھ لیا ہے؟ اگر دور سمجھو گے تو محروم رہو گے۔

اَلنَّبِیُّ اَوۡلٰی بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ مِنۡ اَنۡفُسِہِمۡ۔ نبی مومنین کی جان سے زیادہ قریب ہیں۔ تم چاہے اپنے کو دور سمجھو، مگر تمہارا نبی تمہاری جان سے زیادہ قریب ہے اور میاں یہاں تو دل کی دوری دیکھی جاتی ہے۔ اگر دل قریب ہے تو تم قریب ہو اور دل دور ہے تو تم بھی دور ہو۔ ابولہب اور میرے رسول کے گھر میں صرف ایک دیوار کا فرق تھا، مگر ابولہب

کتنا دور تھا میں سمجھا نہیں سکتا اور حضرت اویس قرنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یمن میں تھے مگر کتنے قریب یہ بھی میں سمجھا نہیں سکتا ؎

دل پہ دلدار کی ہر وقت نظر رہتی ہے
ان کی سرکار میں کچھ بھی نہیں نیت کے سوا

بارگاہِ رسول میں بُلانے کی حقیقت

ایک تو جواب یہ ہے جسے صوفیانہ جواب کہا جائے گا اور دوسرا جواب وہ ہے جسے عالمانہ اور محققانہ کہا جائے گا، جو عالموں کی صحبت کی برکت سے مجھے حاصل ہوا۔ دیکھو کیا کہا وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ اے رسول تیرے پاس آئیں۔ ہے کوئی ایسی لغت جو جَآءُوْكَ کا ترجمہ کعبہ کر دے جَآءُوْكَ تیرے پاس آئیں، مسجدِ نبوی میں؛ اس کا ذکر یہاں نہیں، مسجدِ حرام میں؛ نہیں، بلکہ جَآءُوْكَ یعنی تیرے پاس شدِ رحال کرنا پڑے گا ہر مغفرت چاہنے والے کو۔ یہ کیوں؛ رسول کے پاس کیوں بلایا؛ سوچو اگر مسجدِ حرام میں بلایا جاتا' بات ٹھیک تھی۔ اگر کعبہ میں بلایا جاتا جب بھی بات بن جاتی۔ اگر صفا مروہ پر بلایا جاتا تب بھی بات ٹھیک تھی۔ اگر مسجدِ نبوی میں بلایا جاتا جب بھی بات ٹھیک تھی، مگر مصیبت یہ تھی کہ اگر کعبے میں بلایا جاتا تو بغیر کعبہ گئے کام نہ بنتا۔ اگر مسجد حرام میں بلایا جاتا تو بغیر مسجد حرام گئے کام نہ بنتا۔ اگر کوہِ طور پر بلایا جاتا تو بغیر کوہ طور گئے کام نہ بنتا۔ اس لیے کہ کوہ طور کا کوئی جانشین نہیں ہے۔ کعبہ کا کوئی خلیفہ نہیں ہے۔ صفا مروہ کا کوئی وارث نہیں ہے۔ کوئی اس کا فرع نہیں ہے۔ کوئی اس کا خلیفہ اور جانشین نہیں ہے، مگر وہاں گئے بغیر کام نہیں بن سکتا، مگر یہاں تو رسول کے پاس بلایا جا رہا ہے جَآءُوْكَ۔ اے رسول تیرے پاس آئیں، تو اب بات سمجھ میں آگئی کہ دیکھو کعبہ کا کوئی خلیفہ نہیں ہے، مگر رسول کے نائبین سے دنیا بھری ہوئی ہے۔ رسول کے وارثین، رسول کے جانشین ہر ہر جگہ مرکزِ ہدایت بنے ہوئے ہیں۔ یہ اولیا، ملتِ اسلامیہ، یہ بزرگانِ دین رسول کے سچے نائب ہیں۔ تو ہمیں اشارہ یہ ملتا ہے کہ ارے نادان! اگر اصل تک پہنچنے کی توفیق نہ

ہو تو نائب سے کام بنا لے۔ یہ نائب ہیں، یہ جانشین ہیں، یہ وارث ہیں۔ ابھی ابھی اصل اور خلیفہ کی بات سمجھ میں آئی نہیں۔ کہتے ہیں وضو اصل ہے اور تیمم اس کا خلیفہ ہے کہتے ہیں نا؟ تیمم سے آپ کیا کام لیتے ہیں؟ جو کام وضو کا وہی کام تیمم کا۔ اگر وضو سے فرض پڑھتے ہیں تو تیمم سے بھی فرض پڑھو۔ اور اگر وضو سے نفل پڑھتے ہیں تو تیمم سے بھی نفل پڑھ سکتے ہو۔ وضو سے اگر قرآن کریم چھو سکتے ہیں تو تیمم سے بھی چھو سکتے ہیں۔ الغرض جو کام وضو سے، وہ کام تیمم سے جائز ہے۔ وضو سے امامت کر سکتے ہو، تیمم سے بھی کر سکتے ہو۔ تو جو کام اصل کو نہ پانے کے سبب حاصل نہ ہوگا، وہ کام آپ نے خلیفہ سے حاصل کر لیا۔ اصل ہیں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، اور خلفاء ہیں حضرت غوث جیلانی، سرکار لاہوری اور خواجہ اجمیری (رحمہم اللہ تعالیٰ) تو مطلب یہ ہوا کہ یہ رسول کے نائب ہیں اور رسول کے نائب ہونے کی حیثیت سے ان کا در، درِ رسول ہے اور وہاں جا کر دعائے مغفرت کرو گے اور پھر یہ نیابۃً دعا کریں گے تو یہ نائب رسول کی دعا ہوگی۔ تو اب تم یہ نہ سمجھنا کہ ہم غوثِ جیلانی کی درگاہ میں ہیں، بلکہ یہ سمجھ لینا کہ رسول کے رحمت کے دروازے کے سامنے کھڑے ہیں۔

جب عالم کے پاس بیٹھنا ان کے چہرے کی زیارت کرنا عبادت ہے اور نائبِ رسول سے مصافحہ کرنے میں رسول سے مصافحہ کرنے کا اجر ملتا ہے، اس لیے کہ نائبِ رسول سے اس کی نیابت کی بنیاد پر مصافحہ کرنا یہ خود رسول سے مصافحہ کرنے کا قائم مقام ہے۔ نائبِ رسول کی درگاہ میں جا کر کے ہم دعائے مغفرت کریں گے۔ ہم خدا تعالیٰ سے مغفرت چاہیں گے۔ اے اللہ تو ہمیں معاف کر دے اور وہ اللہ تعالیٰ کا ولی رسول کی نیابت میں ہاتھ اٹھا کر دعائے مغفرت کرے گا تو گنبدِ خضرا سے رحمتیں برس پڑیں گی، تو اسی لیے جَآءُوْکَ کہا۔ اے رسول تیرے پاس آئیں اور اگر جسمانی طور پر تیرے پاس نہ پہنچ سکیں تو تیرے جانشینوں کے پاس جائیں، تیرے نائبوں کے پاس جائیں، تیرے چاہنے والوں کے پاس جائیں۔ اسی لیے ہم کہتے ہیں دوستو۔ یہ زمین جو ہے اولیائے کرام کے مزارات سے بالکل بھری ہوئی ہے اور بقعۂ نور بنی ہوتی ہے، اس

لیے کہ جب ہم ظلم بار بار کرتے ہیں، تو ہمیں بار بار حاضر ہونا ہے تاکہ ہم اپنے گناہوں کی معافی چاہتے رہیں، ان کو گواہ بناتے رہیں اور ان سے دعا کی درخواست پیش کرتے رہیں۔

حضرت ربیعہ اور وسیلہ رسول

جواب دو اس آیت کریمہ میں مغفرت کا وسیلہ رسول کو بنایا گیا کہ نہیں؟ کیا یاد نہیں حضرت ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ مشہور سوال أَسْئَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ۔ اے محبوب! ہم آپ سے جنت کی رفاقت چاہتے ہیں۔ بتاؤ، جنت مانگی اور جنت کے لیے نیز جنت میں رسول کی رفاقت کے لیے حضرت ربیعہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول کو واسطہ بنایا نہیں بنایا؟ وسیلہ بنایا۔ صرف یہ تین واقعے ہی کافی ہیں، اس بات کو سمجھانے کے لیے کہ میرے رسول کو رسول کی حیاتِ ظاہری میں وسیلہ بنایا گیا۔ پہلے بھی بنایا گیا، بعد میں بھی بنایا گیا اور اب چلتے چلتے آخری بات بھی عرض کر دوں اس لیے کہ ؎

طوفان نوح لانے سے اے آنکھ کیا فائدہ؟
دو اشک ہی بہت ہیں، اگر کچھ اثر کریں

صدیق اکبر نے وسیلہ بنایا

اثر کریں تو دو آنسو ہی کافی ہیں اور نہ اثر کریں تو رات بھر کا رونا بے کار ہے، اسی لیے اب میں تیسری بات پر آپ کی توجہ چاہوں گا۔ دیکھو بس صرف چند واقعات چند معتبر کتابوں سے آپ کے سامنے عرض کروں گا۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہماری نگاہوں سے روپوش ہو رہے ہیں۔ حضور کا مقدس سراپا ابھی ہماری نگاہوں کے سامنے ہے۔ روحِ مبارک ایک آن کے لیے بمقتضائے كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ نکالی جا چکی ہے۔ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسولِ پاک کی مبارک بارگاہ میں حاضر ہیں اور پھر چہرۂ مبارک کو دیکھ کر کیسی پیاری بات کہتے ہیں۔ ان الفاظ کو یاد کر لو، وَلَوْ اَنَّكَ كَانَ اِخْتِيَارِيًا لَجُدْنَا لِمَوْتِكَ بِالنُّفُوْسِ۔ اے رسول اگر آپ کی موت کا عوض کچھ ہمارے اختیار میں ہوتا تو ہم اس حال کو دیکھنے کے لیے راضی نہ ہوتے

اور اپنے کو قربان کر دیتے اُذْكُرْنَا عِنْدَ رَبِّكَ يَا مُحَمَّدُ وَلَتَكُنْ مِنْ بَالِكَ۔ اے محمد! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے رب کے یہاں ہمیں نہ بھولنا، ہمیں فراموش نہ کرنا۔ اُذْكُرْنَا عِنْدَ رَبِّكَ۔ اپنے رب کے حضور ہمیں یاد کرنا۔ ہمارا ذکر کرنا، ہمیں فراموش نہ کرنا۔

ذرا غور تو کرو دوستو! حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول سے کیا کہہ رہے ہیں؟ بولو کس سے خطاب کر رہے ہیں؟ کس کو پکار رہے ہیں؟ بعض لوگ یہ سمجھ رہے ہیں کہ روح نکلنے کے بعد اب یہ ہمارے کسی کام کے نہیں۔ مگر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ عقیدہ دے رہے ہیں کہ جس اسلام کو ہم نے اس رسول سے پایا، اس اسلام کا عقیدہ یہ ہے کہ رسول یہاں پر بھی ہمیں کام دے رہے ہیں اور رسول ہی وہاں بھی کام دیں گے۔ اُذْكُرْنَا عِنْدَ رَبِّكَ يَا مُحَمَّدُ۔ اے محمد! صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنے رب تعالیٰ کی بارگاہ میں ہمارا ذکر کرنا۔ ہمیں فراموش نہ کرنا ہمیں اپنے دل سے نہ نکالنا۔ اچھا ذرا ٹھہر کر ایک سوال کا جواب دو کہ جب سرکار کی روح نکالی گئی، تو فرشتوں نے رکھی کہاں ہوگی؟ جب رکھنے کا وقت آیا ہوگا تو رکھی کہاں ہوگی؟

ذرا سمجھ کے بتانا۔ دیکھو جیسے مقام کی روح ہوتی ہے، ویسے ہی مقام کی جگہ بھی ہوگی ہوگی نا۔ اب تلاش کرو کہ رسول کی روح کے مناسب اس کائنات میں جگہ کون سی ہے؟ آپ کہیں گے جنت۔ بڑی محبت کی بات کی آپ نے۔ واقعی سوچا تو دُور تک۔ جنت۔ مگر جنت تو رسول کے غلاموں کے رہنے کی جگہ ہے۔ آپ کہیں گے عرش۔ عرش سے اونچا تو کچھ نہیں ہے نا۔ اس کے بعد پھر مکان، مکانیات کا سلسلہ ختم۔ تو میں کہوں گا عرش پر تو رسول کے قدم پہنچ گئے، اب رُوح وہیں رکھو گے؟ اب تلاش کرو کہ وہ کونسی جگہ ہے جو روح رسول کے لیے مناسب ہو؟ تلاش کرو خوب پوری دُنیا میں، پوری کائنات میں تلاش کرو۔ تو جب تم تلاش کرو گے اور صرف تمہیں کیا اگر کسی فرشتے کو بھی اختیار دے دیا جائے کہ تلاش کرو کائنات میں وہ کونسی جگہ ہے؟ جہاں روح محمدی کو رکھا جائے؟ تو جانتے ہو حضرت ملک الموت کیا عرض کریں گے، الٰہ العالمین یہ جس جسم میں تھی، وہی اس کی جگہ ہے، اس سے بڑھ کر کوئی مناسب جگہ ہے ہی نہیں۔

اور میں دلیل کی روشنی میں عرض کر رہا ہوں، اس لیے کہ شامی فقہ حنفی کی معتبر کتاب ہے۔ اس میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اس وقت رسولِ پاک جہاں آرام فرما رہے ہیں اور زمین کا جو حصہ رسول کے جسمِ مبارک سے لگا ہوا ہے، وہ خاک کے ذرے کعبے سے بھی افضل ہیں اور عرش سے بھی افضل ہیں، تو جب وہ خاک کے ذرّے کعبہ سے بھی افضل ہیں اور عرش سے بھی افضل ہیں تو رُوحِ محمدی کو کیا عرش پہ رکھو گے ؟ وہاں رکھنا ہے تو ان خاک کے ذرّوں کو رکھ دو۔

عہدِ فاروقی میں وسیلہ

تو بس یہی جواب ملا، اسی لیے علمائے کہا سنو! رُوح نکالی، قانونِ فطرت پورا ہو گیا۔ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْت والی بات پوری ہو گئی۔ اور اب اسی جسم کو اس رُوح کا برزخ بنا دیا گیا اور اسی جسم میں وہ روح ڈال دی گئی تو میرے رسول کو وہی حیاتِ جسمانی حاصل ہو گئی جو یہاں حاصل تھی۔ اسی لیے دیکھو پوچھنے والا کہہ رہا ہے اے رسول! آپ ہمیں یاد کیجیے گا۔ تو بولو صدیق اکبر (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) نے وسیلہ بنایا کہ نہیں بنایا ؟ یہ دیکھو بلال ابن حارثؓ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) ہیں ان کے متعلق میں آپ کو بتاؤں :

ایک مرتبہ عہدِ فاروقی میں قحط پڑ گیا۔ بارش ہی نہیں ہو رہی تھی، تو جب بارش نہیں ہوئی تو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ بارگاہِ رسالت میں پہنچے۔ میں ایک صحابی کا عمل بتا رہا ہوں۔ پہنچ کر عرض کرتے ہیں اے اللہ کے رسول! آپ کی امت پریشان ہے۔ بارش نہیں ہو رہی ہے۔ حضور دعا فرمائیں۔ دعا تو حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود بھی کر سکتے تھے، مگر وسیلہ بنایا کہ نہیں بنایا؟ اور اس کے بعد سرکارِ عربی نے خواب دکھایا اور حضرت بلال کو بارش کی خوشخبری سنائی اور کہا عمر کو جا کر میرا اسلام کہنا۔ ذرا سختی میں کچھ نرمی کا بھی پہلو اختیار کریں۔ میں سوچنے لگا اللہ کے رسول حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جب پیغام پہنچانا چاہ رہے تھے، تو انہیں کو کیوں نہیں خواب دکھا دیا؟ یہ کیا بات ہے؟ اے بلال تم جاؤ جواب ملے گا کہ خواب حضرت بلال کو اس لیے دکھا دیا کہ حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دعا کی تھی، اب انہیں کو دکھاؤ تاکہ سمجھیں کہ رسول کو وسیلہ بنانے کا یہ اجر ملا ہے۔

اور جب حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہنچے اور انہوں نے خبر دی تو انہوں نے نہیں کہا کہ ارے اب پھر سے مسلمان ہو، پہلے کلمہ پڑھ لے، خدا کی بارگاہ کو چھوڑ کے تو مصطفیٰ کی بارگاہ میں گیا تھا وسیلہ بنانے کے لیے۔ تو توحید کو بھول گیا۔ بڑے شدید تھے نا حضرت عمر۔ مگر نہیں۔ جب یہ سنا تو رونے لگے، اشکبار ہو گئے اور اس کے بعد کہا، جتنی میری طاقت ہے میں اتنا ہی کرتا ہوں اور جو مجھ سے نہ ہو سکے، اللہ تعالیٰ اسے معاف کرے۔ بہرحال انہوں نے اس وسیلے کو اپنے عمل سے جائز قرار دیا۔

اور ایسے ہی ایک مرتبہ قحط کا زمانہ آیا تھا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بارگاہ میں لوگ آتے تھے اور حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنا معروضہ پیش کیا تھا حضور! کچھ تدبیر ارشاد فرمائیے۔ پانی نہیں برس رہا ہے، تو انہوں نے کیا تدبیر بتائی؟ — وہ یہ بھی تو کہہ سکتی تھیں جاؤ نماز استسقاء پڑھو۔ جاؤ سب کھڑے ہو کر خدا کی بارگاہ میں گریہ وزاری کرو۔ بات ٹھیک تھی، مگر وہ کہتی ہیں سنو جی! یہ جو رسول کا مزارِ پاک ہے، اس کے اوپر والی چھت میں سوراخ کر دو کہ رسول کے مزار اور آسمان کے بیچ کوئی حائل نہ ہو۔

یہ کونسا طریقہ ہے نہ اس میں کوئی دعا کی بات ہے؟ نہ اس میں کوئی استغفار کی بات ہے؟ نہ اس میں کوئی الفاظ توبہ ہیں۔ یہ کیا طریقہ ہے؟ مگر حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کیا جو اپنے وقت کی زبردست فقیہہ اور محدث تھیں۔ ذرا غور تو کرو اور وہ انہوں نے جو یہ تدبیر بتائی۔ جب قوم نے ایسا کر دیا، پھر ہوا کیا؟ خوب جھوم جھوم کے بارش ہوئی۔ سارے صحابہ نے اس طریقۂ استعانت، اس طریقۂ استمداد، اس طریقۂ توسل پر کوئی اعتراض نہیں کیا اور جب صحابہ نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ گویا خاموش ہو کر سبھوں نے اجماع کی مہر لگا دی۔ اسی کو اصحاب فن کہتے ہیں کہ یہ اجماعِ سکوتی ہے۔

رسول اور آلِ رسول سے وسیلہ

عہدِ فاروقی میں حاکمِ حلب کے لشکرِ جرار سے مقابلہ ہوا تھا۔ اس وقت حضرت

کعب ابن حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ میدانِ جنگ میں مسلمانوں کی حمایت کے لیے بہت ہی بیقرار اور مستعد دکھائی پڑ رہے ہیں۔ ان کے الفاظ سنو یا محمد۔ یا محمد میدانِ جنگ سے لفظ یا سے پکارا جا رہا ہے یَا مُحَمَّدُ یَا مُحَمَّدْ یَا نَصْرَ اللّٰهِ اُنْزُلْ مَعَاشَرَ الْمُسْلِمِیْنَ اثْبُتُوْا اِنَّمَا هِیَ سَاعَةٌ وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۔ اے محمد، اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم) اے اللہ کی مدد نازل ہو جا۔ اتنا کہنا تھا کہ دل کو کتنا یقین ہو گیا۔ کہتے ہیں اے مسلمانو گھبراو نہیں، ثابت قدم رہو۔ اب مدد آنے والی ہے۔ سرفرازی تمہارے لیے ہے، سربلندی تمہارے لیے ہے۔ تو دیکھو میدانِ جنگ میں میرے رسول کو وسیلہ بنانے کے لیے پکارا گیا کہ نہیں پکارا گیا ؛

ایسے ہی عہد فاروقی ہی کا ایک واقعہ ہے،

حضرت عبداللہ کے ذریعہ حضرت فاروقِ اعظم ایک خط حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس بھیج رہے ہیں اور حضور کے وسیلہ سے دعا بھی فرماتے ہیں۔ پھر وہ جب بارگاہِ رسالت میں حاضری کے لیے جاتے ہیں، تو وہاں حضرت عباس، حضرت علی، حضرات حسنین رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی موجود ملتے ہیں۔ انہوں نے ان سے بھی دعا کی درخواست کی۔ انہوں نے دُعا فرمائی اور اس طرح سے کی اَللّٰهُمَّ نَتَوَسَّلُ بِهٰذَا النَّبِیِّ الْمُصْطَفٰی وَالرَّسُوْلِ الْمُجْتَبٰی الَّذِیْ تَوَسَّلَ بِهٖ اٰدَمُ فَاَجَبْتَ دَعْوَتَهٗ ۔ اے اللہ ہم اس رسولِ مصطفٰے اور نبی مجتبٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے دُعا کر رہے ہیں۔ یہ وہ نبی ہیں جن کے وسیلے سے حضرت آدم علیہ السلام نے دُعا کی تھی تو تو نے ان کی دُعا کو قبول فرما لیا تھا۔ تو بتائیے وسیلہ بنایا گیا کہ نہیں بنایا گیا ؟

پھر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اطمینان کی بات کرتے ہیں کہ جاؤ جاؤ اللہ تعالیٰ ان کی دُعاؤں کو رد نہ کرے گا۔ اللہ تعالیٰ حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عباس حضرات حسنین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی دعاؤں کو رد نہ فرمائے گا۔ اس لیے کہ یہ اس نبی کا وسیلہ دے رہے ہیں جو نبی خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں اکرم الخلق ہے۔ ساری مخلوق میں سب سے زیادہ مکرم و محترم ہے۔ بولو وسیلہ بنایا کہ نہیں بنایا ؟ ؎

مل نہیں سکتا خدا ان کا وسیلہ چھوڑ کر
غیر ممکن ہے کہ چڑھیے چھت پہ زینہ چھوڑ کر

آپ ایسے ہی غور کرتے چلے جایئے۔ حضرت عبد اللہ ابن عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کا پیر سوگیا۔ ایک انداز سے بیٹھے بیٹھے کبھی پاؤں سوجاتا ہے۔ ممکن ہے کہ اس محفل میں بھی کسی کا پاؤں سوگیا ہو۔ ارے پیر سوجاتے دل نہ سونے پائے۔ تو جب پیر سوگیا تو کسی نے حضرت عبد اللہ بن عمر (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) سے کہا، آپ کو جو سب سے زیادہ محبوب و پیارا ہو، اس کو یاد کیجئے۔ انہوں نے کیا کہا تھا؟ یا محمداہ۔ یا محمداہ۔ یہ نہیں سوچ رہے ہیں کہ ہم دور ہیں کہ قریب ہیں۔ یہ فلسفہ تو آج سوچا جارہا ہے۔

صحابہ کرام اور وسیلہ

اور ایسے ہی حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایک شخص کو بتایا تھا جس کا پاؤں سوگیا تھا کہ جو سب سے زیادہ پیارا اور محبوب ہو، اس کا نام لو۔ تو اس نے بھی کہا تھا یا محمداہ۔ یا محمداہ۔

اور آخر میں چلتے چلتے وہ بات عرض کردوں۔ وہی حضرت عثمان ابن حنیف والی نہیں، وہ تو پہلے تھا، حضور کے حیاتِ مبارکہ، حیاتِ ظاہری کے اندر کا واقعہ نا۔ اب حیاتِ ظاہری کے بعد کا واقعہ میں عرض کردوں۔ ایک شخص حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہ میں کسی کام کے لیے جاتا تھا، مگر حضرت توجہ نہیں فرماتے تھے اور یہ اپنا معروضہ پیش نہیں کرپاتا تھا۔ تو حضرت عثمان ابن حنیف رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ملاقات ہوئی، تو انہوں نے کہا سنو جی! جاؤ دعا کرو اور اس طرح سے۔ وہ بھی صحابیٔ رسول ہیں اور صحابیٔ رسول تعلیم دے رہے ہیں۔ اَصْحَابِی کَالنُّجُوْمِ بِاَیِّھِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اِھْتَدَیْتُمْ۔ یہ میرے صحابہ ستاروں کی مانند ہیں۔ جن کی بھی پیروی کروگے، ہدایت پاؤگے۔ جاؤ دو رکعت نماز پڑھو۔ پھر یہ دعا مانگنا۔ دعا وہی:

اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ وَاَتَوَجَّہُ اِلَیْکَ بِنَبِیِّکَ مُحَمَّدٍ نَّبِیِّ الرَّحْمَۃِ یَا مُحَمَّد اِنِّیْ تَوَجَّھْتُ بِکَ اِلٰی رَبِّیْ فِیْ حَاجَتِیْ ھٰذِہٖ لِتَقْضٰی لِیْ اَللّٰھُمَّ فَشَفِّعْہُ۔

تو دیکھو یہی دعا، یہی الفاظ، یہی کلمات ان کو سکھاتے۔ انہوں نے کہا، اس کے بعد اس کا مقصد پورا ہوگیا۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خادم نے آکر خود ہی ان کو بارگاہِ عثمانِ غنی تک پہنچا دیا اور انہوں نے خاص توجہ فرمائی۔ ضرورت بھی پوری فرما دی اور کہا پھر جب ضرورت ہو تو آنا۔ بہرحال یہ مشائخ و صوفیا کے درمیان معمول ہوگیا کہ کوئی اگر اس طرح صدقِ دل سے دعا کرے تو اس کی دعا ضرور قبول ہوگی۔ تو اب دیکھو وہی دعا، وہی الفاظ، وہی کلمات پھر سکھاتے گئے، تو یہ وسیلہ مانگا گیا کہ نہیں اور وہ بھی حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عہدِ ظاہری کے بعد۔ اور سیّدنا امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تو بڑی پیاری بات کہی ؎

یَاسَیِّدَ السَّادَاتِ جِئْتُكَ قَاصِدًا   اَرْجُوْا رِضَاكَ وَاحْتَمِیْ بِحِمَاكَ

اے پناہ دینے والوں کے پناہ دینے والے، ہم آپ کی بارگاہِ اقدس میں بالقصد آئے ہیں جِئْتُكَ قَاصِدًا ہم آپ کی بارگاہ میں بالقصد آئے ہیں اور آپ کی رضا چاہتے ہیں اور آپ کی حمایت کے طلب گار ہیں۔ تو امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وسیلہ بنایا کہ نہیں بنایا؟ آگے فرماتے ہیں،

اَنْتَ الَّذِیْ لَوْلَاكَ مَا خُلِقَ امْرُءٌ   كَلَّا وَلَا خُلِقَ الْوَرٰی لَوْلَاكَ

اے رسول اگر آپ نہ ہوتے تو کوئی آدمی نہ پیدا کیا گیا ہوتا، بلکہ کوئی مخلوق ہی نہ پیدا کی جاتی۔ اگر آپ کا پیدا کرنا مقصود نہ ہوتا۔ اور ایک بات تو آخری کہہ دی ؎

اَنَا طَامِعٌ بِالْجُوْدِ مِنْكَ وَلَمْ يَكُنْ   لِاَبِیْ حَنِیْفَةَ فِی الْاَنَامِ سِوَاكَ

اے اللہ کے رسول! ہم آپ کی سخاوت کے حریص ہیں، ہم آپ کی سخاوت چاہتے ہیں۔ ہم آپ کے دریوزہ گر ہیں۔ اے میرے محبوب! ہم آپ کے در کے بھکاری ہیں۔ اے محبوب! ہم آپ کی بارگاہ میں نہ آئیں تو کہاں جائیں، اس لیے کہ ابوحنیفہ کے لیے دنیا میں آپ کے سوا کوئی نہیں ہے۔ ذرا غور تو کرو یہ وسیلہ مانگا گیا کہ نہیں مانگا گیا؟ ؎

مل نہیں سکتا خدا ان کا وسیلہ چھوڑ کر
غیر ممکن ہے کہ چڑھیئے چھت پہ زینہ چھوڑ کر

مولانا جامی اور وسیلۂ رسول

واقعات کی تشریحات میں ہم آپ کو کہاں تک لے جائیں۔ یہ تو ہم نے اہم اہم حضرات کے واقعات آپ کے سامنے عرض کیے۔ آیئے بعض اور علمائے ملتِ اسلامیہ کے ارشادات آپ کے سامنے رکھیں۔ حضرت مولانا جامی قدس سرہ السامی کو آپ نہیں جانتے؟ مولانا محمد عبدالرحمٰن جامی کا نام نہیں سنا؟ کوئی ہندوستانی کوئی پاکستانی ایسا نہیں ہوگا جو مولانا محمد عبدالرحمٰن جامی کو نہ جانتا ہو۔ جب آپ مولانا محمد عبدالرحمٰن جامی کو جانتے ہیں، تو کیا ان کا یہ شعر آپ کے کانوں میں کبھی نہیں آیا ؎

زمہجوری برآمد جانِ عالم   ترحم یا نبی اللہ ترحم

آپ کی جدائی سے اے اللہ کے رسول! عالم کی جان نکلی جا رہی ہے۔ تو اے اللہ کے نبی، رحم فرمایئے۔ اے اللہ کے نبی رحم فرمایئے۔

تو موجودہ دور کی عدالت کی نظر میں دو جرم کیے ہیں انہوں نے۔ ایک تو نبی سے رحم مانگا، دوسرا 'یا' کہہ کے پکارا۔

یہ مولانا جامی ہی تو ہیں جو عرض کرتے ہیں ؎

غریبم یا رسول اللہ غریبم   ندارم در جہاں جز تو حبیبم
اے اللہ کے رسول! میں غریب ہوں، میں غریب ہوں۔ میں دنیا میں آپ کے سوا کسی کو حبیب نہیں رکھتا

مرض دارم زعصیاں لادوائے   مگر الطاف تو باشد طبیبم
اے اللہ کے رسول! ہم گناہوں کا لادوا مرض رکھتے ہیں جس کا کوئی علاج نہیں۔ مگر اے سرکار۔ آپ کا کرم، آپ کے الطاف، آپ کی مہربانیاں ہماری حکیم ہیں، ہماری طبیب ہیں۔

پھر یہ رسول کا چاہنے والا، رسول کا سچا غلام جھوم کر کہتا ہے:

بریں نازم کہ ہستم امتِ تو   گنہ گارم ولیکن خوش نصیبم
مجھے اس بات پر ناز ہے اے اللہ کے رسول کہ ہم آپ کی امت ہیں، گنہ گار ہیں، مگر خوش نصیب ہیں۔

کیا یہ شعر تمہارے کانوں میں نہیں آیا ؎

نسیما جانبِ بطحا گذر کن　　زاحوالم محمد را خبر کُن

کیا ضرورت ہے خبر کرنے اور خبر کرانے کی۔ پھر فرماتے ہیں؛

توئی سلطانِ عالم یا محمد　　زروئے لطف من نظر کن

کیا ضرورت ہے جہان کا سلطان ماننے کی۔ معلوم ہوا کہ ؎

مل نہیں سکتا خدا ان کا وسیلہ چھوڑ کر
غیر ممکن ہے کہ چڑھیے چھت پہ زینہ چھوڑ کر

قصیدہ بُردہ شریف کِسے کہتے ہیں

کیا تم فراموش کر دو گے حضرت امام شرف الدین بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کا وہ قصیدہ بُردہ شریف، جس میں صوفیاء کے لیے عجیب روحانی کمالات ہیں، مگر جانتے ہو کہ یہ بردہ کیا چیز ہے؟ بُردہ شریف کیا ہے؟ بُردہ کہتے ہیں چادر کو۔ تو یہ چادر شریف کا قصیدہ کیا؟ بات یہ ہے کہ حضرت امام بوصیری علیہ الرحمہ جو رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی نعتیں بہت لکھا کرتے ہیں، ایک مرتبہ ان پر فالج کا اثر ہوا، تو اس میں انہوں نے وہی قصیدہ لکھا جس کو قصیدہ بُردہ شریف کہا جاتا ہے اور اسی بیماری میں آپ اسے پڑھتے رہتے اور رسول کے وسیلے سے دعائیں کرتے رہتے اور گریہ زاری کرتے رہتے۔ ایک مرتبہ انہوں نے خواب میں دیکھا کہ سرکارِ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آتے ہوئے ہیں اور آکر چادر اوڑھا دی۔ سرکار نے پہلے ان سے قصیدہ سنا پھر ان کے مفلوج بدن پر اپنے دست مبارک کو پھیر دیا اور پھر ایک چادر اوڑھا دی۔ جب آنکھ کھلتی ہے تو چادر موجود ملتی ہے۔ دیکھا تو مرض دُور ہو چکا ہے۔ سوچا کسی سے کہنا نہیں چاہیئے۔ یہ راز کی بات ہے۔ مگر دوسنو ایک مجذوب مل گئے۔ ان کو انہوں نے کہا بوصیری ذرا سناؤ تو وہ قصیدہ۔ کیا کہا قصیدہ! کونسا قصیدہ؟ کہا جس کا مطلع یہ ہے جس کا پہلا شعر یہ ہے ؎

اَمِنْ تَذَکُّرِ جِیْرَانٍ بِذِیْ سَلَمٍ　　مَزَجْتَ دَمْعًا جَرٰی مِنْ مُقْلَةٍ بِدَمٖ

اور دوسرا شعر یہ ہے۔ سناؤنا ؎

اَمْ ھَبَّتِ الرِّیْحُ اَوْ تِلْقَاءِ کَاظِمَۃٍ اَوْ اَوْمَضَ الْبَرْقُ فِی الظَّلْمَاءِ مِنْ اِضَمٖ

یہ بیچارے مجبور ہوگئے۔ کہا تمہیں کیسے معلوم ہوا۔ کہا بارگاہِ رسول میں میں نے اس کو سنا۔ اللہ کے رسول کی بارگاہ میں۔ جب سنانے والا سنا رہا تھا، تو رسول پاک ایسا جھوم رہے تھے جیسے میوہ دار شاخ جھومتی ہے۔

اور رسول نے اس پڑھنے والے کو ازراہِ کرم ایک چادر بھی اوڑھادی تھی تو وہ چادر والا قصیدہ مشہور ہوگیا۔ یہ وہی قصیدہ بُردہ شریف ہے۔

یعنی وہ قصیدہ جو بارگاہِ رسول میں اتنا مقبول ہوگیا کہ سرکار نے اپنی چادر مبارک انعام میں عطا فرمائی۔ اب میں ان تمام تفصیلات اور واقعات کی تشریح کہاں تک آپ کے سامنے عرض کروں۔ مجھ کو تین دور دکھانے تھے کہ تینوں زمانے میں رسول کو وسیلہ بنایا گیا۔ بنانے والے صالحین تھے۔ بنانے والے صحابہ تھے۔ بنانے والے انبیاء تھے۔ بنانے والے ائمہ تھے۔ بنانے والے صحابہ تھے، بنانے والے مرسلین تھے۔ تو اب اگر وسیلہ بنانا شرک ہوجائے، تو مشرکوں کی تعداد کتنی بڑھ جائے گی ؎

عقل ہوتی، تو خدا سے نہ لڑائی لیتے
یہ گھٹائیں اسے منظور بڑھانا تیرا

مل نہیں سکتا خدا ان کا وسیلہ چھوڑکر غیر ممکن ہے کہ چڑھیے چھت پہ زینہ چھوڑکر

بتاؤ ہدایت کس نے دی؟ خدا نے۔ مغفرت کون دے گا؟ خدا دے گا۔ نجات کون دے گا؟ خدا دے گا؟ مگر بتاؤ اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ۔ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ اے اللہ العالمین جب ہدایت دینی تھی، تو کیا ضرورت تھی نبی بھیجنے کی۔ ڈائرکٹ ہدایت بھیج دی ہوتی اور ڈائرکٹ قرآن اتار دیا ہوتا۔ ہر گھر میں ایک توریت ہوتی، ہر گھر میں ایک انجیل، ہر گھر میں ایک زبور۔ جو نکلتا تو چار کتاب دباتے نکلتا۔ کیا ضرورت تھی کسی نبی کی؟ کیا ضرورت تھی، کسی رسول کی؟ لغت کی کمی نہیں ہے۔ سب لغت دیکھ کر قرآن سمجھ لیتے۔

اور اس کے بعد میں پھر یہ سوچتا ہوں، اس کے اتارنے کی بھی ضرورت کیا تھی، اس لیے کہ اگر کتاب کے ذریعے ہدایت ہوئی، تو کتاب بھی وسیلہ بن جائے گی۔ لطف کی بات دیکھو اللہ نے جب اپنا کلام نازل کیا، تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کا وسیلہ۔ وہاں بھی وسیلہ۔ اب تو بڑی مشکل ہو گئی۔ خدا کی معرفت خدا دیتا ہے، مگر سنو! کُنْتُ کَنْزًا مَخْفِیًا فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرَفَ فَخَلَقْتُ نُوْرَ مُحَمَّدٍ۔ میں خزانہ مخفی تھا، تو میں نے چاہا کہ پہچانا جاؤں، تو میں نے نورِ محمدؐ کو پیدا کیا کہ ان کو جب تک نہ پہچانوگے، مجھ کو نہ پہچانوگے۔ ان کو جب تک نہ مانوگے مجھے بھی نہیں مان سکتے۔ ان کی اطاعت میری اطاعت۔ پتہ چلا کہ ؎

مل نہیں سکتا خدا ان کا وسیلہ چھوڑکر
غیر ممکن ہے کہ چڑھیے چھت پہ زینہ چھوڑکر

جب تم سوال کروگے بارگاہِ خداوندی میں معروضہ پیش کریں گے کہ کیا ضرورت ہے حضرت آدم علیہ السلام کی؟ کیا ضرورت ہے حضرت نوح علیہ السلام کی؟ ہمیں ڈائرکٹ ہدایت مل جائے اور ہم ڈائرکٹ وہاں پہنچ سکتے ہیں۔ کیا ضرورت ہے انبیاء کی؟ تو یہی جواب تمہیں دیا جائے گا ؎

مل نہیں سکتا خدا ان کا وسیلہ چھوڑکر
غیر ممکن ہے کہ چڑھیے چھت پہ زینہ چھوڑکر

مگر زینے کو زینہ ہی سمجھنا، زینے کو چھت کہہ دیا تو بھی غلطی ہوگی اور اگر زینے کو فرش کہہ دیا تو بھی غلطی ہوگی۔ زینہ نہ فرش ہے نہ چھت۔ کیا مطلب؟ زینے کو نہ چھت سے ملاؤ نہ فرش سے ملاؤ۔ وسیلہ بیچ والا ہوتا ہے، نہ اوپر سے ملانا نہ نیچے سے ملانا، جس کو تم وسیلہ بنا رہے ہو، اسے اگر خدا سے ملاؤگے تو غلطی ہوگی اور اگر اپنے سے ملاؤگے تو غلطی ہوگی زینہ زینہ ہوتا ہے نہ زمین نہ چھت۔

ہاں اتنا ضرور ہے کہ زینے کا تعلق ادھر سے بھی ہوتا ہے اور ادھر سے بھی۔ نیچے بھی ایک ہاتھ ہے اوپر بھی ایک ہاتھ ہے۔ ادھر سے لے جا رہا ہے، ادھر دے رہا ہے۔ ادھر کی سن رہا ہے

ادھر سنا رہا ہے۔ اب اگر تم سلامتی سے جانا چاہو تو زینے سے جاؤ اور سلامتی سے اترنا چاہو تو زینے سے اترو اور ادھر ادھر چھلانگ لگاؤ گے تو خیریت نہیں ہے ؎

مل نہیں سکتا خدا ان کا وسیلہ چھوڑ کر
غیر ممکن ہے کہ چڑھیے چھت پہ زینہ چھوڑ کر

ایک جانور ہے، وہ کبھی دو ٹانگ سے چلتا ہے، کبھی چار ٹانگ سے چلتا ہے، اس کو کیا کہتے ہیں؟ بندر کہتے ہیں۔ میں جانور کی بات کہتا ہوں انسان کی نہیں۔ بندر زینے سے نہیں چڑھتا ہے، وہ اچھل کے چڑھتا ہے۔ اگر وہ اچھل کے چڑھے، تو اس سے اعتراض مت کرنا، مگر کوئی انسان اچھلے تو سمجھا دینا کہ ؎

مل نہیں سکتا خدا ان کا وسیلہ چھوڑ کر
غیر ممکن ہے کہ چڑھیے چھت پہ زینہ چھوڑ کر

کھڑے ہو جائیے اور بارگاہِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں صلوٰۃ و سلام کا نذرانۂ عقیدت پیش کیجیے۔

تسلیم و رضا، محبت و وفا، خلوص و ایثار کی ایسی رقت انگیز داستانیں جن کے پڑھنے سے اشکوں کا فوارہ پھوٹنے لگتا ہے۔
دنیائے اسلام کے مایۂ ناز ادیب علامہ ارشد القادری
سحر انگیز قلم کی جلوہ آرائیاں، ندرتِ تحریر کی جولانیاں
زلف و زنجیر
میں پڑھیے

خطبہ نمبر ۴

فضیلتِ رسول

قَدْ جَآءَکُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکُمْ نُوْرًا مُّبِیْنًا ۝

مَنَّ عَلَیْنَا رَبُّنَا اِذْ بَعَثَ مُحَمَّدًا   اَیَّدَہٗ بِاَیْدِہٖ اَیَّدَنَا بِاَحْمَدَا
اَرْسَلَہٗ مُبَشِّرًا اَرْسَلَہٗ مُمَجَّدًا   صَلُّوْا عَلَیْہِ دَائِمًا صَلُّوْا عَلَیْہِ سَرْمَدًا

صرف اتنا ہی نہیں کہ غم سے رہائی مل جائے   وہ جو مل جائیں تو پھر ساری خدائی مل جائے
دور رکھنا ہے تو پھر جذبِ اویسی دے دو   تاکہ مجھ کو بھی تو کچھ کیفِ جدائی مل جائے
میں یہ سمجھوں گا مجھے دولتِ کونین ملی!   راہِ طیبہ کی اگر آبلہ پائی مل جائے

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی اَنْ تُصَلِّیَ عَلَیْہِ۔

بُرہان کی تعریف

ترجمہ: یقیناً تمہارے پاس رب کی جانب سے برہان آگیا، اور میں نے تمہاری طرف نورِ مبین کو نازل کیا۔

میں نے جس آیۂ کریمہ کی تلاوت کا شرف حاصل کیا ہے، اس کا سیدھا سا ترجمہ عرض کر دیا۔ تمہارے پاس برہان آگیا۔ اہلِ علم تو خوب جانتے ہیں کہ بُرہان کیا چیز ہوتی ہے، مگر اس کو اور بھی ہلکا کروں گا جس سے سب لوگ سمجھ سکیں کہ کس چیز کی آمد کا ذکر ہے۔ بُرہان کہتے ہیں دلیل کو، حجّت کو۔ تمہارے پاس دلیل آگئی۔ اس دلیل سے کیا مراد ہے؟ اس میں میں زیادہ وقت نہیں لینا چاہتا۔ مفسرین کرام ارشاد فرماتے ہیں اس آیۂ کریمہ میں برہان سے مراد ہے ذاتِ گرامی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ تفسیروں میں یہ الفاظ ملتے ہیں اس سے مراد ہیں سرکارِ مدینہ کے

معجزے۔ چاہے رسول کے معجزات لو، چاہے ذاتِ رسول لو۔ سب کا حاصل ایک۔ سب کا مآل ایک ہے کہ برہان ہیں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سب کا حاصل ایک۔ سب کا مآل ایک ہے کہ برہان ہیں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو تمہارے پاس دلیل آگئی، مگر پہلے دلیل نہیں آنا چاہیئے، پہلے دعویٰ آنا چاہیئے۔

اسلام کا دعویٰ

پہلے آدمی دعویٰ کرتا ہے، پھر دلیل دیتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ دعویٰ کچھ بھی نہ ہو اور دلیل دینا شروع کر دیں تو ہمیں سوچنا ہے، ہمیں فیصلہ کرنا ہے۔ قرآن وحدیث کی روشنی میں کہ آخر یہ دلیل ہیں تو کس دعوے کی دلیل ہیں۔ اس سلسلے میں میں آپ کا کوئی زیادہ وقت نہ لوں گا۔ یقین جانو کہ اسلام کا دعویٰ ہے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور اس دعوے کی دلیل ہیں مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ اب یہ سوال ہرگز نہ کرنا کہ علمائے ملتِ اسلامیہ کیوں مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ رسول ہی کو عنوان قرار دیتے ہیں، ان کے پاس آؤ تو کبھی رسول کا حسن و جمال، کبھی رسول کا فضل و کمال، کبھی رسول کا جود و نوال، کبھی رسول کا جاہ و جلال۔ الغرض ان کا مرکزِ فکر، ان کا مرکزِ بیان صرف ذات محمد رسول اللہ ہے۔ آخر کبھی ان کو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کو بھی تو سمجھانا چاہیئے۔ یہ صرف رسالت کو سمجھانے کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہیں؟ کبھی توحید کو بھی تو سمجھانا چاہیئے۔ تو قرآن جواب دیتا ہے کہ سنو! توحید دعویٰ ہے، رسالت دلیل ہے لا الٰہ الا اللہ دعویٰ ہے۔ محمد رسول اللہ دلیل ہے۔ پہلے دلیل کو سمجھاتے ہیں، تب دعویٰ سمجھ میں آتا ہے۔ یہ دلیل کو سمجھا رہے ہیں تاکہ دعویٰ سمجھ میں آجائے۔

بتاؤ دوستو دلیل کیوں سمجھائی جاتی ہے؟ دلیل کا بذاتِ خود سمجھانا مقصود نہیں ہوا کرتا۔ مقصود یہ ہوتا ہے کہ لوگ دعویٰ کو سمجھ لیں۔

اسلام کی دلیل

الغرض دعوے کو سمجھانے کے لیے دلیل کو سمجھانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اب آؤ دیکھو کہ دلیل جو شان ہے وہ شان ہم دیکھ رہے ہیں۔ ذات گرامی محمد رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں۔ اس کو سمجھنے کے لیے پہلے اس مثال

کو ذہن نشین فرمالیں۔ مثلاً میں اگر کوئی دعویٰ کروں تو آپ چاہیں دعویٰ کو مانیں یا نہ مانیں۔ ماننے کے لیے تیار ہوں یا نہ تیار ہوں۔ فوراً ہی کہیں گے کہ دلیل دو۔ دیکھا آپ نے دعویٰ کی مخالفت فوراً شروع نہیں کی۔ پہلے فرمایا دلیل دو۔ میں نے جب دلیل دے دی تو کہنے لگے یہ کیسی دلیل دی، یہ تو بہت کمزور دلیل ہے۔ یہ دلیل اس سے ٹوٹتی ہے۔ اس میں یہ عیب ہے، اس میں یہ کمی ہے، اس میں یہ نقص ہے۔ تو دیکھو دعویٰ نہیں ماننا چاہا تو دلیل میں عیب نکالنے لگے۔ یہی تو مزاج ہے منکرین کا۔ دلیل کے اندر نقص تو بہت نکالتے ہیں۔ دلیل کے اندر عیب تو بہت نکالتے ہیں یہ دلیل کمزور، ہم نے دوسری دلیل دی، کہا اس میں یہ عیب۔ ہم نے تیسری دلیل دی، کہا اس یہ کھوٹ۔ ہم نے چوتھی دلیل دی۔ ہم دلیل دیے جا رہے ہیں، وہ دلیل کو بگاڑتے جا رہے ہیں۔ معلوم یہ ہوا کہ دعویٰ سے کوئی نہیں الجھا کرتا۔ الجھتے ہیں تو دلیل سے الجھتے ہیں۔ لڑتے ہیں تو دلیل سے لڑتے ہیں، اسی لیے ہم دیکھتے ہیں لا الٰہ الا اللہ سے کوئی کلمہ گو نہیں ٹکراتا ہوا نظر آ رہا۔ بلکہ ہم دیکھ رہے ہیں جو ٹکرا رہا ہے، وہ محمد رسول اللہ سے ٹکرا رہا ہے۔ جو الجھ رہا ہے محمد رسول اللہ سے الجھ رہا ہے۔ ذرا یہ تو دیکھو، یہ لوگ سیرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مطالعہ کر رہے ہیں؟ یہ عیب کو تلاش کر رہے ہیں، کمی کو ڈھونڈھ رہے ہیں۔ یہ کر رہے ہیں، وہ کر رہے ہیں۔ اس لیے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ اگر یہ دلیل ناقص ہو گئی تو دعویٰ بھی ناقص ہو جائے گا۔ اگر یہ دلیل ٹوٹ گئی تو دعویٰ بھی ٹوٹ جائے گا۔ یہی بات ہے واقعی یاد رکھنا۔ شیطان کو بھی دعوے سے کوئی الجھن نہیں پیدا ہوتی تھی، جب تک دعویٰ اس کے کان تک تھا، اس وقت تک اسے کوئی الجھن پیدا نہیں ہوتی تھی۔ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کا منکر شیطان کبھی نہیں تھا۔ لا الٰہ الا اللہ کا منکر اگر وہ پہلے ہی سے ہوتا، تو گروہ ملائکہ میں کیسے شامل کیا جاتا۔ لا الٰہ الا اللہ کا اگر وہ پہلے ہی سے منکر ہوتا تو جنت کی ہوائیں کیسے اس تک پہنچ سکتیں۔ لا الٰہ الا اللہ کا منکر وہ کبھی نہ تھا۔ جب امتحان کی منزل آئی تو کہا گیا تم دعوئ لا الٰہ الا اللہ کی دلیل محمد رسول اللہ کی روشنی میں مانتے ہو کہ نہیں۔ وہ انکار کر گیا۔ ظاہر ہو گیا کہ محمد رسول اللہ دلیل اور لا الٰہ الا اللہ ہے دعویٰ۔ لہٰذا جو دلیل کا منکر ہوا،

وہ دعویٰ کا منکر سمجھا گیا۔ یہ بھی اچھا طریقہ ہے منوانے کا کہ دعویٰ اوپر کا ہو، دلیل نیچے کی ہو۔ اس کی وضاحت کے لیے ہم آپ کو بتائیں۔ قرآن کریم نے بھی یہی انداز اختیار کیا ہے اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللہ فاتبعونی۔ اگر تم اللہ تعالیٰ کی محبت کا ادعا رکھتے ہو، میری اتباع کرو، میری پیروی کرو، محبت ہو خدا سے، پیروی ہو مصطفےٰ کی۔ یہ کیسا معاملہ ہے؟ یہ کونسی منطق ہے؟ یہ کونسا فلسفہ ہے؟ اگر میں یہ کہوں کہ مجھ سے اگر محبت رکھتے ہو تو مولانا ارشد القادری کی پیروی کرو، ان کی اطاعت کرو۔ آپ کہیں یہ تو الٹی منطق نظر آ رہی ہے۔ ارے بات تو صحیح یہ معلوم ہوتی ہے اگر مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میری اطاعت کرو۔ مجھ سے محبت کرتے ہو تو میری فرمانبرداری کرو۔ مجھ سے محبت کرتے ہو تو میری بات مانو۔ یہ کیسی بات؟ محبت مجھ سے اور اتباع اُن کی۔ محبت مجھ سے اور اطاعت ان کی۔

ایک راز کی بات

دوستو! اس میں ایک راز کی بات ہے۔ اگر صرف اپنی محبت تک بات رہتی۔ یعنی اگر شیطان سے صرف اتنا ہی کہا جاتا کہ کہہ دے لا الہ الا اللہ تو اسے اس سے انکار نہ ہوتا۔ امتحان ایسا ہی لیا جاتا ہے اور اس میں سب سے بڑے راز کی بات یہ ہے کہ یہ تو ہو سکتا ہے کہ ایک شخص خدا کی محبت کا دعویٰ کرے، مگر رسول کی محبت کا دعویٰ نہ کرے۔ ایسا ہو سکتا ہے، بہت ہوتا ہے۔ زمانے میں ایسی بات ہے کہ لا الہ الا اللہ کے ماننے کا ادعا رکھے، مگر محمد رسول اللہ کے ماننے کا ادعا نہ رکھے، مگر ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ محمد رسول اللہ کو مانے اور خدا کو نہ مانے۔ ایسی کوئی نظیر ہی نہیں مل سکتی، ایسی کوئی مثال ہی نہیں مل سکتی۔ اسی لیے دوستو! ہمارے علمائے ملتِ اسلامیہ بھی وقت کے نبّاض ہیں۔ وہ ایسے ہی نسخہ دیتے ہیں، جب یہ نعرہ سنایا گیا غوث کا دامن نہیں چھوڑیں گے۔ خواجہ کا دامن نہیں چھوڑیں گے۔ ابھی آپ نعرہ لگاتے رہے، نعرۂ پیرِ دستگیر، نعرۂ حیدری، یا علی۔ میں یہ سوچنے لگا کہ یہ کیا بات ہے؟ غوث کا دامن نہیں چھوڑیں گے خواجہ کا دامن نہیں چھوڑیں گے۔ اس طرح تو آپ کو یہ کہنا چاہیے تھا، ابتداءً کہ رسول کا دامن نہیں چھوڑیں گے۔ صحابہ کرام کا دامن نہیں چھوڑیں گے۔ صدیق و فاروق کا دامن نہیں چھوڑیں گے،

مگر یہ آتے ہیں تو یہاں کہتے ہیں کہ غوث کا دامن نہیں چھوڑیں گے، خواجہ کا دامن نہیں چھوڑیں گے۔ تو فلسفہ حل ہو گیا کہ یہ نکتہ، یہ فلسفہ انہوں نے قرآن سے سیکھا ہے۔ اس لیے کہ یہ ہوسکتا ہے کہ ایک خدا کی محبت کا دعویٰ کرے، مگر رسول کی محبت کا دعویٰ نہ کرے۔ مگر یہ ناممکن ہے کہ کوئی رسول کو چاہے خدا کو نہ چاہے۔ ایسے ہی یہ ہوسکتا ہے، ایک رسول کی محبت کا دعویٰ کرے مگر صحابہ کرام کی محبت کا دعویٰ نہ کرے یا اہل بیت کا منحرف ہو، مگر یہ ناممکن ہے کہ کوئی صحابہ اور اہل بیت کو چاہے اور رسولِ خدا کو نہ چاہے۔ ایسے یہ بہت ممکن ہے کہ اہل بیت اور صحابہ کی محبت کا دعویٰ کرنے والا وہ دعویٰ چاہے جھوٹا ہی سہی، ان کو مانے، مگر ائمہ مجتہدین کو نہ مانے۔ امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہ مانے۔ امام شافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہ مانے۔ مگر یہ ناممکن ہے کہ ائمہ مجتہدین کو ماننے والا صحابہ و تابعین کو نہ مانے۔ ایسے ہوسکتا ہے ائمہ مجتہدین کی محبت کا دعویٰ کرنے والا غوث جیلانی کو نہ مانے۔ خواجہ اجمیری کو نہ مانے، سرکارِ لاہوری کو نہ مانے، حضرت شاہ نقشبند کو نہ مانے۔ مگر یہ ناممکن ہے کہ ان بزرگوں کو ماننے والا امام شافعی کا گستاخ ہو۔ امام حنبل کا منکر ہو۔ امام اعظم کو نہ مانے معلوم یہ ہوا کہ اگر ہم اوپر سے سلسلہ چلائیں گے تو نہ جانے آپ کہاں ٹھہر جائیں، لہٰذا نیچے سے چلاؤ کہ ایک ایسا دامن پکڑا دو کہ سارے دامن ہاتھ میں آجائیں۔ ظاہر ہو گیا کہ دعویٰ کو نہ ماننے والا اس کی دلیل ہی میں الجھا کرتا ہے۔

محمد رسول اللہ کس کی دلیل ہیں؟

مگر ایک بات سنو۔ ہر شخص کا علم برابر نہیں ہوتا ہے۔ میں نے ایک دلیل دی، توڑ دیا علامہ ارشد القادری صاحب نے۔ اور مولانا ارشد القادری نے دلیل دی، ان کے استاد نے توڑ دیا۔ دلیل کمزور رہی۔ استاد نے دلیل دی تو ان کے استاد نے توڑ دیا۔ معلوم ہوا کہ جب علم بڑھتا جاتا ہے تو دلیل کے اندر نقص پیدا کرنے کی بھی صلاحیت پیدا ہوتی جاتی ہے تو ہمیں دیکھنا ہے کہ محمد رسول اللہ جلا الہ الا اللہ کی دلیل ہیں، یہ دلیل کس نے دی ہے؟ یہ بوعلی سینا کی دلیل ہے؟ یہ ارسطو کی دلیل ہے؟ یہ فارابی کی دلیل ہے؟ یہ مقراطیس کی دلیل ہے؟ یہ افلاطون کی دلیل ہے؟

یہ سقراط و بقراط کی دلیل ہے؟ اگر یہ بقراط کی دلیل ہے تو امکان ہے کہ سقراط توڑ دے۔ اگر یہ شیخ بو علی سینا کی دلیل ہے تو ممکن ہے ارسطو توڑ دے۔ اگر یہ ارسطو کی دلیل ہے تو ہو سکتا ہے افلاطون توڑ دے اور اگر یہ افلاطون کی دلیل ہے تو ممکن ہے جالینوس توڑ دے۔ ہمیں دیکھنا ہے کہ یہ دلیل کس کی ہے تو قرآن کہتا ہے سنو بُرْھَانٌکُمْ مِنْ رَبِّکُمْ۔ یہ تمہارے رب کی دلیل ہے۔ اب اس کو توڑنے کے لیے یا تو رب کے برابر علم لے آؤ یا رب سے بڑھ کر علم لے آؤ اور جب دونوں چیزیں محال ہیں، تو اس کے اندر عیب کا ہونا بھی محال ہے۔ اس کے اندر نقص کا پانا بھی محال ہے، اس لیے کہ ایسے ویسے کی دلیل نہیں، رب کی دلیل ہیں اور یہ بھی تو غور کرو اگر دلیل ٹوٹے گی تو دلیل کا کیا ہوگا؟ یہ تو دلیل دینے والے کے ناموس کا سوال ہے۔ دلیل دینے والے کی بات کا سوال ہے۔ دلیل ہم نے دی، دلیل ٹوٹ گئی۔ دلیل کا کیا ہوا؟ جو کچھ ہوا دلیل دینے والے کا ہوا، لہٰذا ہم کوشش کرتے ہیں کہ ہماری دلیل ٹوٹنے نہ پائے۔ ہم اپنی کوشش میں ناکام تو ہو سکتے ہیں۔ بتاؤ اگر قادرِ مطلق یہ چاہے کہ اس کی دلیل ٹوٹنے نہ پائے تو کون توڑ سکے گا جسے خدا سنوارے اسے کون بگاڑ سکتا ہے؟

اچھی طرح سمجھ لو، یہ بو علی سینا کی دلیل نہیں ہیں، یہ ارسطو کی دلیل نہیں ہیں، یہ افلاطون و دی مقراطیس کی دلیل نہیں ہیں بُرْھَانٌ مِنْ رَبِّکُمْ یہ تمہارے رب کی دلیل ہیں۔ تم بگاڑنے کی کوشش کرو گے، نہیں بگاڑ سکو گے۔ تمہارا مقدر تو بگڑ سکتا ہے، مگر یہ دلیل نہیں بگڑ سکتی۔ اس کو بنانے والے نے ایسا بنا دیا ہے، اس کو سنوارنے والے نے ایسا سنوار دیا ہے کہ کوئی بگاڑ نہیں سکتا۔ مگر دوستو یہ دیکھو، دیکھنے والے بھی عجیب نظر سے دیکھتے ہیں۔ دیکھنے کا عجیب زاویہ بنا رکھا ہے۔ اس دلیل کو اس حیثیت سے نہیں دیکھ رہے ہیں کہ یہ لاالہ الااللہ کی دلیل ہیں، بلکہ اس حیثیت سے دیکھ رہے ہیں کہ یہ چلتا پھرتا ہے، کھاتا پیتا ہے، سوتا جاگتا ہے، اٹھتا بیٹھتا ہے۔

غور سے دیکھو کیا عقل و دانائی کا دیوالیہ نہیں ہے کہ قرآن کریم میں چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ آیاتِ کریمہ ہیں، مگر اس میں جناب کو صرف ایک ہی آیۂ کریمہ یاد رہی۔ ارے میں نہیں کہتا ہوں کہ یہ آیت نہیں۔ اس کے ہر گوشے پر ہمارا ایمان ہے۔ اس کے ہر نقطے پر ہمارا ایمان ہے۔ اس کے ایک

ایک زیر وزبر پر ہمارا ایمان ہے، مگر یاد کرنے والے کے ذوق کا تو پتہ چلتا ہے کہ اس کا انتخاب کیا ہے۔ وہ سمجھ نہیں رہا ہے۔ بے سمجھے یاد کیے ہوتے ہے۔ آیت کریمہ : یَاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّنَذِیْرًا وَّدَاعِیًا اِلَی اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِیْرًا۔ یہ یاد نہیں ہے۔ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ۔ یہ یاد نہیں ہے۔ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ۔ یہ یاد نہیں ہے۔ وَمَا هُوَ عَلَی الْغَیْبِ بِضَنِیْنٍ یہ یاد نہیں ہے، کچھ بھی یاد نہیں ہے۔

تمہاری طرح بشر

اگر یاد ہے تو کیا یاد ہے قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ۔ اور یہ بھی دیکھو ہر سائز کے لوگوں کو یہی یاد ہے۔ هٰکذا، هٰکذا۔ هٰکذا۔ معلوم ہوتا ہے کہ جتنا نصابِ تعلیم ہے، اس میں صرف یہی آیت سمجھائی جاتی ہے۔ پھر بھی تو سمجھ لیتے، تو کام بن جاتا۔ اس پر بھی تو سمجھ نہیں پاتے۔ ایسے موقع پر آپ کے ذہن میں جو شبہات ابھر سکتے ہیں۔ اس کو خود اپنی طرف سے بیان کر کے کوشش کرتا ہوں کہ وہ رفع ہو جائیں۔ دیکھو قرآن شریف کی جس آیت کریمہ کی تلاوت کا میں نے ابھی شرف حاصل کیا ہے قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ۔ اس کا سیدھا سا ترجمہ عرض کروں گا۔ اپنی طرف سے کوئی ایسی بات نہ کہوں گا کہ کوئی کہے کہ ترجمے میں اپنی طرف سے لفظ بڑھا دیا ہے۔

اچھا ترجمہ سنو! اے محبوب کہہ دو کہ میں تمہاری طرح بشر ہوں۔ کتنا سیدھا ترجمہ ہے، کتنا واضح ترجمہ ہے۔ مگر ایک بات میں پوچھوں گا آپ سے۔ ایک سوال میں کروں گا آپ کے ایمان سے، آپ کے شعور سے۔ آپ کے دین سے، آپ کی دیانت سے۔ آپ تفسیروں کی روشنی میں بتائیں کہ قُل کے مخاطب کون ہیں؟ رسولِ کریم۔ ان سے کہہ دیں، صدیق اکبر سے، جواب دو گے نہیں۔ فاروقِ اعظم سے کہو گے نہیں، ان سے بھی نہیں۔ عثمان غنی سے نہیں، علی مرتضیٰ سے نہیں۔ سلمان فارسی سے، نہیں۔ صہیب رومی سے نہیں۔ بلال حبشی سے نہیں۔ اے محبوب! ان سے مت کہو، ان سے کہو یہ قُل کے مخاطب کون ہیں؟ اے رسول! ان کو یعنی کافروں کو مخاطب بنا کے کہو۔ اس میں کچھ مصلحت ہے، اس میں کوئی حکمت ہے۔ اس حکمت کی طرف آپ کے ذہن کو

ابھی نہیں لے جانا چاہتا۔

الغرض اے محبوب ! ان سے کہو۔ ان سے مت کہو، جو دامن میں آگئے ہیں، ان سے نہ کہو۔ ان سے کہو جو بچھڑے ہوتے ہیں، بگڑے ہوتے ہیں۔ ذرا غور کرو۔ مشرکین سے کہو، کفار سے کہو کہ میں تمہاری طرح بشر ہوں۔ میں یہ پوچھتا ہوں کہ قل کے مخاطب جب کفار و مشرکین ہیں خطاب جب کفار و مشرکین سے کیا گیا ہے تو اب اگر کوئی یہ کہے کہ اس قُل کے مخاطب ہم ہیں تو وہ اسی گروہ میں ہوگا جو اس آیت کے لفظ کُم کے مخاطب تھے۔ ان سے یعنی مومنین سے جب کہا نہیں گیا تو یہ مخاطب کیسے ہوسکتے ہیں اور لطف کی بات یہ ہے کہ کہا گیا تھا اے محبوب ! تم کہو اور یہ کہنے لگے۔ ان سے کب کہا گیا تھا کہ تم کہو۔

اور جب قُل کے مخاطب کفار تھے تو اب جو کہے کہ قل کے مخاطب ہم ہیں، ہم اس آیت کے مخاطب ہیں، وہ یقیناً ایمان والوں کے دائرے سے نکل کر انہیں میں پہنچتے ہیں جو مخاطب تھے چاہے سمجھ کے پہنچے، چاہے بے سمجھے پہنچے۔ ایک سوال میں تمہارے ایمان سے کرتا ہوں۔ اچھا سنو جی ! ابوجہل کو مخاطب بنایا۔ ابولہب کو مخاطب بنایا۔ عقبہ بن ابی معیط کو مخاطب بنایا۔ ولید ابن مغیرہ کو مخاطب بنایا۔ بنایا نا مخاطب۔ اب کیا تم ابوجہل کو یہ حق دینے کو تیار ہو کہ تمہارے رسول کو اپنے جیسا کہے۔ کیا تم عتبہ و شیبہ کو یہ حق دینے کے لیے تیار ہو کہ وہ کہے اے مسلمانو! تمہارا رسول ہماری طرح ہے۔ ہم تمہارے رسول کی طرح۔ دیکھو تمہارا قرآن ہمیں سے خطاب کر رہا ہے۔ ہمیں کو مخاطب بنا رہا ہے۔ ہم کو پورا حق ہوگیا ہے کہ ہم تمہارے رسول کو اپنی طرح کہیں اور اپنے کو تمہارے رسول کی طرح کہیں۔ کیا حق دے رہے ہو تم انہیں۔ دو گے ابوجہل کو یہ حق۔ دو گے ابولہب کو یہ حق۔ یقیناً تم یہی کہو گے، ہم انہیں ہرگز حق نہ دیں گے تو یہ کیسے غضب کی بات ہے۔ جن کو مخاطب بنایا گیا، ان کو حق نہیں دے رہے ہو اور پھر جن کو مخاطب ہی نہ بنایا گیا، ان کو کیسے حق مل گیا ؎

فرش والے تری شوکت کا علو کیا جانیں　　خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

بشر نہ ماننے والا کافر

تم آئے ہو سمجھنے کے لیے ایک بات اچھی طرح سمجھ لو، یہ ہمارا اسٹیج ذمہ دار اسٹیج ہے۔ ہم پر افترا اور بہتان رکھا جاتا ہے کہ ہم نبی کو انسان نہیں مانتے، ہم نبی کو بشر نہیں مانتے، تو میں پورے دعوے کے ساتھ اطمینان و ایقان کی منزل سے کہتا ہوں کہ دیکھو جہاں تک ماننے کا سوال ہے، نبی کو جو بشر نہ مانے، انسان جو نہ مانے وہ کافر ہے۔ اب اس سے زیادہ کون سی بات کہی جا سکتی ہے۔ سوال یہ نہیں ہے کہ نبی انسان ہیں کہ نہیں۔ سوال تو اس وقت اٹھتا ہے، جب تم کہتے ہو ہمارے جیسے ہیں تو جی چاہتا ہے آئینہ دکھا دیا جائے، پہلے اپنے کو تو دیکھو۔

مگر ایک بات اور بھی کہوں گا دوستو۔ ایک بات اچھی طرح سے اور سمجھ لو کہ جہاں تک نبی کے بشر ہونے کا سوال ہے، نبی بشر ہیں۔ یہ ہمارے عقیدے کی بات ہے۔ یہ ہمارے ایمان کی بات ہے۔ مگر اتنا سمجھ لینا کہ ہر سچی بات کہی نہیں جاتی۔ کہنے کے لیے یہ نہ کہو کہ سچی بات ہے تو کہنے میں کیا جرم ہے؟ سنو جی! میں اس کو مسائلِ فقیہہ سے قرآنِ کریم کی آیات سے اور روزمرّہ کے محاورات سے سمجھانے کی کوشش کروں گا۔ دیکھو میرا رب تبارک و تعالیٰ قادرِ مطلق، ساری کائنات کا مالک، ذرّے ذرّے کا مالک، گوشے گوشے کا مالک، پتّے پتّے کا مالک، قطرے قطرے کا مالک، دریا دریا کا مالک محفل محفل کا مالک، صحرا صحرا کا مالک ملکِ السمٰوات والارض له ما فی السّموات والارض۔ ہے نا یہ حقیقت۔ اگر کسی ایک ذرّے کے بارے میں تم کہہ دو کہ خدا اس کا مالک نہیں تو کافر ہو گئے، مگر اگر کوئی بدقسمت، نقلِ کفر کفر نباشد۔ اگر کوئی نادان ناسمجھ یہ کہے کہ خدا میرے سنڈاس کا مالک ہے وہ کافر ہو گیا۔ بات سچی بھی کہی نہیں جاتی۔ کہنے والے جو تجھے مالک کہنا ہے تو مالک یوم الدین کہا ہوتا، مالکِ رسولِ عربی کہا ہوتا، مالکِ جبرئیل و میکائیل کہا ہوتا۔ تو نے ذلیل مملوک کی طرف نسبت کر کے مالک کی توہین کی۔ لفظوں کی شناخت کو دیکھو۔ لفظوں کی کراہت کو دیکھو۔ ذلیل مملوک کی طرف نسبت کر کے تو ایمان سے ہاتھ دھو بیٹھا ہے۔ دیکھا سچی بات کہی نہیں جاتی۔ ایسے ہی دوستو! میرا خالقِ کائنات خالق السمٰوات والارض ہے۔ کوئی ایسی چیز ہے جس کا خالق خدا نہ ہو؟

مگر سنو جی فقہہ کا مسئلہ۔ اگر کوئی بدبخت یہ کہہ دے کہ خدا تعالیٰ خنزیر کا مالک ہے، وہ کافر ہوگیا۔ بات سچی ہے مگر کہی نہیں جاتی۔ خالق کہتا ہے تو خالقِ رسولِ عربی کہو، خالق السمٰوٰت والارض کہو، ساری بات آجاتی ہے۔ یہ ذلیل مخلوق کی طرف خصوصیت کے ساتھ تو نے کیوں نسبت دیا؟ ہوگیا نا کفر۔ اور میں آگے لے چلوں دوستو۔ قرآن کریم سے ثابت ہے کہ انسان قطرۂ ناپاک سے پیدا ہوا۔ پیدا ہوا نا۔ اچھا کسی کو بلاؤ تو سہی یہ کہہ کر اے قطرۂ ناپاک سے پیدا ہونے والے، کسی کو ایسے کہہ کے آواز تو دو؛ تو کتنی تاجپوشی ہوگی آپ کی یہ کہا نہیں جاسکتا اور پھر جب تم قرآن کریم کی آیت پڑھو گے تو کہے گا کہ آیت تو بعد میں سمجھائیں گے، تاجپوشی پہلے ہولے۔ اس لیے کہ یہ بات سچی تو ہے، کہی نہیں جاتی۔ یہ کوئی کہنے کی بات ہے؟

گُستاخ بچہ

ایسے ہی دوستو! اگر کوئی نافرمان یا گستاخ شوخ چشم بچہ اپنے ماموں کو یہ کہہ کر بلاتے اے ابا کے سالے ذرا سُن لیجئے۔ یا اپنی ماں کو یہ کہہ کر پکارے اے میرے ابا کی رَن ذرا سُن لے۔ بات کتنی سچی اس نے کہی ہے۔ اس پر وہ حلف اٹھا سکتا ہے کہ اگر سالا نہیں تو ماموں کہاں سے ہوگا۔ اگر ابا کی بیوی نہیں تو ماں کہاں سے ہوگی، مگر اس پر کتنے جوتے برسیں گے، اس کا بھی کوئی شمار نہیں ہے۔ بات سچی ہے کہی نہیں جاتی۔ ہر بات سچی کہی نہیں جاتی۔ بات تو بالکل ٹھیک ہے مگر کہی نہیں جاتی۔ تو میں یہی کہتا ہوں، دوستو! جہاں تک ماننے کا سوال ہے کون کہتا ہے کہ نبی کو بشر نہ مانو، انسان نہ مانو، مگر یہ کہنے کی عادت تو نے کیسے بنالی ہے۔ بشر تو کافر بھی کہا کرتے تھے۔ وہ بات کہو جو مومن کے سوا کوئی نہ کہہ سکے ؎

فرش والے تیری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

شبِ معراج کا واقعہ

آج میرے رسول کے چلنے پھرنے کو کیا آپ ہی دیکھ رہے ہیں! اٹھنے بیٹھنے کو کیا آپ دیکھ رہے ہیں؟ کیا سیدنا جبرئیل علیہ السلام نے نہیں دیکھا تھا؟ کیا سیدنا جبرئیل نے مکے میں چلتے ہوئے نہیں دیکھا تھا؟

کیا سیدنا جبرئیل نے مدینے کی گلیوں میں نہیں دیکھا تھا؟ کیا سیدنا جبرئیل نے میرے رسول کو کھاتے پیتے نہیں دیکھا تھا؟ تو یہ کیا منظر ہے کہ جب میرے رسول نے کہا اے جبرئیل یہیں کیوں ٹھہر گئے؟ میں صرف اشارہ ہی کروں گا۔ واقعات کی تفصیلات آپ کے سامنے ہے۔ معراج کی رات کا واقعہ ہے۔ الغرض جب رسول نے کہا یہ کیسی رفاقت تم یہیں ٹھہر گئے؟ آگے چلو۔ تو سیدنا جبرئیل نے جو عرض کیا شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے اس کی کیا اچھی ترجمانی کی ہے ؎

اگر یک سر موئے برتر پرم فروغِ تجلّی بسوزد پرم

اے رسول آپ تشریف لے جائیے۔ میں اب اگر آپ کے ساتھ آگے چلا تو تجلّی کے فروغ سے میرے پَر جل جائیں گے۔۔ کیا مطلب؟ اے رسولِ عربی! جب آپ عالمِ بشریت سے گذر رہے تھے تو لباسِ بشری آپ پر تھا، میں آپ کے ساتھ ساتھ تھا، مگر اب آپ کی حقیقت بے حجاب ہونے والی ہے۔ اے رسول اگر اب میں آپ کے ساتھ چلا تو آپ کی تجلّی کے فروغ سے میرے پر جل جائیں گے۔

اب میں حقیقتِ محمدیہ کی تاب نہیں لا سکتا۔ اے رسول! ہم آپ کے صورتِ حقیقی کے جلوے کی تاب نہیں لا سکتے۔ آپ جائیے۔ مگر دوستو! اس ترجمہ کو بھی قبول کرلیں بڑی مشکل ہے۔ اس لیے کہ مولوی صاحب یہ بھی ترجمہ سکھاتے ہیں۔ یہاں مطلب یہ تھا کہ حضرت جبرئیل یہ عرض کر رہے ہیں کہ اگر میں ایک بال کے برابر بھی اوپر گیا تو خدا کی تجلی سے میرے پر جل جائیں گے۔ چلو اس کو بھی سرآنکھوں پر رکھو۔ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ بات غلط ہے۔ مگر مجھے یہ بتاؤ حضرت جبرئیل علیہ السلام کہتے ہیں اگر میں بال برابر بھی آگے گیا، تو خدا تعالیٰ کی تجلّی سے میرے پر جل جائیں گے۔ حضرت جبرئیل کے پر جل جائیں گے حاملِ وحیِ الٰہی کے پَر جل جائیں گے۔ دیکھا آپ نے معصوم فرشتے کا پر جل رہا ہے۔ سید الملائکہ کا پر جل رہا ہے۔ نوری مخلوق کا پر جل رہا ہے۔ جانے والے تو جا میرا تو پر جل رہا ہے اس موقع پر حضرت جبرئیل کو کہنا چاہیئے تھا اے مکّے والے۔ اے مکّے کی سرزمین پر جلوہ افروزی فرمانے والے۔ آپ ہم سب سے یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم چلیں، ہماری درخواست قبول

کیجیے کہ خود آپ ٹھہر جایئے۔ آپ بھی آگے نہ جایئے، اس لیے کہ جب سدرہ والے کا پر جل رہا ہے، تو مکے والے کا بازو کہاں رہے گا؟ جب سید الملائکہ کا پر جل رہا ہے تو اے رسول آپ کا کیا حال ہوگا! میری بات مانیے، ٹھہر جایئے۔ یہ کہنا چاہیے تھا حضرت جبریل کو۔ مگر کیا ہوا خود تو ٹھہر گئے اور جانے والے کو جانے دیا۔ سیدنا جبریل علیہ السلام نے اپنے اس عمل سے ظاہر کر دیا کہ میرے تو پر جلیں گے، وہ نہ جلیں گے۔

ذرا غور تو کرو۔ سیدنا جبرائیل اپنے آپ کو رسول کی طرح نہ سمجھ سکے اور رسول کو اپنی طرح نہ سمجھ سکے۔ اگر اپنے آپ کو رسول کی طرح سمجھتے تو آگے بڑھ جاتے اور اگر رسول کو اپنی طرح سمجھتے تو روک لیتے۔ نہ آگے بڑھے نہ روکا اور دکھا دیا کہ میں رسول کی طرح نہیں اور نہ رسول میری طرح ہیں۔ ذرا غور کرو سید الملائکہ انہیں اپنی طرح نہ سمجھ سکے۔ معصوم فرشتے اپنی طرح نہ سمجھ سکے۔ نوری مخلوق اپنی طرح نہ سمجھ سکے۔ سدرہ نشیں اپنی طرح نہ سمجھ سکے۔ حاملِ وحیِ الٰہی اپنی طرح نہ سمجھ سکے۔ اب اگر دو ٹانگ کا جانور اپنی طرح سمجھے تو یہ دماغ کی خرابی نہیں تو اور کیا ہے؟

دعویٰ اور دلیل کی مزید وضاحت

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اسلام کا دعویٰ ہے اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ اس دعوے کی دلیل ہے۔ اس دعویٰ اور دلیل والی نسبت کو اور بھی واضح کر دوں۔ کلمہ آپ پڑھتے ہیں نا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ نہیں ہے کوئی معبود اللہ کے سوا اور محمد اللہ کے رسول ہیں (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) یہی تو ترجمہ ہے نا۔ دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک بات کیا ہے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ اور دوسری بات کیا ہے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ۔ دو باتیں ہیں نا۔ اور جب آپ بھی دو بات کہنا چاہتے ہیں تو ایسے ہی نہیں بولتے بیچ میں ایک واؤ بھی ہوتا ہے، مثلاً زید آیا اور بکر گیا۔ فلاں آیا اور فلاں گیا۔ طارق نے کہا اور خالد نے سنا۔ یہ اور کا لفظ بتا رہا ہے کہ پہلا جملہ کچھ اور کہہ رہا ہے اور دوسرا جملہ کچھ اور۔ اس اصول کی روشنی میں کلمہ یوں ہونا چاہیے لا اله الا الله و محمد رسول الله۔ نہیں ہے کوئی معبود اللہ کے سوا اور محمد اللہ کے رسول ہیں۔ مگر نہیں دیکھو یہ تمہارا کلمہ واؤ کی جدائی بھی برداشت نہیں کر رہا ہے کہ تم

لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ کے مابین واؤ کی فصل لے آؤ، اتنا بھی برداشت نہیں۔ کیوں اس لیے کہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ دعویٰ ہے اور مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ دلیل ہے۔ اگر دلیل دعوے سے جدا ہو جائے تو کون دعویٰ کو سمجھاتے۔

زِندوں کا کلمہ

ایک بات اور ہے، ذرا ترجمے پر غور کرنا۔ یہ ترجمہ کن کا ہے۔ ہمارا تمہارا ترجمہ۔ ترجمہ کیا ہے نہیں ہے کوئی معبود اللہ کے سوا اور محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ یہی ترجمہ ہے نا اتنے علما کرام ہیں، سب یہی ترجمہ کریں گے کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ صحابہ نے بھی تو یہی پڑھا کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ تابعین نے بھی یہی پڑھا محمد اللہ کے رسول ہیں۔ آپ بھی یہی پڑھ رہے ہیں کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ قیامت تک آنے والا ہر مومن یہی پڑھے گا کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔

یہ ہیں ہیں کی بڑی رٹ لگا رہے ہو۔ ذرا غور تو کرو۔ ابھی میں اگر یہ کہوں کہ میں فلاں شہر میں گیا۔ وہاں ایک عالم ہیں، اچھے ہیں۔ ایسے ہیں ویسے ہیں۔ بہت ہی اخلاقی قدروں کے حامل ہیں۔ بہت اچھے ہیں، بہت خوش اخلاق ہیں۔ تو ابھی ہم نے کچھ نہیں کہا، مگر "ہیں" یہ بتا رہا ہے کہ وہ موجود ہیں۔ اور اگر میں کہتا ایک عالم تھے۔ ایسے تھے، ویسے تھے۔ بڑے اچھے تھے۔ بڑے نیک تھے۔ تو ہم نے تو کچھ نہیں بتایا، "تھے" نے بتا دیا کہ اب نہیں ہیں۔ آپ کہتے چلے جا رہے ہو محمد اللہ کے رسول ہیں، محمد اللہ کے رسول ہیں۔ محمد اللہ کے رسول ہیں (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم)، تو یہ کلمہ اس کا ہے جو رسول کے وجود کو مانتا ہو اور جو نہیں مانتا، اسے چاہیے کہ وہ مردوں والا کلمہ پڑھے، یہ تو زندوں والا کلمہ ہے لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ۔

بتاؤ اس سے بڑھ کے اور نفاق کیا ہوگا کہ کہو محمد اللہ کے رسول ہیں اور مانو رسول تھے۔ ارے کم از کم زبان کو دل کے مطابق تو کر لو۔

اور ایک بات سنو لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ۔ اس کلمے کا نام کیا ہے؛ اسے کلمۂ طیب کہتے ہیں، کلمۂ توحید کہتے ہیں، مگر میں کہتا ہوں کہ یہ جو کلمۂ توحید کہتے ہیں بڑی بے انصافی

کی بات ہے، اس لیے کہ اس میں صرف توحید ہی کا سبق تو ملتا نہیں، بلکہ رسالت کا بھی تو سبق ملتا ہے۔ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ تو ایسا کیوں نہیں کرتے کہ کلمۂ توحید و رسالت نام رکھ دو۔ اس کا بھی جواب یہی ہے کہ سنو اس کلمہ میں توحید جو موجود ہے وہ دعویٰ ہے اور رسالت اس کی دلیل ہے جو لا الٰہ الا اللہ سے سمجھانا ہے، اسی کو محمّد رسول اللہ سمجھانے آتے ہیں۔ اچھا اب ایک دوسرے رُخ سے غور کرو لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ کا مطلب کیا ہے؟ نہیں ہے کوئی معبود۔ نہیں ہے کوئی الوہیت والا۔ نہیں ہے کوئی الٰہیت والا اللہ تعالیٰ کے سوا۔ ظاہر ہو گیا کہ میرا خدا وہ ہے جو اپنی الٰہیت الوہیت میں وحدہٗ لاشریک ہے۔ مگر میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اس کا نام کلمۂ توحید کیوں رکھا، کلمۂ رسالت کیوں نہیں رکھا؟ کلمۂ توحید و رسالت کیوں نہیں رکھا۔

دو طرح کے مشرک

لا الٰہ اِلَّا اللہ میں بھی توحید ہے اور محمد رسول اللہ میں بھی توحید ہے۔ لا الٰہ الا اللہ نے ہمیں یہ سمجھایا کہ میرا خدا اپنی الٰہیت اور الوہیت میں وحدہٗ لاشریک ہے اور محمد رسول اللہ نے یہ سمجھایا کہ میرا نبی اپنے کمالاتِ رسالت و نبوت میں وحدہٗ لاشریک ہے تو وہاں توحیدِ الٰہیت ہے اور یہاں توحیدِ رسالت ہے۔ میرا رسول رسالتِ عامہ والا ہے۔ یہ اپنی رسالت میں وحدہٗ لاشریک ہے۔ تو سوچو مشرک کی دو قسمیں ہو گئیں۔ جو خدا کی ذات و صفات میں کسی کو شریک کرے، وہ بھی مشرک اور جو رسول کی ذات وصفات میں کسی کو شریک کرے وہ بھی مشرک۔ فقہا چاہے اس پر مشرک کا لفظ استعمال کریں یا نہ کریں، صرف کافر کہہ کے آگے بڑھ جائیں۔ مگر میں تو دیکھتا ہوں کہ دونوں مشرک ہیں۔ ایک خدا تعالیٰ کی ذات میں دوسرے کو شریک کر کے مشرک بنتا ہے اور دوسرا رسول کی ذات میں غیر رسول کو شریک کر کے مشرک بنتا ہے۔ بعض نا سمجھ الزام رکھتے ہوئے کہتے ہیں کہ دیکھو یہ رسول کو حد سے زیادہ بڑھا کر خدا سے ملا دیتے ہیں۔ یعنی خدا تعالیٰ کی حد سے ملا دیتے ہیں۔ مجھے حیرت ہے کہ ہم رسول کی حد نہ سمجھ سکے یہ خدا تعالیٰ کی حد سمجھ گئے۔ یعنی خدا کی حد متعین کر دی، جہاں سے رسول کو ملایا۔

اچھا غور کرو ہم رسول کو جو کچھ کہتے ہیں۔ اگر یہی خدا سے ملانا ہے۔ ہم رسول کو جتنا کہتے ہیں اگر یہی رسول کو خدا سے ملانا ہے تو سنو تمہاری شکایت تو یہ ہے کہ ہم نے رسول کو خدا سے ملایا اور میری شکایت یہ ہے کہ تم نے خدا کو رسول سے ملا دیا۔ یہ شرک معکوس دیکھنے کے لائق ہے سہ

فرش والے تیری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اُڑتا ہے پھریرا تیرا

تو لا الٰہ الا اللہ اسلام کا دعویٰ ہے اور محمد رسول اللہ اس کی دلیل ہے، اسی لیے دلیل کو سمجھایا جاتا ہے۔ ایک بات اور سوچو کہ تم سب کلمہ پڑھتے ہو نا۔ پہلے لا الہ الا اللہ پھر محمد رسول اللہ۔ پہلے لا الہ الا اللہ پھر محمد رسول اللہ۔ مگر ایک بات بتاؤ کہ پہلے تم نے محمد رسول اللہ کو مانا کہ لا الہ الا اللہ کو۔ پہلے محمد رسول اللہ پر ایمان لاتے یا لا الہ الا اللہ پر۔ سنو جی اچھی طرح سمجھ لو۔ وجود کے اعتبار سے مقدم ہے لا الہ الا اللہ اور ایمان کے اعتبار سے مقدم ہیں محمد رسول اللہ۔

ایک بات بتاؤ میں مانتا ہوں سورج پہلے ہے روشنی بعد میں ہے۔ چاند پہلے ہے چاندنی بعد میں ہے۔ دریا پہلے ہے روانی بعد میں ہے۔ آبشار پہلے ہے نغمے بعد میں ہیں۔ پھول پہلے ہے مہک بعد میں ہے۔ موتی پہلے ہے چمک بعد میں ہے۔ مگر یہ بتاؤ کہ پہلے تم نے چاند کو دیکھا کہ چاندنی کو دیکھا۔ تمہیں پہلے سورج ملا کہ روشنی ملی۔ تمہارے سوچنے کی بات ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اِدھر سے چلو تو سورج پہلے روشنی بعد میں۔ چاند پہلے چاندنی بعد میں اور اُدھر سے چلو تو چاندنی پہلے چاند بعد میں۔ روشنی پہلے سورج بعد میں۔ تو بتاؤ کہ تم اُدھر سے آ رہے ہو کہ اِدھر سے جا رہے ہو۔ اور جب تم اِدھر سے جا رہے ہو تو پہلے محمد رسول اللہ پھر لا الہ الا اللہ۔ لہٰذا میں علمائے ملتِ اسلامیہ سے گزارش کروں گا کہ کلموں کو کچھ بدل دیا جائے پہلے محمد رسول اللہ پھر لا الہ الا اللہ۔ مگر کیا بات ہے کہ تم نہیں بدلتے بلکہ کہتے ہو کہ کلمہ کی ترتیب ٹھیک ہے کہ پہلے لا الہ الا اللہ ہو اور بعد میں محمد رسول اللہ پھر میں نے کہا واہ بھئی پہلے تو میں نے محمد رسول اللہ کو سمجھا تھا۔

تبلیغ کا طریقہ

اس سلسلے کی ایک بات اور عرض کر دوں۔ جب جانتے ہیں کہ میرے رسول نے فاران کی چوٹی سے اپنی قوم کو بلایا اور بلانے کے بعد پہلے قوم سے وہ قوم جس میں میرے رسول نے ۴۰ سال تک خاموش زندگی گزاری اس کے بعد بلا کر پوچھا۔ دیکھو تم مجھ کو کیا سمجھتے ہو؟ کیا اسی کے لیے بلایا تھا۔ یہ تو رسول جانتے ہی تھے کہ یہ آپ کو کیسا سمجھتے ہیں؟ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوال پر سب نے کہہ دیا آمین۔ سچے دیانت دار۔ یہ وہ ہیں۔ الغرض بہت کچھ تعریف کر دی۔ اچھا جب سچا سمجھتے ہو تو اگر میں کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے ایک لشکر ہے جو تمہیں تباہ کر دینا چاہتا ہے۔ میرے کہنے سے مانو گے اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) آپ کبھی جھوٹ نہیں بولتے۔ آپ کہیں گے تو ہم مان لیں گے تو میرے رسول کے ارشاد کا خلاصہ یہی تو تھا کہ جب میرے کہنے سے تم بن دیکھے لشکر کو مان رہے ہو، تو میرے ہی کہنے سے بے دیکھے خدا کو مان لو۔ قولوا لا الہ الا اللہ تفلحوا۔ لا الہ الا اللہ، کہو۔ فلاح پا جاؤ گے۔ میں ابھی تفصیلات میں نہیں لے جانا چاہتا، اس کے گوشے بھی نہیں دکھانا چاہتا۔ میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ لا الہ الا اللہ کا پیغام رکھنے سے پہلے رسول نے اپنے کو کیوں سمجھایا؟ اپنے کو کیوں منوایا۔ پہلے اپنے کو منوا لیا پھر لا الہ الا اللہ کہا۔ پہلے مجھے تو مان لو، اس لیے کہ لا الہ الا اللہ دعوت ہے **محمد رسول اللہ** داعی ہیں۔ لا الہ الا اللہ ہدایت ہے۔ محمد رسول اللہ ہادی ہیں۔ لا الہ الا اللہ ارشاد ہے۔ محمد رسول اللہ مرشد ہیں۔ لا الہ الا اللہ کلام ہے۔ محمد رسول اللہ متکلم ہے۔ لا الہ الا اللہ ذکر ہے محمد رسول اللہ ذاکر ہیں۔ جو داعی کو نہ مانے گا۔ وہ دعوت کو کیا مانے گا؟ جو ہادی کو نہ مانے گا، وہ ہدایت کو کیا مانے گا؟ جو قائل کو نہ مانے گا، وہ قول کو کیا مانے گا۔ جو ذاکر کو نہ مانے گا، وہ ذکر کو کیسے مانے گا؟ تو رسول نے تبلیغ کا جو طریقہ ہمیں دیا ہے۔ وہ دیا ہے کہ پہلے ہمیں منواؤ، پھر خدا کو خود ہی مان لیں گے۔ اب تبلیغ کا وہ طریقہ جس میں رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو نہیں منوایا جاتا۔ وہ طریقہ خود ایک بدعت ہے اور وہ بھی بدعت سیئہ۔

ذکرِ خدا ہے ذکرِ رسول

تو آپ سبھوں نے دیکھ لیا نا کہ پہلے محمد رسول اللہ پھر لا الٰہ الا اللہ پھر یہ کلمہ ایسے کیوں کہتے ہو۔ ؟ لا الٰہ الاّ اللہ محمد رسول اللہ۔ یہ تو معاملہ الٹ گیا۔ کلمہ ایسے پڑھو تو ٹھیک رہے گا۔ محمد رسول اللہ لا الٰہ الاّ اللہ (محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اللہ کے رسول ہیں اور نہیں ہے کوئی معبود اللہ کے سوا۔ یہ اللہ کے رسول ہیں اور اس کے سوا معبود نہیں ہے۔ مگر نہیں دوستو! اس الجھن کو دور کر دیا۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے۔ آپ فرماتے ہیں کہ جب میرے خدا نے نورِ محمدی کو پیدا کرنا چاہا، تو اس نے ارشاد فرمایا محمد رسول اللہ۔ نورِ محمدی پیدا ہوگیا۔ نورِ محمدی نے عرض کیا لا الٰہ الاّ اللہ جلوۂ وحدت میں فنا ہوگیا۔ ربِ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا محمد رسول اللہ نورِ محمدی پیدا ہوگیا۔ نورِ محمدی نے عرض کیا لا الٰہ الاّ اللہ۔ جلوۂ وحدت میں فنا ہوگیا۔ یہ سلسلہ جب تک رب تبارک وتعالیٰ نے چاہا، ہوتا رہا۔ پھر نور قائم و مستقر ہوگیا۔ اب غور کرو کہ نورِ محمدی کیا عرض کر رہا ہے لا الٰہ الاّ اللہ اور میرا رب کیا فرما رہا ہے محمد رسول اللہ۔ تو لا الٰہ الا اللہ یہ رسول کا ذکر ہے اور محمد رسول اللہ یہ خدا کا ذکر ہے۔ یہ اللہ کا ذکر ہے۔ لا الٰہ الاّ اللہ یہ رسول کا کلام ہے۔ محمد رسول اللہ یہ خدا کا کلام ہے۔ قرآن نے بھی کہا ہے اے محبوب! قل ھو اللہ احد۔ اللہ الصمد۔ لم یلد۔ ولم یولد۔ اے محبوب تم کہو کہ اللہ ایک ہے۔ تم کہو کہ اللہ بے نیاز ہے۔ تم کہو کہ وہ لَمْ یلد ولَم یُولد ہے۔ تم کہو، یعنی یہ تمہاری بات ہے اور میں کہوں محمد رسول اللہ۔ والذین معہ اشداء علی الکفار۔ لا الٰہ الا اللہ تم کہو۔ محمد رسول اللہ میں کہوں۔ اب کلمہ کی ترتیب سمجھ آگئی۔ پہلے لا الٰہ الا اللہ۔ اس لیے کہ جو لا الٰہ الا اللہ کہے گا، وہ سنّتِ مصطفیٰ ادا کرے گا اور جو محمد رسول اللہ کہے گا، وہ سنّتِ کبریا ادا کرے گا تو پہلے لا الٰہ الا اللہ پھر محمد رسول اللہ پہلے سنّتِ مصطفیٰ ہے، پھر سنّت کبریا ہے۔ اب اس ترتیب کا مناسب ہونا ظاہر ہوگیا، یعنی جب تک سُنّت مصطفیٰ نہ پاؤ گے، تمہیں آگے بڑھنے کی اجازت نہ ملے گی۔

جادوگروں کا واقعہ

تو لا الٰہ الا اللہ دعویٰ ہے اور محمد رسول اللہ اس دعوے کی دلیل ہے۔ ایک بات میں تم کو بتاؤں جب تک آدمی دلیل کو نہیں سمجھتا۔ دعویٰ پر ایمان نہیں لاتا۔ ایک مقام پر اور بھی ایسا ہوا تھا۔ دعویٰ و دلیل کا نقشہ پیش ہوا تھا۔ جب جادوگروں نے مقابلہ کیا تھا۔ حضرت کلیم علیہ السلام کا مقابلہ کیا اور اس کے بعد نتیجے میں وہ جادوگر ایمان لا رہے ہیں۔ اٰمنا ربّ العٰلمین ربّ موسیٰ وھارون ہم رب العٰلمین پر ایمان لائے جو موسیٰ و ہارون کا رب ہے۔ کمال دیکھا حضرت موسیٰ علیہ السلام کا۔ ایمان لائے ربِ موسیٰ پر۔ معجزہ دیکھا حضرت کلیم کا اور ایمان لائے ربّ موسیٰ پر۔ معلوم ہوا کہ یہ دلیل وہ دعویٰ جو دلیل کو مانتا ہے، اس کو دعوے ماننا پڑتا ہے اور جب تک تم دلیل سے دُور رہو گے۔ دعویٰ سمجھ میں نہیں آئے گا۔ اس کو میں مثال سے سمجھاؤں گا کہ جو دور رہا وہ سمجھ نہ سکا۔ تم نے نہیں دیکھا ایک شخص ابھی دلیل سے دُور ہے، ابھی دلیل کو سمجھ نہیں سکا تو اس کا تیور کیا ہے؟ عجیب تیور ہے۔ ارادے بھی بڑے خراب ہیں۔ عزائم بھی اچھے نہیں ننگی تلوار لیے چلا جا رہا ہے۔ ایک جانب کو چلا جا رہا ہے اور قدرت کا انتظام تو دیکھو۔ دعویٰ اپنی دلیل کے قریب کر رہا ہے۔ یہ بڑے غصے میں جا رہے ہیں۔ بڑے تیور میں جا رہے ہیں مگر چشمِ کائنات نے یہی دیکھا کہ؎

عمرؓ سوئے نبی گئے، نظر سوئے عمرؓ گئی
پڑی نگاہِ مُصطفےٰ تو زندگی سنور گئی

دیکھا آپ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب دلیل کو سمجھ لیا، تو دعوے کو ماننا پڑ گیا۔ میں اس سلسلے میں ایک واقعے کی طرف آپ کے ذہن کو لے جاؤں گا۔ تفصیلات میں نہیں لے جاؤں گا، آپ بالکل مطمئن رہیں، اس لیے کہ میرے سامنے ہی گھڑی ہے۔ منتظمین نے اس کا پہلے ہی سے لحاظ رکھا ہے۔

حضرت عمیر کا واقعہ

دو نام یاد رکھو صفوان ابن امیہ۔ عمیر ابن وہب۔ یہ دونوں حطیم کے پاس بیٹھے ہوئے کچھ مشورے کر رہے تھے۔ حطیم

کے پاس بیٹھے ہوئے کچھ بات کر رہے تھے۔ دو کے سوا کوئی تیسرا نہیں ہے۔ غزوۂ بدر کے بعد کا موقع ہے۔ عمیر کا لڑکا وہب اسیرانِ بدر میں جا چکا ہے۔ عمیر اپنے اضطراب و بے چینی کا اظہار کر رہا ہے کہ اگر میں اہل و عیال والا نہ ہوتا۔ اگر میرے اوپر بار قرض نہ ہوتا۔ تو میں محمد عربی کا کام تمام کر دیتا۔ تو صفوان ابن امیہ نے کہا، بس ٹھیک ہے، جاؤ، ہم تمہارے بچوں کی کفالت کا عہد کرتے ہیں۔ تمہارے قرض کو ادا کر دیں گے، مگر ٹھہرو، سنبھل کے کام کرنا۔ ابھی اس راز کو طشت از بام نہ ہونے دینا۔ ظاہر نہ ہونے دینا۔ یہ راز ابھی کسی تیسرے کو نہ معلوم ہونے پائے۔ اچھی طرح سے سمجھ کے جانا۔ بناتے ہوئے منصوبے کے تحت عمیر پہنچے اور جب پہنچے تو صبح کا سہانا وقت تھا۔

فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابہ کے جھرمٹ میں ان انعامات کا ذکر کر رہے ہیں جو غزوہ بدر کے موقع پر مسلمانوں پر ہوئے۔ عمیر کے تیور کو دیکھا، اچھا تیور نہیں نظر آ رہا ہے۔ حضرت عمر سمجھ گئے، مگر جب گوش رسالت تک بات پہنچی تو سرکار نے کہا عمیر کو آگے آنے دو۔ عمیر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور حاضر ہوتے ہی ایک سلام کیا۔ وہی جاہلیت والا سلام۔ صبح بخیر جس کو کہتے ہیں آپ گڈ مارننگ۔ یہ جاہلیت کا سلام ہے۔ میرے رسول نے اسی وقت ان کی اصلاح کی تھی کہ یہ جاہلیت کا سلام ہے اور مسلمانوں کا سلام کیا ہے السلام علیکم۔ مگر لوگ السلام علیکم میں بھی کنسیشن شروع کر رہے ہیں اور اس کے اندر سلام علیکم چل گیا ہے۔ کہیں سلاما لیکم چل رہا ہے تو اس طرح سے یاد رکھنا۔ سلام مسنون ادا نہیں ہوتا، اس لیے سلام مسنون ہے السلام علیکم۔ اس سلام کا جواب دینا واجب ہے اور اگر کوئی صرف سلام علیکم کہے تو اس کا جواب دینا واجب نہیں۔ سلام مسنون کا جواب واجب ہے۔ کوئی جواب دے دے تو اس کا احسان ہے، مگر سلام علیکم یا سلاما لیکم یا خواہ مخواہ منہ ہلا دینے کا نام سلام مسنون نہیں۔ تو میرے رسول نے کہا یہ تاریکی کا سلام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے روشنی کا سلام دیا ہے۔

گڈ مارننگ کا حشر

مگر دوستو! تاریخ اپنے کو دہراتی ہے۔ ایک اس تاریکی کے دور میں یہ سلام کیا گیا تھا اور اب اس دور میں گڈ مارننگ

اور گڈ نائٹ بطورِ سلام چل گیا ہے۔ گڈ نائٹ اور گڈ مارننگ کا مطلب کیا ہے۔ میں نے سمجھنے کی بہت کوشش کی۔ خیر یہاں نہیں سمجھائیں گے، لوگ تو کہاں سمجھائیں گے۔ یہ علاقہ ہی ایسا ہے۔ میں فکر میں تھا کہ گڈ مارننگ کا کیا مطلب ہے؟ سوچنے لگا تو دو ہی مطلب سمجھ میں آئے کہ گڈ مارننگ کا مطلب ہے کہ صبح اچھی ہے یا یہ کہ صبح اچھی ہو۔ صبح اچھی ہے یا صبح اچھی ہو۔ اگر یہ معنی ہے کہ گڈ مارننگ صبح اچھی ہو تو اس کا مطلب تو یہی ہے نا کہ صبح اچھی ہو چاہے رات پر قیامت آجائے ہم تو صرف ایک پہر کا سلام لے کر آئے ہیں اور گڈ نائٹ کا معنی رات اچھی ہو جائے چاہے صبح پر قیامت آجائے۔ ہم کو اس سے مطلب و غرض نہیں ہے۔ ہم تو صرف ایک پہر کی بات لے کر آئے ہیں اور اگر آپ نے یہ کہا کہ جی نہیں۔ یہاں اچھی ہو اچھی ہو کا سوال نہیں ہے۔ اچھی بات ہے کہ گڈ مارننگ، صبح اچھی ہے۔ ہم نے کہا اچھا۔ گڈ نائٹ رات اچھی ہے۔ ایسی بات ہے تو کسی کے گھر میں رات چوری ہو گئی۔ صبح آپ پہنچے اور کہہ پڑے گڈ مارننگ تو پتہ نہیں کہ وہ دعا سمجھے گا یا گالی سمجھے گا۔

اسلام کا سلام

اس کے برعکس اسلام کا سلام "السلام علیکم" تم پر اللہ کی سلامتی ہو۔ یہاں پر بھی، صبح کو بھی، دوپہر کو بھی، شام کو بھی، دن کو بھی رات کو بھی، یہاں بھی، وہاں بھی۔ ایک سلام جنت پہنچا رہا ہے۔ ایک ہی سلام ساتھ نہیں چھوڑتا۔ کہیں میت ہو گئی ہو تو وہاں پر بھی کہا السلام علیکم۔ تم پر اللہ کی سلامتی ہو۔ اس نے ایک لیا اور ہزار دینے کی قدرت رکھتا ہے۔ سلامتی چاہیئے بس۔ اس کا کرم چاہیئے۔ مگر وہی بات ہے دوستو! کہتے ہیں کہ پہلے چراغ تلے اندھیرا ہوتا تھا اور اب چراغ کے اوپر اندھیرا ہوتا ہے۔ کسی کسی جگہ پر دائیں بائیں بھی اندھیرا ہوتا ہے۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پہلے کا چراغ زبانِ حال سے کچھ کہتا تھا پہلے کا چراغ یہ کہتا تھا کہ سوچ اوپر کو روشن رکھو، نیچے تاریک رہے کوئی حرج نہیں۔ جانا تو وہیں ہے تا آخرت روشن رکھو اور آج کا چراغ الٹ کے کہتا ہے ارے ادھر کیا دیکھتے ہو ادھر روشن رکھو

اب تو آرام سے گزرتی ہے عاقبت کی خبر خدا جانے

سرکارِ رسالت نے پوچھا کہ عمیر تم کس لیے آئے ہو؟ کہا اپنے بچے کی رہائی کی درخواست لے کر آیا ہوں۔ صحیح صحیح بتاؤ کس لیے آئے ہو؟ صحیح اور سچی بات بتاؤ؟ بس رہائی کی درخواست لے کر آیا ہوں۔ دیکھو کیا تم میں اور صفوان ابن امیہ میں یہ بات نہیں ہوئی۔ مکے کے اندر، کعبے کے قریب، حطیم کے پاس۔ کیا اس نے تمہارے بچوں کی کفالت اپنے ذمے نہیں لی؟ کیا اس نے تمہارے قرض کو ادا کرنے کا وعدہ نہیں کیا؟ سنو عمیر! تمہارے اور میرے مابین خدا تعالیٰ کا ارادہ حائل ہے۔ تم مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اتنا سننا تھا کہ حضرت عمیر کے دماغ میں ایک عجیب انقلاب برپا ہو گیا۔ ایک عجیب تحریک پیدا ہوئی کہ بات تو ہوئی تھی مکے میں، مدینے والے نے کیسے جان لیا! بات تو ہوئی تھی دو میں تیسرے نے کیسے جان لیا فوراً پڑھا، اشهد ان لا اله الا الله وحده لا شریك له واشهد ان محمدا عبده ورسوله۔ کلمہ پڑھ کے مشرف باسلام ہوئے۔

اب میں تم سے ایک سوال کروں کہ حضرت عمیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جو ایمان کی دولت ملی، اس کی تحریک کہاں سے پیدا ہوئی۔ اس کا محرک کون تھا؟ کس نے یہ انقلاب پیدا کیا کہ ایمان لاؤ۔ یہی بات تو تھی کہ رسول نے غیب کی بات بتا دی۔ ان کے دل میں ایمان کی تحریک پیدا ہو گئی۔ رسول کے علمِ غیب کو جب انہوں نے سمجھ لیا تو وہ ایمان لانے پر مجبور ہو گئے۔ زمانہ کتنا بدل چکا ہے۔ کبھی رسول کے علمِ غیب کو لوگ مان کر مومن بنتے تھے، آج انکار کر کے ایمان کا دعویٰ رکھتے ہیں۔

تو دیکھو جب تک عمیر رسول سے دور تھے ایمان نہ لا سکے، نہیں مان سکے لا اله الا الله کو اور جب قریب ہو گئے تو مان لیا، ظاہر ہو گیا لا اله الا الله دعویٰ ہے اور محمد رسول الله دلیل۔ جب تک تم دلیل کو نہیں سمجھو گے، دعویٰ کو نہیں مان سکتے۔

پوجنا انسانی فطرت ہے

اس کو میں ایک اور مثال سے سمجھاؤں وہ یہ کہ یہ عبادت کرنے کا جذبہ، سر جھکانے کا جذبہ، انسان کا فطری جذبہ ہے۔ یہ اور بات ہے کہ فطرت کہیں غلط راستے پر لگی ہو، مگر پوجنے کا جذبہ

عبادت کرنے کا جذبہ، یہ انسان کا فطری جذبہ ہے ۔ ایک بات اور ذہن نشین رہے کہ انسان پوجنا تو چاہتا ہے، مگر اپنے سے کمزور کو نہیں پوجنا چاہتا ۔ پوجنا چاہتا ہے اس کو جس میں اپنے سے زیادہ طاقت ہو تو فرض کرو انسان کا ایک گروہ نکلا اپنے معبود کی تلاش میں ۔ چلتے چلتے اس نے دیکھا مٹی کا ایک ٹیلہ جو بہت زبردست نظر آیا ۔ کچھ لوگ وہاں ہاتھ جوڑ کر کھڑے ہو گئے کہ کہیں یہی تو ہمارا معبود نہ ہو، مگر ان میں کچھ اہلِ بصیرت تھے جنہوں نے سوچا کہ دیکھو ہم اس ٹیلے کو پوجیں؟ اگر پوجنا ہے تو پتھر کو کیوں نہ پوجا جائے، وہ ہمارے اس مٹی کے ابھرتے ہوئے تودے کو چُور چُور کر دیتا ہے، لہذا وہ آگے بڑھ گئے اور جب وہ پتھر کے آگے پہنچے، تو وہاں جن کو کھڑا ہونا تھا، کھڑے ہو گئے۔ مگر کچھ لوگوں نے سوچا اگر پوجنا ہے تو لوہے کو کیوں نہ پوجا جائے جو پتھر کو چُور چُور کر دیتا ہے اور جب لوہے کے آگے گئے تو وہاں جن لوگوں کو کھڑا ہونا تھا کھڑے ہو گئے ۔ مگر کچھ لوگوں نے سوچا اگر پوجنا ہے تو کیوں نہ آگ کے شعلوں کو پوجا جائے جو لوہے کو پگھلا کر آتشِ سیال بنا کر بہا دیتا ہے ۔ اور جو وہاں جا کے تھک گئے تھے وہیں ٹھہر گئے ۔ مگر کچھ اہلِ بصیرت آگے بڑھے ۔ آگے بڑھنے کے بعد انہوں نے سوچا اگر پوجنا ہی ہے تو کیوں نہ پانی کے قطرے کو پوجا جائے جو آگ کے وجود کو فنا کر دیتا ہے۔ پھر دریا کی روانی کی کیوں نہ پرستش کی جائے ۔ اور وہاں پہنچے تو وہاں کچھ سوچنے والوں نے سوچا، یہ دریا وہی ہے جس میں چاند کی چاندنی سے تلاطم اٹھتا ہے ۔ موجیں اٹھتی ہیں تو چاند کی چاندنی میں بڑی طاقت ہے، تو اگر پوجنا ہے تو چاند کو کیوں نہ پوجا جائے؟ کیوں نہ اس کی پرستش کی جائے ہم ان دریا کی لہروں کو پوج کر کیا کریں گے ۔ اور جو چاند کے پاس پہنچے تو چاند نے وہیں سے زبانِ حال میں آواز دی ۔ میرے پاس کیا لینے آئے ہو؟ ارے یہ روشنی بھی میری اپنی روشنی نہیں ہے ۔ یہ تو مانگے کا اجالا ہے ۔ یہ دوسرے کا اجالا ہے ۔ علمِ ہیئت والے کہتے ہیں کہ سورج کی روشنی ہے جو چاند کے آئینے سے چھن رہی ہے اور چاند یہ بھی کہتا ہے کہ دیکھو تم نے نہیں دیکھا کہ میں ایک ہی دن کامل نظر آتا ہوں پھر اسی شب سے کم ہوتا رہتا ہوں، کم ہوتے ہوتے غائب ہو جاتا ہوں ۔ کیا میں اس لائق ہوں کہ مجھے پوجا جائے ۔ جو اہلِ بصیرت چاند کی زبانِ حال کی بات سمجھ سکے انہوں نے

قدم آگے بڑھایا اور سوچا کہ جس کا نور چاند میں آرہا ہے، کیوں نہ اس سورج کو پوجا جاتے۔ جب سورج کے پاس پہنچے، تو بہت سے لوگ کھڑے ہوگئے، مگر اہل بصیرت نے سوچا یہ سورج جو آدھی دُنیا کو روشن کرتا ہے، آدھی دنیا تاریک رہتی ہے۔ ظاہر کو روشن کرتا ہے، باطن تاریک رہتا ہے، ہم ایسے کو نہ پوجیں گے۔ ہم تو اس کو تلاش کر رہے ہیں جو نور السمٰوات والارض ہو، جو زمین و آسمان کا نور ہو، جو ظاہر و باطن کو منور کر دے۔

الغرض تلاش کرنے والے تلاش کرتے کرتے فرض کرلو مقدس سرزمین حجاز پر پہنچے۔ وہاں اس نے جاکر دیکھا تو اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ ارے ہم کیا منظر دیکھ رہے ہیں کہ ایک انسان دیکھنے میں انسان۔ چلنے میں انسان، بولنے میں انسان، اٹھنے بیٹھنے میں انسان کا انداز اختیار کیے ہوئے مگر یہ کیسے غضب کا انسان ہے۔ اشارہ کرتا ہے تو چاند کے ٹکڑے ہوتے ہیں۔ اشارہ کرتا ہے تو سورج پلٹتا ہے۔ اشارہ کرتا ہے تو کنکریاں کلمہ پڑھتی ہیں۔ اشارہ کرتا ہے تو درخت جھک جاتے ہیں اور اگر قدم اٹھادیا تو عرش کے اوپر گزر گیا۔ یہ کیسا غضب کا انسان ہے، یقیناً ساری کائنات اس کے آگے جھکی ہوئی ہے۔ یہ ہے طاقت والا۔ یہ ہے قوت والا۔ یہ ہے توانائی والا۔ پالیا ہم نے قدرت والے کو، پالیا ہم نے طاقت والے کو۔ کیوں نہ اسی کو پوجا جائے، کیوں نہ اسی کی پرستش کی جائے۔ کیوں نہ اسی کے آگے سر جھکایا جائے۔ سر جھکانے کا جذبہ لے کر یہ گروہ آگے جاتا ہے۔ طاقت والے کو سمجھ چکا ہے قوت والے کو سمجھ چکا ہے، قدرت والے کو سمجھ چکا ہے، مگر وہاں بہت ہی اس کی حیرت بڑھ گئی۔ جب اس نے یہ دیکھا کہ ہم کس کے آگے جھکنے والے ہیں۔ یہ تو خود کسی کے آگے جھکا ہوا ہے۔ سُبحان ربی الاعلیٰ۔ سُبحان ربی الاعلیٰ۔ سبحان ربی الاعلیٰ۔ اے آنے والے ٹھہر جاؤ۔ ہم تمہارے سر کو اپنے آگے جھکنے نہ دیں گے۔ اشہد ان لا الٰہ الا اللہ۔ اشہد ان لا الٰہ الا اللہ۔ ذرا غور تو کرو۔ اب تم نے ہم کو طاقت والا سمجھ لیا۔ قدرت والا سمجھ لیا۔ توانائی والا سمجھ لیا۔ سب سے بڑی طاقت و قوت والا سمجھ لیا۔ تو اب مسئلہ آسان ہوگیا ہے کہ جدھر یہ طاقت جھک جائے وہ ہے عبادت کے لائق۔ جدھر یہ طاقت جھک جائے

وہ ہے مستحق عبادت۔ بات آسان ہو گئی۔ میرے پاس آتے ہو تو اپنے آگے ہم سر نہ جھکنے دیں گے۔ دیکھا تم نے سورج نے نہیں کہا تھا لا الٰہ الاّ اللہ چاند نے نہیں کہا تھا لا الٰہ الاّ اللہ۔ آگ نے نہیں کہا تھا لا الٰہ الاّ اللہ۔ زبانِ قال کسی کی بھی نہ بول سکی۔ زبانِ حال بولتی ہے۔ مگر سمجھتا کون ہے؟ کسی کی زبان قال نہ بول سکی، مگر یہ میرے رسول ہیں بُرہان ہیں۔ یہ دلیل ہیں۔ یہاں جب تم آؤ گے تو یہ اپنے آگے نہیں جھکائیں گے، دعوے کے آگے جھکائیں گے۔ دعوے کو منوائیں گے تو لا الٰہ الا اللہ یہ اسلام کا دعویٰ ہے اور محمد رسول اللہ اس دعوے کی دلیل ہیں۔

دیکھنے کا انداز ہونا چاہیے۔ سوچنے اور سمجھنے کا انداز ہونا چاہیے۔

محبّت کی نگاہ

واقعی لوگ کہتے ہیں کہ محبت کی نگاہ کچھ ہوتی ہے اور عداوت کی نگاہ کچھ ہوتی ہے۔ میں کہتا ہوں ایک علم کی نگاہ ہوتی ہے اور ایک جہالت کی نگاہ ہوتی ہے۔ مختلف نگاہیں ہوتی ہیں۔ صرف محبت و عداوت ہی کا سوال نہیں ہے۔ آنکھیں بدل گئیں تو نظارہ بدل گیا۔ آنکھیں جب بدل جاتی ہیں تو فیصلے بھی بدل جاتے ہیں۔ دیکھو یہ آپ کا ڈیوزبری شہر ہے۔ فرض کرو میں یہاں آیا۔ آنے کے بعد مجھے ایک فاؤنٹن پین کی ضرورت محسوس ہوئی۔ میں گیا آپ کے شہر میں خریدنا مجھ کو ایک ہی ہے اور دیکھتا ہوں دو درجن۔ خریدنا ہے ایک، لیکن فاؤنٹن پین کا پورا شوکیس اپنی طرف کیے ہوئے ہوں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ پوری دکان لینے آیا ہوں۔ فرمائش پر فرمائش یہ لاؤ، وہ لاؤ۔ یہ ڈبے کھولو وہ ڈبہ کھولو۔ خریدنا ہے ایک۔ یہ الٹ پلٹ، دیکھ ریکھ معلوم ہوا کہ خریدنے والے کی یہ فطرت ہے کہ اپنا بنانے سے پہلے خوب تنقیدی نظر ڈالتا ہے۔ اپنا بنانے سے پہلے خوب الٹ پلٹ کر دیکھتا ہے۔ الغرض خوب اچھی طرح دیکھنے کے بعد میں وہاں ایک فاؤنٹن پین پسند کرتا ہوں۔ پیسہ دے دیا اور اب لے کے چلا۔ یقین جانو اس دوکان پر میں نے اس کو درجنوں بار دیکھا اور جب وہاں سے چلا، جیب میں لگایا تو ایک بار بھی نہ دیکھا۔ وہاں جب تک میں نے اپنا نہیں بنایا تھا، اُلٹ پلٹ رہا تھا کہ اچھا ہے کہ خراب ہے عیبی ہے کہ بے عیب ہے۔ اس چکر میں لگا ہوا تھا اور جب اپنا بنالیا تو اب مطمئن ہو کے آ رہا ہوں۔

عداوت کی نظر

اور جب آگے آیا حافظ موسیٰ کے پاس۔ اے حافظ صاحب یہ دیکھئے میں فاؤنٹن پین لے آیا ہوں۔ انہوں نے کہا یہ کیا اٹھا لائے۔ ارے مجھ کو لے کر چلنا چاہیئے تھا۔ آپ تو یہاں بالکل اجنبی تھے۔ یہ کیسا قلم لے کر آئے۔ دیکھئے کتنا بدصورت ہے۔ میں نے کہا دیکھئے حافظ صاحب یہ مت دیکھئے۔ شکل وکل مت دیکھئے، چلتا کتنا اچھا ہے۔ ذرا اس کی رفتار کو تو دیکھئے۔ اس کی روانی کو دیکھئے۔ تو اب حافظ صاحب تنقید کر رہے ہیں۔ میں تعریف کر رہا ہوں۔ میں خوبی دکھا رہا ہوں۔ وہ برائی۔ میں کہوں گا ارے حافظ صاحب آپ کی نظر جو اس پر تنقیدی پڑ رہی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ قلم آپ کا نہیں ہے میرا ہے۔ تو میں اس کی برائی نہیں دیکھنا چاہتا۔ اگر اس میں کوئی خوبی ہو تو بتاؤ ورنہ خاموش رہو۔ اب تو میں اپنا بنا چکا ہوں۔ میں کیسے کہوں کہ میرا ذوق انتخاب غلط تھا۔ صاحب! جب تک میں نے اپنا نہیں بنایا تھا۔ میں نے بھی بہت الٹ پلٹ کے دیکھا تھا، مگر اب بنا چکا ہوں۔ اب برائی مت دکھاؤ اچھائی دکھاؤ۔ اب عیب نہ دکھاؤ، خوبیاں دکھاؤ۔ نہیں تو خاموش رہو۔ سنو جی یہی ہوتا ہے اپنانے کا مزاج۔ اپنانے سے پہلے تو سبھی دیکھ رہے تھے مانیں کہ نہ مانیں، ان کے علم میں یہ کمی ہے۔ ان کے عمل میں یہ کمی ہے، ان کی شکل وصورت میں یہ کمی ہے۔ آخرت کی بھی ان کو کچھ خبر نہیں ہے۔ پیٹھ کے پیچھے کی بھی ان کو خبر نہیں ہے۔ اچھی طرح سوچ وچار کر لیا ہے۔ مانیں کہ نہ مانیں۔ ابھی تنقید ہو رہی ہے مانیں کہ نہ مانیں۔ ہم لوگ تو مان چکے ہیں۔

تو جب تک یہ قوم تنقید کرتی رہے گی میرے رسول پر، جب تک یہ قوم میرے رسول کی زندگی میں کرید پیدا کرنے کی کوشش کرتی رہے گی، ہم سمجھ لیں گے کہ ابھی یہ سوچ رہے ہیں کہ مانیں کہ نہ مانیں۔ ابھی فیصلہ کن منزل پر پہنچے ہی نہیں۔ اگر مان چکے ہوتے تو عیب دیکھنے کی کوشش نہ کرتے۔

رسول کی مکمل زندگی دیکھو

دوستو! اچھی طرح سے سنو! میں اکثر وبیشتر عرض کرتا ہوں۔ کتنے احباب ہیں جن کے کانوں تک یہ آواز نہیں پہنچی۔ میں عرض کروں گا اور انصاف کی بات کہوں گا۔ اے میرے رسول کی زندگی کا مطالعہ کرنے

والو! میرا یہ اصرار نہیں ہے کہ میرے رسول کا اٹھنا بیٹھنا نہ دیکھو۔ میرے رسول کا چلنا پھرنا نہ دیکھو۔ میرے رسول کا سونا جاگنا نہ دیکھو۔ میرے رسول کا کھانا پینا نہ دیکھو۔ اے دیکھنے والو ضرور دیکھو، ضرور دیکھو۔ اگر تم میرے رسول کا اٹھنا بیٹھنا نہ دیکھوگے۔ تو تمہیں اٹھنے بیٹھنے کا طریقہ کہاں سے آئے گا۔ اگر تم میرے رسول کا کھانا پینا نہ دیکھوگے تو تمہیں کھانے پینے کا سلیقہ کہاں سے آئے گا۔ مگر اے دیکھنے والو میری گزارش ہمیشہ یہ رہتی ہے کہ صرف ایک ہی منظر مت دیکھو۔ زمین پر چلتا دیکھو تو کہکشاں سے گزرتا ہوا بھی دیکھو۔ اے دیکھنے والو! اگر کسی کا بوجھ اٹھاتا دیکھو تو سورج کا پلٹانا بھی تو دیکھ لو۔ اے دیکھنے والو اگر دندانِ مبارک کا شہید ہونا دیکھو تو معراج شریف کی رات سینہ شق ہوگیا۔ قطرۂ خون نہ نکلا یہ بھی تو دیکھو۔ اے دیکھنے والو یہ بھی دیکھو، وہ بھی دیکھو۔ اس لیے کہ جب تک تم میرے رسول کو اٹھتا بیٹھتا دیکھوگے، کھاتا پیتا دیکھوگے، سوتا جاگتا دیکھوگے۔ میرے رسول کے دندانِ مبارک کا شہید ہونا دیکھوگے۔ جب تک تم یہ سب دیکھتے رہوگے۔ اس رسولِ خدا کو خدا نہیں کہہ سکتے۔ اور جب قاب قوسین میں دیکھوگے۔ جب سدرہ کے اوپر دیکھوگے۔ جب سورج کو پلٹاتا دیکھوگے۔ جب چاند کو ٹکڑے کرتا دیکھوگے۔ جب جانوروں سے سجدہ کراتے دیکھوگے۔ جب کنکریوں سے کلمہ پڑھاتا دیکھوگے، تو اس رسول کو اپنی طرح نہیں کہہ سکتے، اپنے جیسا نہیں کہہ سکتے۔ اسی لیے میں کہتا ہوں یہ بھی دیکھو، وہ بھی دیکھو۔ نہ خدا کہہ سکو نہ اپنے جیسا کہہ سکو۔

فرض کرو آپ کے شہر میں ایک صاحب آئے جن کا ایک دروازہ بند تھا یعنی وہ سب کو ایک ہی آنکھ سے دیکھتے تھے۔ وہ ایک روز نکلے اور ڈیوزبری کی گلیوں کی سیر کر کے آئے اور آکر جناب آدم بھائی کے مکان میں پہنچے۔ انہوں نے کہا کہ بھئی آپ نے ہمارا شہر دیکھ لیا نا۔ ہاں صاحب دیکھ تو لیا کیسا شہر لگا۔ کیا آدم بھائی شہر تو اچھا ہے۔ مگر ایک خامی ہے کہ جب میں ادھر سے جا رہا تھا تو ادھر کی دکان کھلی ہوئی تھی اور جب آ رہا تھا تو اُدھر کی دوکان کھلی ہوئی تھی۔ اگر دونوں طرف کی دوکانیں کھلی ہوتیں تو بڑا اچھا ہوتا۔ تو آدم بھائی نے کہا کہ بھئی ذرا خطا معاف کیجئے گا قصور معاف کیجئے گا۔ ہمارے شہر کی تو دونوں دوکانیں کھلی ہوئی تھیں۔ جناب ہی کی ایک دوکان بند ہے اپنی دوکان تو پہلے کھولو۔

تو لا الٰہ الا اللہ اسلام کا دعویٰ ہے اور محمد رسول اللہ اس دعوی کی دلیل ہے۔ دیکھو آخری بات اور عرض کر دوں۔ دلیل کا کام کیا ہے۔ دلیل کا کام ہے اطمینان دینا اور دعوے کا کام ہے اضطراب دینا بے قراری دینا۔ میں نے ایک دعویٰ کیا آپ پریشان ہو گئے۔ یہ کیسے؟ دلیل دے دی۔ اچھا، ہاں سمجھ گئے۔ تو دعوے نے مضطرب بنایا دلیل نے سکون دیا اور ہم دیکھتے ہیں حدیث میں ظاہر ہے کہ جب عرش پر لکھا گیا لا الٰہ الا اللہ تو ہیبت جلالِ الٰہی سے عرش کانپنے لگا اور جب لکھ دیا گیا محمد رسول اللہ تب اس کو سکون ہو گیا۔ دعوے کا کام ہے مضطرب کر دینا دلیل کا کام ہے سکون دے دینا۔ ہر ہر منزل میں دیکھو۔ دعویٰ اگر اضطراب دیتا ہے تو دلیل سکون بخشتی ہے۔

نزع کی کیفیت

آپ آگے چلیے ایک بہت سخت مرحلہ انسان کے ساتھ پیش آتا ہے۔ یہ نزع کی کیفیت ہے جو بہت ہی سخت مرحلہ ہے۔

نزع کی کیفیت میں نہیں بتا سکتا ؎

نقشِ الفاظ میں احساس کی تصویر کہاں
بوئے گُل کے لیے فولاد کی زنجیر کہاں

احساس والی تو بتائی نہیں جا سکتی، مگر جس کا احساس بھی نہ ہو، اس کو کیا بتائیں؟ مگر علماء یہ کہتے ہیں۔ بس ایسا محسوس کرو کہ کیکر کے کانٹے پر بھیگی ہوئی ہلکی چادر ڈال کر کھینچ لو، تو ریشے ریشے کی حالت خراب نظر آتی ہے، عجیب و غریب کیفیت ہوگی۔ ایسا محسوس ہوگا جیسے جسم کے ہر حصے سے کوئی کانٹے کو کھینچ رہا ہو، مگر میرے رسول نے کیا کہا سنو! مومن کی روح ایسے نکلے گی جیسے پھول سے خوشبو نکل جاتی ہے۔ دعوے نے تو بہت ہیبت دے دی تھی، دلیل نے سکون دے دیا۔ کیا مطلب؟ تفسیر روح البیان میں اس کی تفسیر ہمیں ملی کہ ایک بزرگ نے خواب میں زیارت کی رسول پاک کی تو پوچھ لیا حضور نزع کی تکلیفیں تو بہت ہیں، مگر آپ کہتے ہیں کہ مومن کی روح ایسے نکلے گی جیسے پھول سے خوشبو نکل جائے۔ سرکار آپ کا یہ کلام بلاغتِ نظام ہماری سمجھ میں نہ آسکا۔ تو سرکار نے کہا سورۂ یوسف میں غور کرو۔

سورۂ یوسف میں جب انہوں نے دیکھا تو انہوں نے یہ دیکھا۔ یہ منظر ان کے سامنے آیا کہ جمالِ یوسفی مصر کی عورتوں کے سامنے بے حجاب ہوا تو سارے ہوش وحواش ان کے جمالِ یوسفی میں گم ہو گئے اور انہوں نے لیموں کے بجائے اپنی انگلیاں کاٹ ڈالیں۔ جب کوئی انگلی کاٹتا ہے تو تکلیف ہوتی ہے نا، مگر یقین جانو کہ مصر کی عورتوں کو احساس تک نہ ہوا۔ بات یہ ہے کہ ان کے حواس گم ہو گئے تھے جمالِ یوسفی میں، تو درد ہوا محسوس نہ ہوا۔ تکلیف ہوئی، احساس نہ ہوا۔ سارے احساس اُدھر متوجہ ہو گئے تو رسول اپنے کرم سے فرمانا چاہتے ہیں کہ جب مومن کی رُوح نکلے گی تو جمالِ مصطفےٰ نگاہوں کے سامنے ہوگا۔ سارے ہوش وحواس گم ہو جائیں گے، رُوح نکل جائے گی، پتہ نہ چلے گا۔ درد ہوگا، مگر محسوس نہ ہوگا۔

درد ہوگا، محسوس نہ ہوگا، تکلیف ہوگی احساس نہ ہوگا تو لاالٰہ الا اللہ نے ایک اضطراب پیدا کیا تھا۔ جمالِ مصطفےٰ نے سکون دے دیا۔ دلیل کا کام سکون دینا ہے۔ جہاں دعویٰ کا جلال وہیبت ہو، وہاں دلیل جمال ورحمت ہو، مگر ایک بات کا خیال رہے کہ جو یہ کہتے ہیں کہ رسول ہمارے سامنے آسکتے ہیں، انہیں کے سامنے تو آئیں گے اور جو کہتے ہیں نہیں آسکتے معلوم ہوتا ہے نزع کی ساری تکلیفیں انہیں کے لیے مقدر ہو چکی ہیں۔

دوسری سخت منزل قبر کی ہے، وہاں بھی جہاں دعویٰ ہے، وہیں دلیل ہے۔

حشر کا منظر

تیسری منزل میں میں لے جاؤں۔ تشریحات میں لے جانے کا وقت نہیں ہے۔ تیسری منزل کے بارے میں بتاؤں کہ شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ قیامت کا دن ایسا دن ہوگا کہ "دراں روز ظاہر گردد۔ وے نائب مالک یوم الدین ست حکم حکم اوست۔ روز روز اوست۔"

قیامت کے دن یہ بات ظاہر ہوگی کہ میرا رسول مالکِ یوم الدین کا نائب وخلیفہ ہے حکم ہوگا تو رسول کا حکم ہوگا۔ وہ دن ہوگا تو رسول کا دن ہوگا۔ قیامت کے دن میں نے عالمِ خیال میں بارگاہِ رسالت میں عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول آپ ہی یہاں کے تاجدار ہیں تو بیٹھ جائیے کسی کرسی پر۔

تاجداروں کا طریقہ تو یہی ہوتا ہے نا۔ وہ ایک جگہ بیٹھ کر حکم نافذ کرتے ہیں۔ آپ بھی ملائکہ کو حکم دے دیجئے۔ اے ملائکہ دیکھو اگر کوئی میرا امتی جہنم میں جائے، اس کے نکالنے کا بندوبست کرو۔ دیکھو میزان کی بھی خبر رکھو۔ دیکھو پُل صراط کو دیکھو۔ سرکار آپ حکم نافذ کیجئے۔ ایک جگہ بیٹھے بیٹھے۔ اس لیے کہ آج حکم آپ کا حکم ہے۔ دن آپ کا دن ہے ؎

فقط اتنا سبب ہے انعقادِ بزمِ محشر کا
تمہاری شانِ محبوبی دکھائی جانے والی ہے

تو اے رسول آپ کو زیادہ پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے؟ جو حکم دیجئے ملائکہ اس حکم پر عمل درآمد کریں گے اور اس حکم کی بجاآوری کریں گے۔ مگر یہ کیا بات ہے یہی رسول کبھی جہنم کے دروازے پر دکھائی دے رہے ہیں کبھی پُل صراط پر ہیں کبھی میزان کے سامنے ہیں۔ بیٹھ کر تاجداروں کی طرح یہ حکم نافذ کر سکتے تھے، مگر ایسا نہیں۔ بات یہ ہے کہ میرے رسول کو تو ایک عجیب منظر پیش کرنا ہے، انہیں جہنم کے دروازے پر بھی رہنا ہے، انہیں پُل صراط پر بھی رہنا ہے، انہیں میزان کے پاس بھی رہنا ہے۔ صرف حکم دینے پر وہ اکتفا نہیں فرما رہے ہیں، اس لیے کہ جب میری امت کے گنہ گار جہنم کی طرف لائے جائیں گے، اس وقت ان کے قدم ڈگمگا رہے ہوں گے۔ ان کے دل میں اضطراب ہوگا اور جب جہنم کے دروازے پر مجھے دیکھیں گے، تو انہیں سکون ہو جائے گا۔ میرا نکالنے والا تو پہلے ہی موجود ہے میرا بچانے والا تو پہلے ہی سے موجود ہے تو لا الٰہ الا اللہ نے بے قرار کیا تو رسول نے اطمینان دے دیا۔ دلیل کا کام ہی اطمینان دینا ہے۔ ایسے ہی جب تم گناہوں کی گٹھڑی کو لے کر لرزتے ہوئے قدم، دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ میزان کی طرف بڑھو گے تو کتنی پریشانی ہوگی، کتنا اضطراب ہوگا، مگر جب وہاں تم رسول کو دیکھ لو گے تو تمہیں اطمینان ہو جائے گا کہ کالی کملی والا تو پہلے ہی سے موجود ہے۔ جب تم پُل صراط پر سے گزر رہے ہوگے، اس وقت تمہارے قدم، تمہاری لغزش کا کیا عالم ہوگا؟ مگر جب تم رسول کو دیکھ لو گے تو تمہیں اطمینان ہو جائے گا کہ اب میری لغزش پا مجھے گرا نہیں سکتی، میرا بازو تھامنے والا پہلے ہی سے موجود ہے۔ دیکھو جہاں جہاں دعوے کا جلال ہے وہاں وہاں دلیل

کا جمال ہے۔ جہاں جہاں دعوے کی ہیبت ہے، وہاں وہاں دلیل کی رحمت ہے تو لا الٰہ الا اللہ دعویٰ ہے اور محمد رسول اللہ دلیل ہے ؎

فرش والے تری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

یقیناً آگیا تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے برہان۔

معجزۂ کلیم اللہ

تمہارے پاس آگیا، سب کے پاس آگیا، یہ نہیں کہ صرف مکے والوں کے پاس آگیا۔ یہ نہیں کہ صرف عرب والوں کے پاس آگیا۔ سب کے پاس آگیا اور جو آیا ہے وہ رب کا برہان ہے، آؤ تنقید کرو۔ آؤ دیکھو اور پرکھو۔ اس وقت تنقید کرنے والے بے چین ہوں گے۔ دیکھیں ہمارے لیے برہان ہیں کہ نہیں۔ ہمارے لیے احسان ہیں کہ نہیں، ہمارے لیے دلیل ہیں کہ نہیں۔ تنقیدی نظر رکھنے والے خوب آئے اور میرے رب نے اپنے رسول کو مطمئن کر دیا۔ آنے دو ان آنے والو کو کس کمال کی یہاں کمی ہے۔ کس معجزے کی یہاں کمی ہے۔ جس نقطۂ نظر سے یہ دیکھیں گے آپ کو باکمال پائیں گے۔ آنے دو ان آنے والوں کو۔ چیلنج کر دیا آ جاؤ۔ تو سبھی دوڑے ہوں گے نا۔ دو ایک مثال دے کے آگے بڑھوں۔ حضرت کلیم علیہ السلام کے ماننے والے کیا نہ آئے ہوں گے۔ جائزہ لینے کے لیے یہ سوچ کر یہ ہمارے لیے بھی تو برہان ہیں۔ حضرت کلیم علیہ السلام کا ماننے والا جب پہنچا ہوگا، تو اس کے ذہن میں یہ نقشہ بھی تو ہوگا کہ میرے کلیم وہ ہیں جن کو شرفِ ہمکلامی حاصل ہوا کوہ طور پر مگر بتاؤ جب وہ رسول کی بارگاہ میں پہنچا ہوگا، تو اس کی کیفیت کیا ہوئی ہوگی۔ اس نے یہ دیکھا تھا کہ حضرت کلیم علیہ السلام کے لیے قانون تھا۔ اے کلیم کچھ کہنا ہے تو طور پر آؤ۔ اے کلیم کچھ سننا ہے تو طور پر آؤ۔ اے کلیم کچھ لینا ہے تو طور پر آؤ۔ قانون بنا تھا ضابطہ بنا تھا، مگر حبیب کے لیے کہا گیا۔ اے حبیب! کچھ کہنا ہے۔ صفا و مروہ آنے کی ضرورت نہیں۔ حرم میں جانے کی ضرورت نہیں کعبے میں بھی جانے کی ضرورت نہیں۔ اے حبیب! کچھ کہنا ہے طور پر آنے کی ضرورت نہیں۔ اے حبیب! کچھ کہنا ہے تو بیت المقدس میں بھی آنے کی ضرورت نہیں۔ اے حبیب! کچھ کہنا ہے جبل حرا پر بھی آنے

کی ضرورت نہیں۔ اے حبیب! کچھ کہنا ہے تو جبلِ طُور پر بھی آنے کی ضرورت نہیں۔ اے حبیب! اگر کچھ کہنا ہے تو زبان بھی ہلانے کی ضرورت نہیں۔ نظر اٹھاؤ تو قبلہ بدل دیا جائے ؎

حُسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

دیکھو حضرت کلیم علیہ السلام کو شرفِ ہمکلامی ضرور حاصل ہوا، مگر سنو حضرت کلیم وہی تھے، جو طالبِ جلوہ تھے۔ حضرت کلیم کا کہنا یہ تھا اے رب دکھا دے اپنا جلوہ۔ اور حبیب سے جلوہ کہہ رہا ہے اے حبیب آ کے دیکھ جا۔ یہاں دکھانے کا اصرار ہے اور وہاں دیکھ جا کی بات ہے، تو جلوہ طالبِ حبیب، اور کلیم طالبِ جلوہ۔ یہ منظر دیکھ کر یقیناً کلیمی جھوم جائے گا۔ حضرت کلیم علیہ السلام کا ایک معجزہ یہ بھی ہوگا۔ کیا زبردست معجزہ تھا۔ یعنی ایک پتھر سے بارہ چشمے جاری ہو گئے، مگر آج کا ذہن بھی عجیب و غریب ہے۔ حضرت کلیم علیہ السلام کے معجزے کے وقار کو کم کرنے کے لیے ایک بات تخلیق کی گئی۔ کہا گیا سنو جی اس پتھر کے اندر پانی بھرا ہوا تھا اور دروازہ بند تھا۔ حضرت کلیم علیہ السلام نے عصا مارا اور دروازہ کھل گیا، پانی بہہ نکلا۔ یہ کون سی کمال کی بات ہے؟ پتھر ہی سے تو پانی نکلتا ہے۔ حضرت کلیم علیہ السلام نے کیا کیا؟ ایک نبی کے عظیم معجزے کے اندر تحریف کی جا رہی ہے، مگر سنو وہاں تو پتھر سے پانی نکلنے کی بات ہے، اور رسول کی انگلیوں کی گھاٹیوں سے پانی بہہ نکلا۔ یہ منظر کلیمی دیکھ رہا ہے۔ کوئی بیوقوف انسان بھی یہ نہیں کہے گا کہ ہاتھ میں پانی بند تھا یا ہاتھ میں پانی بھرا ہوا تھا۔ دروازے بند تھے، رسول نے کھول دیئے۔ سب نکل آیا یہ کوئی بیوقوف بھی نہیں کہے گا اور اگر کوئی کہہ دے تو آپ کیا کر لیں گے؟ ہمارا دور خراب ہے نا تو کیا عجب ہے کوئی عقل کا اندھا بول پڑے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ میں پانی بھرا ہوا تھا، دروازہ بند تھا، رسول نے کھول دیا۔ تو ایسے سے صرف ایک بات کہی جائے، وہ یہ کہ دیکھو تمہارے سوچنے سمجھنے کی ساری کھڑکیاں بند ہیں۔ میری خواہش تو یہ ہے کہ یہ بند کھلے، مگر اس بند پر کسی دیو کا پہرہ بیٹھا ہوا ہے، تو کھلنے کی امید کیا کی جائے؟

حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

حضرت مسیح کا معجزہ

حضرت مسیح علیہ السلام کا معجزہ دیکھنے والے ہوں گے اللہ اکبر قم باذن اللہ کہہ دیں، تو مردہ زندہ ہوجائے، مگر میں تیزی سے آپ کو آگے لے جانا چاہتا ہوں۔ کیا اس مائک کو آپ مردہ کہیں گے؟ کیا اس اسٹیج کو آپ مردہ کہیں گے؟ کیا ان کرسیوں کو آپ مردہ کہیں گے؟ مردہ اسے نہیں کہتے جس میں روح نہ ہو، مردہ اسے کہتے ہیں جس میں روح کی صلاحیت ہو، روح نہ ہو، تو حضرت مسیح علیہ السلام کا کام کیا تھا؟ حضرت مسیح کا معجزہ تو یہی تھا کہ نکلی ہوتی روح کو پلٹا دیا۔ ایسے میں روح ڈالی جس میں پہلے سے روح موجود تھی، تو نکلی ہوتی روح کو پلٹا دیا، یہ حضرت مسیح علیہ السلام نے۔ مگر میرے رسول نے بے روح کنکریوں سے کلمہ پڑھایا۔ بے روح کنکریوں میں روح ڈال دی ؎

حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

جمالِ یوسفی

اور جب حضرت یوسف علیہ السلام کے جمال کی بات آتی ہے، تو پھر وہ شعر آخری شعر ہے۔ اس سے زیادہ بہتر بات کہی نہیں جاسکتی ؎

حُسنِ یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشت زناں
سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردانِ عرب

حُسنِ یوسفی وہ تھا جہاں عورتوں کی انگلیاں کٹ گئیں، انہوں نے کاٹی نہیں تھیں، بلکہ کٹ گئی تھیں۔ ہوش و حواش میں نہیں، بے حواسی میں۔ مردوں کی بات نہیں، عورتوں کی بات ہے۔ غور کیجیے وہاں عورتوں کا معاملہ ہے، مردوں کا نہیں۔ وہاں معاملہ بے حواسی کا ہے حواس

کا نہیں۔ وہاں کٹنے کا منظر ہے، کاٹنے کا نہیں ہے۔ مگر اے رسول آپ کا یہ جمال ہے کہ یہاں مردانِ عرب اپنی گردنیں کٹا رہے ہیں۔ یہاں عورتوں کا معاملہ نہیں، مردوں کا ہے یہاں بے حواسی کا معاملہ نہیں، ہوش و حواس کا ہے۔ یہاں کٹنے کا معاملہ نہیں کٹانے کا ہے ؎

حسنِ یوسف پہ کٹیں مصر میں انگشتِ زناں
سر کٹاتے ہیں تیرے نام پہ مردانِ عرب

معجزۂ ابراہیمی

حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا معجزہ دیکھنے والوں نے دیکھا۔ ٹھیک ہے کہ نورِ محمدی کی برکت اس میں موجود ہوتی تھی۔ مگر سنو ذاتِ ابراہیم علیہ السلام کی بابرکت شخصیت سے بھی کسے انکار ہے، نارِ نمرود میں گئے، آتش کدہ گل کدہ ہو گیا۔ جب آگ ٹھنڈی ہو گئی، تو اب جلانے کی کیا بات ہے؟ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا معجزہ یہ تھا کہ آگ ٹھنڈی ہو گئی۔ پہنچے آگ میں، ٹھنڈی ہو گئی مگر خیال رہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذات وہاں گئی تھی۔

مگر دوستو یاد کرو کہ رسول کے ہاتھ سے لگے ہوئے اس رومال کو جو صحابی رسول کے پاس محفوظ ہے۔ وہ رومال جب کہ وہ میلا ہو جائے یا اسے کبھی دھونے کی ضرورت آ جائے تو وہ اس رومال کو جلتے ہوئے تنور میں ڈال دیتے تھے اور تنور میں ڈالنے کے بعد جب اسے نکالتے تھے، تو وہ بالکل دُھل کر صاف شفاف نکلتا تھا۔ سنو! وہاں ذاتِ ابراہیم گئی تھی، وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام خود گئے تھے۔ یہاں رسول خود نہیں گئے تھے، رسول کی نسبت گئی تھی۔ رسول کا تعلق گیا تھا، انگلی تک تو نہیں گئی تھی۔ رسول کا کوئی لباس مبارک بھی تو نہیں گیا تھا، صرف نسبت گئی۔ وہاں آتش کدہ گل کدہ بن گیا، مگر یہاں آگ ہے اور اپنی حرارتوں کو جس نے نہیں کھویا ہے، لیکن جلانے کی ہمت نہیں ہے۔ یہیں سے پتہ چل گیا۔ جب نسبت لے کر تنور میں ایک کپڑا جاتا ہے تو آگ نہیں جلا پاتی۔ تو اگر تمہارے دل میں رسول کی محبت ہو تو جہنم میں جلانے کی طاقت کہاں سے آئے گی ؎

حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

نعرۂ تکبیر ——— اللہ اکبر   نعرۂ رسالت ، یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

وہ بھی ہے کوئی سینہ جس میں نہ ہو مدینہ
زیبائش مکاں ہے زیبائش مکیں سے

ان کو لانا ہے تو ایسا کیجئے   کعبۂ دل کو مدینہ کیجئے
فرش پہ کعبہ عرش پہ کعبہ   یہ بشر کو وہ قدسیوں کو ملا

دل ہے کعبہ بقول اہلِ صفا
الغرض ہے جواب کعبے کا!

اے مدینہ ترا جواب نہیں

اگر خموش رہوں میں تو تو ہی سب کچھ ہے
جو کچھ کہا تو تیرا حسن ہو گیا محدود

مؤدبانہ کھڑے ہو کر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ میں صلوٰۃ وسلام کا نذرانۂ عقیدت پیش کیجئے۔

تاراج کارواں، دُرِ یتیم، دو شہزادے، دل کا یقین، انعامِ شکست، برہمن دوشیزہ
سوداگر کی بیٹی، لحد کی منزل، نور کا ساگر، امین کی جوڑی، چودھویں رات کی دوشیزہ
جن کے پڑھنے سے دلوں کی دھرتی دُھل جائے اور آنکھیں نمناک ہو جائیں۔
زلف و زنجیر میں پڑھیے

خطبہ (۵)

علمِ غیب

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ

مَنَّ عَلَيْنَا رَبُّنَا اِذْ بَعَثَ مُحَمَّدًا ‏ ‏ ‏ ‏ اَيَّدَهُ بِاَيْدِهٖ اَيَّدَنَا بِاَحْمَدَا
اَرْسَلَهُ مُبَشِّرًا اَرْسَلَهُ مُمَجَّدَا ‏ ‏ ‏ ‏ صَلُّوْا عَلَيْهِ دَائِمًا صَلُّوْا عَلَيْهِ سَرْمَدَا
محمد یعنی نخستیں کلکِ فطرت کا ‏ ‏ ‏ ‏ محمد یعنی وہ امضائے توقیعاتِ ربّانی
کہاں کا دشتِ ایمن طور کیا برقِ تجلی کیا ‏ ‏ ‏ ‏ یہ سب کچھ تھی جمالِ مصطفےٰ کی پرتو افشانی
وہ ناطق جس کے آگے مہر لب ہے بلبلِ سدرہ ‏ ‏ ‏ ‏ وہ اُمّی جس کے آگے عقلِ کل طفلِ دبستانی

اگر خموش رہوں میں تو تو ہی سب کچھ ہے
جو کچھ کہا تو تیرا حُسن ہو گیا محدود

درود ۳ بار: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى اَنْ تُصَلِّيَ عَلَيْهِ

عالمِ ارواح وعالمِ آخرت

اگر میں آپ سے یہ سوال کروں کہ آپ کے جسم میں روح آنے سے پہلے کہاں تھی؟ اور جب آپ کے جسم سے نکلے گی تو کہاں جائے گی؟ تو اس کا جواب آپ کے پاس کیا ہے؟ سیدھا سا جواب آپ یہ دیں گے کہ اس دنیا میں آنے سے پہلے روح عالمِ ارواح میں تھی اور اس دنیا سے نکل جائے گی، تو عالمِ آخرت میں پہنچے گی۔ تو گویا جس عالم میں اس وقت ہم چل پھر رہے ہیں۔ اس عالم سے پہلے بھی ایک عالم ہے اور اس عالم کے بعد بھی ایک عالم ہے۔ پہلے والے کو آپ عالمِ ارواح

کہہ لیجیے اور آنے والے عالم کو عالمِ آخرت کہہ لیجیے۔ مگر ایک بات ہے کہ یہ دونوں عالم ہماری نگاہوں سے پوشیدہ رکھے گئے ہیں۔ ان دونوں عالم کے سمجھنے کے لیے نہ ہمارے پاس حواس ہے، نہ ہمارے پاس کوئی قوتِ ادراک ہے۔ نہ ہمارے پاس سمجھنے کا کوئی آلہ ہے۔ عالمِ آخرت کو یا عالمِ ارواح کو ہم سمجھنا چاہیں تو وہ کونسی چیز ہے جس سے ہم سمجھ سکیں۔

الغرض عالمِ ارواح کو بھی ہم سے پوشیدہ رکھا گیا اور عالمِ آخرت کو بھی آپ کا یہ فیصلہ کہ روح اس عالم میں آنے سے پہلے عالمِ ارواح میں تھی۔ یہ کوئی غلط فیصلہ نہیں ہے اور آپ کا یہ فیصلہ کہ اس دنیا کے بعد ہم کو عالمِ آخرت میں جانا ہے۔ یہ بھی کوئی غلط فیصلہ نہیں ہے۔ یہ بالکل حقائق پر مبنی ہے، لہٰذا ہم ان دونوں عالم کا انکار بھی نہیں کر سکتے کہ چونکہ ہم نہیں سمجھتے۔ اس لیے نہ آخرت ہے نہ عالمِ ارواح ہے۔ چونکہ ہم نہیں جانتے، چونکہ ہمارا ادراک نہیں پہنچا، چونکہ ہماری سمجھ نہیں پہنچی، چونکہ ہمارا شعور نہیں پہنچا۔ تو ہم نہ عالمِ ارواح کو مانتے ہیں، نہ عالمِ آخرت کو ہم مانتے ہیں۔ یہ کہہ کر فرصت نہیں مل سکی۔ عالمِ ارواح کا ہونا ایک حقیقت ہے اور عالمِ آخرت کا ہونا ایک حقیقت ہے۔ چاہے تم کو اس کا علم حاصل ہو سکے یا نہ ہو سکے۔ تمہیں ماننا پڑے گا کہ ایک عالم وہ تھا جسے ہم عالمِ ارواح کہتے ہیں اور ایک عالم وہ ہو گا جسے ہم عالمِ آخرت کہتے ہیں۔

دوستو کیا سمجھ میں آیا، عالمِ ارواح پہلی کڑی ہے ہم جس میں ہیں یہ **عالمِ اجسام** دوسری کڑی ہے اور عالمِ آخرت تیسری کڑی ہے یہی تو سلسلہ ہے عالمِ ارواح سے آپ آ گئے عالمِ اجسام میں۔ عالمِ اجسام سے چلیں گے تو عالمِ آخرت میں۔ تو اب یہ جس دنیا میں آپ ہیں یہی سب کچھ نہیں ہے، بلکہ یہ دو دُنیا کے بیچ کی کڑی ہے۔ ایک ادھر ہے ایک ادھر ہے اور بیچ میں یہ ہے۔ تو عقل یہ کہتی ہے کہ کسی بھی بیچ کی کڑی کو سمجھنے کے لیے اول کا بھی سمجھنا ضروری ہے اور آخر کا سمجھنا بھی ضروری ہے۔ اگر اوّل و آخر کو آپ نہ سمجھیں گے۔ اگر اوّل و آخر کا علم آپ کو نہ ہو گا، تو بیچ کی کڑی کا صحیح علم آپ کو نہیں ہو سکتا اور میں تو کہتا ہوں کہ اگر تم اسی دنیا کا علم حاصل کر دو اور آخرت اور عالمِ ارواح سے نظر کو ہٹا دو۔ تو خدا کی بے پناہ قدرتوں کا تمہیں

عرفان نہیں ہو سکتا۔ تمہارا علم ناقص ہے اور واقعی مجھے بتاؤ اور انصاف سے بتاؤ کہ اگر یہی دنیا سب کچھ ہے۔ اب اگر اس کے بعد عالمِ آخرت نہیں ہے۔ اگر ایک ایسی دنیا نہیں ہے جہاں ہمیں حساب دینا ہے۔ اگر ایسی دنیا نہیں ہے جہاں عدالتِ خداوندی میں ہمیں حاضر ہونا ہے۔ جو کچھ ہے یہی ہے تو مجھے سمجھاؤ کہ کسی نبی کی ضرورت کیا ہے؟ پھر کسی آسمانی ہدایت کی ضرورت کیا ہے؟ پھر کسی آسمانی صحیفے کی ضرورت کیا ہے؟ ہمیں بتاؤ کہ جب عالمِ آخرت کا وجود بالفرض مان لو کہ نہیں ہے۔ تو اب ایسے وقت میں کسی ہدایت کی ضرورت کیا ہے؟ اس لیے کہ اس دنیا میں رہنے سہنے کا ڈھنگ ہمیں خوب معلوم ہے۔ اس دنیا میں جو زندگی گذارنے کے طریقے ہیں، وہ ہمیں خوب معلوم ہیں۔ ہماری عقل کافی ہے۔ ہمارے حواس کافی ہیں۔ اس دنیا کی ساری آسائشیں ہماری عقل و ادراک کی گرفت میں ہیں۔ اس دنیا میں رہنے کے سارے طریقے ہیں۔ ہمیں اچھی طرح معلوم ہیں، ہم ترقی کرتے چلے جا رہے ہیں۔ ہم بڑھتے ہی چلے جا رہے ہیں اور ہم بلند ہوتے ہی چلے جا رہے ہیں۔ تو دنیا کے اندر جو کچھ ہونا ہے اور ہماری زندگی کے لیے جو باتیں ضروری ہیں، اس کو سمجھانے کے لیے نہ کسی نبی کی ضرورت ہے، نہ کسی آسمانی صحیفے کی ضرورت ہے۔ یہ ضرورت اس وقت آتی ہے جب ہم عالمِ آخرت کو مانیں اور یہ مانیں کہ اس دنیا میں جو کچھ ہمیں کرنا ہے، اس کا حساب بھی دینا ہے۔ اس دنیا میں جس طرح زندگی گزارنا ہے، یہی سب کچھ نہیں ہے، بلکہ عدالتِ خداوندی میں حاضر ہونا بھی ہے۔ تو اگر اس حاضری کے تصور کو ہٹا دو، تو ہمیں بتاؤ نبی کی ضرورت کیا ہے؟ نبی آئے گا تو کس لیے؟ نبی آئے گا تو کیا بتانے کے لیے آئے گا۔ اگر اسی کام کے لیے نبی آئے گا کہ کھانے پینے کا طریقہ بتانے کے لیے آئے گا۔ چلنے پھرنے کا انداز بتانے کے لیے آئے گا، سونے جاگنے کے بارے بتانے کے لیے آئے گا، تو مجھے بتاؤ پھر نبی کی ضرورت کیا ہے؟ نبی کریم کے آنے سے پہلے بھی تو ہم لوگ سوتے جاگتے تھے۔ نبی کے آنے سے پہلے بھی تو ہم کھاتے پیتے تھے۔ نبی کے آنے سے پہلے بھی تو ہم چلتے پھرتے تھے اور تم یہ کہو کہ اے چلنے پھرنے والو! تم اچھا بھی چلتے ہو بُرا بھی چلتے ہو۔ اے کھانے پینے والو! تم اچھا بھی کھاتے ہو، بُرا بھی کھاتے ہو۔

اے اٹھنے بیٹھنے والو! تم اچھے انداز سے بھی اٹھتے بیٹھتے ہو اور بُرے انداز سے بھی اٹھتے بیٹھتے ہو، جواب ہوگا ٹھیک ہے۔ ہم اچھے انداز سے اٹھیں بیٹھیں یا بُرے انداز سے اٹھیں بیٹھیں۔ جب آخرت ہے ہی نہیں تو ڈر کس کا ؟ اچھا کھائیں کہ بُرا کھائیں، اچھی طرح چلیں کہ بُری طرح چلیں۔ جب آخرت کا سوال نہیں ہے، تو پھر خوف کس کا ہے۔ جب اسی دنیا میں ہمیں رہنا ہے تو جس انداز سے ہم چاہیں گے رہیں گے۔ کیا ضرورت ہے کسی کی ہدایت کی۔ کیا ضرورت ہے کسی نبی کی۔ تو پتہ چلا دوستو! نبی کی ضرورت اسی وقت سمجھ میں آئے گی۔ جب آخرت کو مان لو، میزان کو مان لو۔ پل صراط کو مان لو۔ وہاں کی منزلوں کو مان لو، وہاں کی کیفیتوں کو مان لو۔ اسی لیے اسلام اور قرآن آخرت کے منوانے پر بڑا زور دیتا ہے، اس لیے کہ آخرت پر ایمان تمام نیکیوں کی جڑ ہے۔ اب بات سمجھ میں آگئی کہ ہم صرف جس دنیا میں رہتے ہیں۔ یہی دنیا ہمارے لیے سب کچھ نہیں ہے، بلکہ آخرت بھی ہے۔ اب سوال پھر گیا اپنی جگہ پر کہ جب اوّل میں بھی ایک دنیا ہے اور آخر میں بھی ایک دنیا ہے تو ان دو دنیاؤں کا ان دو عالموں کا علم ہمیں کیسے ہوا؟ یاد رکھو عالمِ ارواح اور عالمِ آخرت کا نام کیا ہے ؟ عالمِ غیب ! اور جس عالم میں آپ رہتے ہیں اس عالم کا نام کیا ہے ؟ عالمِ شہادت۔ تو عالمِ شہادت غیب کے دو حالوں کی بیچ کی کڑی ہے اور اس کڑی کو سمجھ نہیں سکتے اور جب تک کہ اوّل و آخر کو سمجھ نہ لیں۔

مشکل منزل

مگر مشکل یہ ہے کہ پہلا بھی غیب اور آخر بھی غیب۔ نہ وہاں ہمارا ادراک پہنچے اور نہ وہاں ہمارا ادراک پہنچے۔ تو خدا تعالیٰ کی لامحدود قدرتوں کو سمجھنے کا ذریعہ کیا ہے ؟ اب بتاؤ، سوچو اور سمجھو کہ جب ہمارے پاس کوئی ایسی قوتِ ادراک نہیں ہے۔ کوئی سمجھنے کا ایسا آلہ نہیں ہے کہ ہم اوّل کو بھی سمجھیں اور آخر کو بھی سمجھیں۔ تو ایسی صورت میں ہم اس دنیا کو بھی ٹھکانے سے اگر سمجھنا چاہیں، تو کیسے سمجھ سکتے ہیں۔ آپ کو کیسے معلوم ہوا کہ عالمِ آخرت بھی ایک حقیقت ہے۔ کیا یہ آپ کی عقل کا فیصلہ ہے۔ نہیں جب ہمارے پاس اتنی رسائی نہیں ہے۔ ہمارے حواس کے پاس اتنی رسائی نہیں ہے تو آخر ان دو عالموں کا

پتہ ہمیں چلے تو کیسے چلے۔ ہم اسی پریشانی میں تھے۔ ہم اسی سوچ و فکر میں تھے کہ اوّل و آخر کو سمجھیں تو کیسے سمجھیں کہ اسلام ہمیں مطمئن کر رہا ہے۔ قادرِ مطلق اپنا پیغام بھیج رہا ہے اسے انسانو! گھبرانے کی بات نہیں ہے۔ تم یہی فکر کر رہے ہو کہ جب عالمِ غیب تک ہمارے حواس نہیں پہنچتے، ہمارا ادراک نہیں پہنچتا۔ تو ان دونوں عالموں کا علم ہمیں کیسے ہوگا؟ اور جب علم نہیں ہوگا تو اس پر ایمان کیسے لائیں گے؟ اس لیے کہ ایمان سے پہلے علم کی ضرورت ہے ایسا نہیں ہو سکتا کہ کسی چیز کا آپ کو علم نہ ہو اور آپ اسے مان جائیں، پہلے علم ہوتا ہے پھر ایمان۔ ذرا غور کرو مطالبہ ہم سے کیا جا رہا ہے یُؤْمِنُوْنَ بِالْغَیْبِ۔ یہ غیب پر ایمان لاتے ہیں اور حال یہ ہے کہ غیب کا علم حاصل کرنے کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں۔ نہ حواس میں نہ ادراک میں۔ تو جس کا علم ہی ہمیں نہ ہو تو پھر ہمیں اس پر ایمان لانے کا سوال کیا پیدا ہوتا ہے تو ہمیں جواب ملتا ہے نادان اِدھر اُدھر ذہن اڑانے سے کوئی فائدہ نہیں۔ زیادہ سوچ بچار کرنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ اچھی طرح سے سمجھ لو، سنو۔ اگر قرآن کریم نے یہ مطالبہ کیا ہے کہ تمہیں بے دیکھے ماننا ہے۔ تم غیب پر ایمان لانے والے ہو۔ آخرت ایک چیز ہے۔ عالمِ ارواح ایک حقیقت ہے تو یہ مت سمجھ لینا، اس کی معلومات کا کوئی ذریعہ تمہیں نہیں دیا گیا ہے۔

نبی کی ضرورت

دیکھو نبی اسی لیے آتا ہے کہ وہ تمہیں عالمِ ارواح سے بھی باخبر کرے اور تمہیں عالمِ آخرت سے بھی باخبر کرے۔ اس لیے کہ تمہارے حواس عالمِ شہادت کے لیے ہیں۔ عالمِ غیب کے لیے نہیں ہیں تو ضرورت ہے کہ ایک ذریعۂ معلومات تمہیں دیا جاتے جو غیب کی باتیں بتاتا ہے اور جس طرح کہ خدا تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے تمہیں حواس دیئے ہیں۔ کان، آنکھ، زبان۔ ناک اور دوسرے حاسّے تمہیں ملے ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے دیا ہے تو نبی کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ایک قوّت قدسیہ عطا فرمایا ہے۔ تمہارے آلاتِ ادراک یعنی سوچنے سمجھنے اور احساس کرنے کے آلات جس طرح تمہارے قابو میں ہیں، اسی طرح وہ قوّتِ قدسیہ نبی کے قابو میں ہیں۔ نبی جس طرف

متوجہ ہو جائے سب منکشف ہو جاتے۔

اچھی طرح سمجھ لو تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، تمہیں گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم فکر کیوں کرتے ہو کہ ہمیں عالمِ ارواح کا کون علم دے گا۔ تم فکر کیوں کرتے ہو کہ ہمیں عالمِ آخرت کا پتہ کون دے گا۔ فکر کرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔ دیکھو یہ رسول ہیں جو تمہیں عالمِ ارواح کی باتیں بتائیں گے۔ یہ نبی ہیں جو تمہیں آخرت کا علم دیں گے۔ یہ ایسی کتاب لے کر آ رہے ہیں جو تِبْیَانًا لِکُلِّ شَیْئٍ ہر شے کا واضح بیان ہے۔ مگر اتنا خیال رکھنا ہمارے تمہارے لیے واضح بیان نہیں ہے جو لایا ہے اسی کے لیے واضح بیان ہے۔

الغرض اب تمہیں فکر کرنے کی بات نہیں ہے۔ دیکھو نبی کی قوتِ قدسیہ کو تم نہیں سمجھ سکے ہو کیا وہ واقعہ جو احادیث کے صفحات پر منتشر ہے۔ تمہارے علم میں نہیں آیا — یہ نبی ہی تو ہیں کہ ذرا سی توجہ فرمائی تو پھر آسمان کے دروازوں کے کھلنے کی آواز سن رہے ہیں۔ یہ نبی ہی تو ہیں کہ حالتِ نماز میں تمہارے رکوع اور خشوع کو دیکھ رہے ہیں، تمہارے سجدوں کو دیکھ رہے ہیں۔ ذرا غور تو ہیں کہ جب حضرت جبرئیل علیہ السلام آنے کا ارادہ کرتے ہیں تو وہ ان کی آمد کی خوشبو کو یہیں سے سونگھ لیا کرتے ہیں۔ یہ نبی ہی تو ہیں کہ جب قبر پر سے گزرتے ہیں تو عالمِ برزخ کے احوال ان پر منکشف ہو جاتے ہیں۔

حضورؐ کا دو قبروں پر گذر

کیا تم وہ مشہور واقعہ فراموش کردو گے کہ نبی قبر سے گزرے اور اس کے بعد ٹھہرے اور کہا کہ ٹھہرو۔ یہ دو قبریں ہیں نا۔ ان دو قبروں کے اندر عذاب ہو رہا ہے۔ جن پر عذاب ہو رہا ہے کسی ایسی وجہ سے نہیں ہو رہا ہے جس سے وہ بچ نہیں سکتے تھے اور اس کے بعد نبی نے کیا کیا؛ فوراً ایک درخت کی ایک ٹہنی توڑی اور اس کے دو ٹکڑے کر دیئے۔ دونوں قبروں پر ان ہری بھری ٹہنیوں کو گاڑ دیا اور کہا سنو! جب تک ان میں ہرا پن رہے گا، جب تک یہ ٹہنیاں تازہ رہیں گی، اس وقت تک اللہ تعالیٰ ان کے عذاب میں تخفیف فرمائے گا۔ تخفیفِ عذاب کا سامان نبی نے کر دیا۔

دیکھو صحابہ بھی تو ساتھ تھے، مگر کسی کی نظر عالمِ برزخ پر نہ پڑی، اس لیے کہ ان کے حواس کچھ اور تھے۔ نبی کے پاس والی قوت کچھ اور تھی، جبکہ اس نے اس قوت کو استعمال کیا۔ تو عالم کے تمام حالات ان پر کھل گئے۔ اور سنو نبی نے کیا بات کہی، اس میں دو ہیں اور دونوں پر عذاب ہو رہا ہے تو عذاب کا ہونا ایک غیب اور کس وجہ سے عذاب ہو رہا ہے اس کا بتانا دوسرا غیب۔ اور جب تک یہ ٹہنیاں سرسبز رہیں گی، عذاب موقوف رہے گا، یہ تیسرا غیب ہے۔ مگر کوئی کھڑا ہونے والا انسان کوئی صحابی یہ نہ کہہ سکا اے نبی آپ کی آنکھیں حلقۂ چشم میں ویسے ہی نظر آتی ہیں جیسے ہماری آنکھیں ہیں۔ اے نبی آپ کا قد و قامت دیکھنے میں تو ویسے ہی تو دکھتا ہے جیسے ہمارا قد و قامت۔ تو یہ کیا بات ہے آپ دیکھ رہے ہیں اور ہم نہیں دیکھ رہے ہیں، ہم نہیں مانتے۔ مگر نہیں دوستو۔ وہ نبی کو ایسا مان گئے تھے کہ آج اگر ویسا کوئی مانے تو ایمان کی لذت پا جائے۔ اے نبی! ہم آپ کو مان چکے ہیں۔ قبر میں کیا ہو رہا ہے نبی بتائیں تو ہم کیوں نہ مانیں۔ جب وہ خدا کے بارے میں اشھد ان لا الہ الا اللہ ارشاد فرمائے۔ جب وہ غیب الغیب کا پتہ دے تو ہم مان لیں اور قبر کا پتہ دے تو ہم نہ مانیں۔ جنت کا پتہ دے تو ہم مان لیں۔ جہنم کا پتہ دے تو مان لیں۔ آخرت کا پتہ دے تو مان لیں اور قبر کا پتہ دیں تو نہ مانیں۔ ایسی بات نہیں ہے۔ نبی کہتے جا رہے ہیں اور ماننے والے مانتے چلے جا رہے ہیں اور پھر نبی نے دکھایا اے میرے ماننے والو! وہ تو عالمِ برزخ میں ہیں نا۔ ان پر جو کچھ ہو رہا ہے۔ عالمِ برزخ میں ہو رہا ہے اور میں عالمِ شہادت میں ہوں اور دیکھو میں ٹہنیاں گاڑ کے یہیں سے ان کو مدد پہنچا رہا ہوں۔ تو دیکھ لیا تم لوگوں نے، یہاں رہ کر وہاں سے غافل نہیں ہوں۔ یہاں رہ کر وہاں اپنے چاہنے والوں سے غافل نہیں ہوں اور سن لو جب اتنی بات تمہاری سمجھ میں آگئی کہ میں عالمِ شہادت میں رہ کر عالمِ غیب کی مدد کر رہا ہوں۔ تو یہ بھی بات تمہاری سمجھ میں آجائے گی کہ جب وہاں ہوں گا تو یہاں کی مدد کروں گا۔ نہ وہاں کوئی ہمارے یہاں کے لیے روک۔ نہ یہاں کی دنیا وہاں کے لیے روک۔

تو ہمیں گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں عالمِ ارواح کا بھی علم ملے گا، ہمیں عالمِ آخرت

کا بھی علم ملے گا اور اس علم کا ذریعہ ہیں نبی۔ اور نبی اور رسول کو اگر ہٹا دو بیچ سے۔ تو نہ عالمِ ارواح کا علم ہو سکتا ہے اور نہ عالمِ آخرت کا علم ہو سکتا ہے۔ اور عالمِ ارواح اور عالمِ آخرت دونوں ہیں عالمِ غیب۔ تو معلوم ہوا کہ اگر نبی کو عالمِ غیب کی خبر نہ دی جائے تو وہ ہمارے ایمان کو کیا مکمل کر سکے گا۔ اسے تو خود بھی آخرت کا پتہ نہ چلے گا۔

مختلف عالم

اور ایک اور باریک نکتے کی طرف میں آپ کے ذہن کو لے جاؤں۔ دیکھئے آپ دنیا میں گھرے ہوئے ہیں۔ دیکھنے میں تو ایک ہی دنیا میں ہیں نا۔ نہیں جناب! بہت سی دنیا ہے۔ ایک دنیا وہ ہے جس کا علم آپ کو سُن کر ہوتا ہے۔ یہ آواز والی دنیا ہے۔ اگر سننے کی طاقت آپ سے چھین لی جائے تو آپ آواز والی دنیا سے نکل گئے۔ ایک دنیا وہ ہے جس کو آپ دیکھ کر معلوم کرتے ہیں، وہ یہی ہے جس کو آپ دیکھ رہے ہیں۔ اگر یہ آنکھ کی روشنی آپ سے چھین لی جائے تو اس دیکھنے والی دنیا سے آپ الگ ہو گئے۔ ایک وہ دنیا ہے جس کو آپ چکھ کر معلوم کر سکتے ہیں۔ یہ میٹھا ہے یہ کھٹا ہے یہ کیسا ہے؟ یہ کان سے نہیں معلوم ہوگا۔ آنکھ سے یہ نہیں معلوم ہوگا۔ اس کے لیے ایک دوسرے حواس کی ضرورت ہے، یعنی چکھنا۔ چکھ کے معلوم کیا یہ میٹھا ہے کہ کھٹا ہے۔ اگر تم سے قوتِ ذائقہ چھین لی جائے تو اس دنیا سے نکل گئے۔ ایک دنیا وہ ہے جس کو تم چھو کر معلوم کرتے ہو، یہ گرم ہے کہ ٹھنڈا۔ اس کو تم سوچ کے نہیں معلوم کر سکتے، اس کو سونگھ کے نہیں معلوم کر سکتے۔ اس کو دیکھ کے نہیں معلوم کر سکتے۔ اس کو چکھ کے نہیں معلوم کر سکتے، یہ گرم ہے کہ ٹھنڈا۔ چھونا پڑے گا۔ چھونے کے بعد معلوم ہوا کہ یہ قوت جو ہے اگر چھین لی جائے، تو اس دنیا سے تم الگ ہو گئے۔ ایک دنیا وہ ہے جس کو تم عقل سے معلوم کرتے ہو۔ اگر تم سے عقل لے لی جائے تو تم اس دنیا سے محروم ہو گئے۔ تو کتنی دنیا ہوئیں۔ قوتِ سامعہ سننے والی طاقت۔ قوتِ باصرہ دیکھنے والی طاقت۔ قوتِ شامہ سونگھنے والی طاقت۔ قوتِ لامسہ چھونے والی طاقت۔ تو دیکھو اتنی دنیاؤں میں خدا تعالیٰ نے تمہیں پیدا کیا تو ہر دنیا کو سمجھنے کے لیے ایک ایک حاسہ تم کو دیا۔ گرم، ٹھنڈا سمجھتا ہے چھو کے معلوم کرو۔ تم کو ذائقہ دیکھنا ہے

چکھ کے معلوم کرنا۔ تم کو شکل و صورت دیکھنی ہے، دیکھ کے معلوم کرنا۔ تم کو اچھی اور بُری آواز پہچاننی ہے سن کے معلوم کرنا۔ تمہیں کچھ عقلی باتوں کا پتہ لگانا ہے تو غور و فکر کر کے معلوم کرنا۔ تو معلوم یہ ہوا کہ بہت ساری دنیا میں یہ انسان گھرا ہوا ہے۔ تو اب اگر ان طاقتوں میں سے ہم تم سے چھین لیں، تو اس دنیا سے تم محروم ہو گئے جس کا علم اسی طاقت کے ذریعہ ہو سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے۔ اس کی عنایت ہے۔ اس کا کرم ہے کہ ہر دنیا کو سمجھنے کے لیے اس نے ایک قوت عطا فرمائی۔ ذرا غور کرو۔ کان کے لیے جو چیز شہادت ہے، وہ آنکھ کے لیے غیب۔ فلاں بہت اچھا پڑھ رہا ہے۔ یہ جو تم کہہ رہے ہو، کس کی وجہ سے کہہ رہے ہو۔ کان کی وجہ سے۔ آنکھ نے کبھی کسی کو اچھا پڑھتے ہوئے سنا۔ تو کان کے لیے جو شہادت ہے آنکھ کے لیے وہ غیب ہے اور آنکھ کے لیے جو شہادت ہے، کان کے لیے وہ غیب ہے۔ ذائقہ کے لیے جو شہادت ہے، لامسہ کے لیے وہ غیب۔ ایک حاسے کے لیے جو شہادت ہے، دوسرے حاسے کے لیے وہی غیب ہے۔ اسی لیے دوستو اگر کوئی پیدائشی اندھا ہو اور آپ اس کو یہ سمجھانا چاہیں کہ چاند اتنا خوبصورت ہے، دنیا اتنی اچھی ہے۔ میں یہ دیکھ رہا ہوں۔ میں وہ دیکھ رہا ہوں اور سنو۔ جی میرے چہرے پر ایک چھوٹی سی آنکھ ہے۔ اس آنکھ میں ایک چھوٹا سا نقطہ ہے اور اس نقطے میں اتنی بڑی دنیا ہے، اتنا بڑا پہاڑ ہے۔ چھوٹے سے نقطے میں ایک پہاڑ ہے، چھوٹے سے نقطے میں اتنے ہزار آدمی ہیں۔ چھوٹے سے نقطے میں اتنا بڑا دریا ہے تو وہ اندھا کہے گا تم مجھ کو بیوقوف نہ سمجھو، اتنے چھوٹے نقطے میں اتنا بڑا پہاڑ کیسے آجائے گا؟ یہ تو عقل میں بات نہیں آتی، چھوٹے سے نقطے میں اتنا بڑا پہاڑ کیسے آئے گا؟ تو آپ اندھے کو سمجھا سکیں گے؟ نہیں سمجھا سکتے۔ کیوں؟ اس لیے کہ جس طاقت سے آپ دریا دیکھ رہے ہیں، وہ اس طاقت سے محروم ہے۔ تو اب اس کا جواب یہی ہو گا کہ اے اندھے! میری نگاہ کا نقطہ اگر تیری نگاہ کا نکتہ ہوتا، تو تو بے سمجھے سمجھ جاتا کہ یہ کیسے سب کچھ نظر آ رہا ہے، مگر مشکل تو یہ ہے کہ میرے پاس آنکھ موجود ہے اور تو اندھا ہے۔ میرے لیے جو شہادت ہے وہ تیرے لیے غیب ہے۔

غیب سے انکار کی وجہ

ایسے ہی دوستو میں تمہیں بتا رہا ہوں۔ کوئی بھی طاقت کسی سے چھین لی جائے۔ کوئی بہرا ہو بہرا۔ کچھ بھی نہ سنتا ہو۔ اب بہترین بہترین آوازیں اِدھر اُدھر سے آ رہی ہیں۔ آپ سن رہے ہیں، وہ نہیں سُن رہا ہے۔ تو اب اگر آپ اسی کو لکھ کر سمجھانا چاہو۔ سنو جی یہ دنیا عجیب پیاری دنیا ہے۔ کتنی پیاری پیاری آوازیں آتی ہیں۔ دیکھو یہ چڑیا چہچہا رہی ہے۔ دیکھو یہ اچھے پڑھنے والے قرآن کریم کی تلاوت کر رہے ہیں۔ اذان کی پیاری آواز آ رہی ہے۔ وہ کہے گا یہ کیا بنڈل ہانک رہے ہو۔ میں بھی تو ہوں۔ میں تو کچھ نہیں سُن رہا ہوں۔ کان کا نقشہ میرا تو ویسا ہی بنا ہوا ہے، مگر اس میں کچھ نہیں آ رہا ہے۔ یہ تمہارے اتنے سے کان میں کتنی باتیں آ رہی ہیں۔ یہ چھوٹے سے کان میں کتنی باتیں پڑ رہی ہیں۔

تو تم یہی کہو گے سنو جی تمہارے پاس اس دنیا کے سمجھنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ اس لیے تمہاری سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ جب ہمارے پاس نہیں، تو اس کے پاس کیسے ہے؟ تو بات سمجھ میں آ گئی کہ رسول کے پاس غیب سمجھنے کی ایک قوت ہے اور ہمارے پاس غیب سمجھنے کی کوئی قوت نہیں ہے تو ہم سمجھتے ہیں کہ جب ہمارے پاس نہیں، تو ان کے پاس کیسے ہوگا؟

جس وقت رسول کے غیب کا یہ انکار کرتے ہیں۔ اس وقت اگر یہی سمجھتے کہ بھئی ہم اس دنیا سے اندھے ہیں۔ اس دنیا کو حاصل کرنے کے لیے ہمارے پاس کوئی طاقت نہیں ہے۔ تو بات سمجھ میں آئی کہ عالمِ آواز کو سمجھنے کے لیے خدا تعالیٰ نے کان دیا، قوتِ سامعہ دی۔ عالمِ بُو مہک وغیرہ کو سمجھنے کے لیے خدا تعالیٰ نے قوتِ شامہ دی۔ اس عالم مشاہدات کے متعلق جو چیزیں ہیں، ان کے سمجھنے کے لیے خدا تعالیٰ نے قوتِ باصرہ دی۔ عالمِ ملبوسات کو سمجھنے کے لیے خدا تعالیٰ قوتِ لامسہ دی۔ مبصرات کو سمجھنے کے لیے قوتِ باصرہ دی۔ مسموعات کو سمجھنے کے لیے قوتِ سامعہ دی۔ مدرکات کو سمجھنے کے لیے قوتِ فکریہ دی۔ ملموسات کو سمجھنے کے لیے قوتِ لامسہ دی۔ سونگھ کر جو چیز سمجھی جاتی ہے اس کو سمجھنے کے لیے قوتِ شامہ دی۔ دینے والا ایک ایک قوت دے رہا ہے تاکہ

ساری دنیا کو تم سمجھ سکو تو اب ہمیں سوچنا پڑے گا۔ اے دینے والے ہر دنیا کو تو تو نے سمجھا دیا ہے، مگر غیب کو سمجھنے کے لیے ہمیں کیا دیا؟ اس لیے کہ جب تک ہم غیب کو نہ سمجھیں گے، اس غیب کو مانیں گے کیسے؟ اس پر ایمان لائیں گے کیسے؟ اس کے بعد ایک بات میں آپ کو بتاؤں کہ دیکھو یہ انسان کی جتنی قوتیں ہیں، آپس میں کس قدر متحد ہیں۔ کان کہتا ہے کہ زید بہت اچھا پڑھتا ہے تو زبان انکار نہیں کرتی، حالانکہ زبان سنتی نہیں ہے اور آنکھ کو بھی انکار نہیں اور دماغ کو بھی انکار نہیں۔ آنکھ کہتی ہے، وہ صورت بہت اچھی ہے۔ کان بھی خاموش ہے۔ وہ نہیں کہتا کہ غلط کہہ رہی ہو۔ کتنا اتحاد ہے مطلب یہ ہے جس کے لیے جو غیب ہے، وہ اس میں خواہ مخواہ کے لیے مداخلت نہیں کرتا۔ اے آنکھ تیرے لیے وہ شہادت ہے تو ٹھیک کہہ رہی ہے۔ کان نے کہا فلاں نے اچھا پڑھا۔ آنکھ نے مختصر جواب دیا ٹھیک ہے، وہ تیرے لیے شہادت ہے تو ٹھیک ہی کہہ رہی ہے۔ الغرض آپس میں بہت ہی صلح ہے۔ کان پر آنکھ کو اعتماد۔ آنکھ پر کان کو اعتماد۔ لامسہ پر شامہ کو اعتماد۔ شامہ کو لامسہ پر اعتماد۔ سب کو ایک دوسرے پر بڑا بھروسہ ہے اور اگر آپس میں ٹکرا جاتے۔ کان، آنکھ سب ٹکرا جاتے۔ ہاتھ پیر سب ٹکرا جاتے تو جسم و روح کا سارا نظام درہم برہم ہو جاتا، مگر کوئی نہیں ٹکرا رہا ہے۔ ایک جو فیصلہ کر رہا ہے سب مان رہے ہیں۔ ایک فیصلہ کر رہا ہے۔ پورا جسم کا نظام مان رہا ہے کہ ٹھیک ہے اس کے پاس ایک ایسی قوّت ہے جس سے وہ بتا رہے ہیں، ٹھیک ہی بتا رہے ہیں۔ مگر دوستو غیب کا بتانے والا جب غیب کی بات بتا رہا ہے تو سب جھگڑنے لگتے ہیں۔ وہاں نہیں صلح کر لیتے، وہاں نہیں کوئی مصالحت کر لیتے۔

غیب کی باتیں کس نے بتائیں

ایک بات سمجھ لو کہ جس چیز سے جو ضرورت پوری ہو جائے تو سمجھ لو خدا تعالیٰ نے اس کو اسی لیے بنایا ہے۔ کان سے سننے کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے نا۔ کان سننے کے لیے ہے۔ آنکھ سے دیکھنے کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے۔ آنکھ دیکھنے کے لیے ہے۔

زبان سے چکھنے کی ضرورت پوری ہوجاتی ہے۔ زبان چکھنے کے لیے ہے۔ ہاتھ سے چھو کر معلوم کرنے کی ضرورت پوری ہوجاتی ہے۔ ہاتھ چھونے کے لیے ہے۔ دماغ سے سوچنے کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے۔ دماغ سوچنے کے لیے ہے تو جس سے جو ضرورت ہوتی ہے پوری ہوجاتی ہے۔ ہم فیصلہ کر دیتے ہیں کہ وہ اسی کے لیے ہے۔ اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ کان سننے کے لیے ہے۔ اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ آنکھ دیکھنے کے لیے ہے۔ اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ ناک سونگھنے کے لیے ہے۔ مگر کیا بات ہے کہ اگر کوئی یہ کہہ دے کہ نبی غیب بتانے کے لیے ہے تو سبھی جھگڑ پڑتے ہیں، حالانکہ اس میں اختلاف ہونا چاہیے۔ جس طرح یہ حواس جس کی خبر نہ کر سکیں۔ نبی اسی لیے بھیجا گیا ہے کہ ہمیں ان باتوں کا علم دے۔ جن کا پتہ ان حواس کو نہ ہو۔ کان کو نہ ہو۔ دماغ کو نہ ہو۔ ہم کسی طور سے ان کا پتہ نہ لگا سکیں۔ اسی کا ذریعۂ معلومات نبی ہے اور نبی کو ہٹا دو تو مجھے بتاؤ۔ غیب کی خبریں کس نے بتائیں؟ کیا تمہارے پاس کوئی ایسی قوت ہے جو قیامت کا پتہ لگا سکے؟ جو غیب الغیب ذاتِ الٰہیہ کا پتہ لگا سکے؟ جو عذابِ قبر کا پتہ لگا سکے۔ کیا کوئی ایسی طاقت تمہارے پاس ہے؟ نہیں۔ اچھا طاقت نہیں ہے تو عالمِ غیب میں رہنے والے فرشتوں میں سے کسی سے آپ کی دوستی ہے؟ وہاں سے کچھ تعلق ہے؟ کچھ ادھر سے مخبری ہو رہی ہے۔ کوئی راستہ آپ نے بنا رکھا ہے؟ یہ بھی نہیں ہے؟ اچھا یہ بھی نہیں ہے تو مجھے بتاؤ غیب کی خبریں تم تک کیسے پہنچیں؟ کس نے آکر بتایا؟ میں تو کہتا ہوں سوچو جی قرآن بسم اللہ کی ب سے لے کر والناس کی س تک سب غیب ہی غیب تھا۔ یہ قرآن کریم بسم اللہ کی باء سے لے کر والناس کی سین تک جب تک میرے رسول نے پڑھ کر نہیں بتایا تم نہیں سمجھے تھے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کیا ہے؟ تم نہیں سمجھے تھے کہ سورۂ فاتحہ کیا ہے؟

بتاؤ قرآن کریم جس کو تم کلامِ الٰہی کہہ رہے ہو، رسول کے پیش کرنے سے پہلے کیا تم اپنے حواس سے اس کا ادراک کر سکتے تھے؟ کیا اپنے دماغ سے اس کتاب کو لا سکتے تھے؟ سمجھ سکتے تھے؟ نہیں تو قرآن بسم اللہ کی باء سے لے کر والناس کی سین تک سب غیب ہی غیب رہا۔ اس لیے کہ

کلام اللہ جو ہے وہ غیب الغیب کی صفت ہے۔ اس کی ذات بھی غیب۔ صفات بھی غیب۔ اب بتاؤ اس غیب کو کس نے ظاہر کیا۔ تو اگر رسول نہ آتے تو غیب کا گلدستہ ہمیں کیسے ملتا؟ الغرض رسول اسی لیے بھیجے جاتے ہیں تاکہ لوگوں کو غیب کی باتیں بتائیں۔ مگر ایک بات میں تمہیں بتاؤں۔ وہ اگر میں تمہیں بتاؤں گا تو بات نامکمل رہے گی۔ اس سلسلے میں کہ میرے رسول کو غیب کا علم دیا گیا۔ ایک قوتِ قدسیہ عطا فرمائی گئی۔ ہمارا یعنی اہلِ سنت وجماعت کا عقیدہ کیا ہے، وہ ظاہر کردوں! اس لیے کہ عقیدہ جب آپ سمجھ لیں گے، تو ان لوگوں کے فریب میں نہ آئیں گے، جو بعض جزوی واقعات کو اٹھا اٹھا کر شور مچایا کرتے ہیں کہ حضور کو اس کا علم کہاں ہے؛ اس کا علم کہاں ہے؛ ویسے تو ہر ہر واقعے کا الگ الگ جواب ہوسکتا ہے۔ مگر میں سوچتا ہوں کہ کہاں تک کوئی جواب دے گا، اور کہاں تک آپ جواب سُنیں گے، لہٰذا سنو! یہ قرآن پورے کا پورا صحیفۂ غیب ہے اور ظاہر ہے کہ یہ صحیفۂ غیب یک بارگی رسول پر نازل نہیں کیا گیا۔ بلکہ بتدریج رسول کو دیا گیا۔ دینے والے نے جیسے بھی چاہا دیا۔ ہم یہ نہیں کہتے کہ رسول کو غیب خود بخود معلوم ہوگیا۔ ہم کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے غیب دیا۔ چاہے بلاواسطہ دیا ہے، چاہے جبرئیل کے واسطے سے دیا ہو۔ چاہے مقامِ دنیٰ فتدلّٰی پر بُلا کے بلاواسطہ دے دیا ہو، چاہے الہام میں دیا ہو، چاہے خواب میں دیا ہو۔ دینے والا خدا ہے۔ ہم یہ راستہ نہیں تلاش کر رہے ہیں کہ کس راستے سے دیا ہے۔ تم مان لو کسی بھی راستے سے۔ ہمارا تو دعویٰ صرف یہ ہے کہ اس نے دیا ہے اور رسول نے لیا ہے۔ جس راستے سے بھی دیا ہو، چاہے قرآن کے راستے سے دیا ہو، چاہے قرآن کریم کے معانی کو سمجھا کے دیا ہو جیسے بھی دیا ہے، اس میں جھگڑنے کی بات نہیں۔ اچھی طرح سمجھ لو کہ قرآن کریم بتدریج نازل کیا گیا ہے۔ یک بارگی نازل نہیں ہوا۔ دھیرے دھیرے، آہستہ آہستہ اس کا نزول ہوتا رہا۔ یہاں تک کہ مدتِ نزول حضور علیہ السلام کی مدتِ دعوت یعنی آپ کی ۲۳ سالہ زندگی کو محیط ہوگئی تو معلوم ہوا کہ غیب کے دینے والے نے جب رسول کو غیب دیا، تو یکبارگی نہیں دے دیا ہے۔ دینے والے نے بتدریج دیا۔ اور جب تک قرآن کریم کے نازل ہونے کا سلسلہ جاری تھا۔ غیب دینے کا سلسلہ بھی جاری تھا۔

یہ تو یقینی ذرائع سے بتا رہا ہوں۔ اس کے بعد کیا دیا۔ کتنا دیا ہمیں کوئی علم نہیں۔ مگر ہمیں جتنا علم ہے وہ ہم بتا رہے ہیں کہ جب تک قرآن نازل ہوتا رہا۔ غیب دینے کا سلسلہ جاری رہا اور جب قرآن کا نزول مکمل ہو گیا۔ میرے رسول کا علم کائنات بھی مکمل ہو گیا۔ کائنات کا معنی کیا ہے؟ جب سے دنیا ہوئی اور جب تک دنیا رہے گی ماکان و مایکون اسے خدا تعالیٰ کے علم کے آگے ایک قطرے کی بھی حیثیت حاصل نہیں ہے۔ یہ مت سمجھ لینا کہ ہم رسول کے علم کو خدا کے علم سے کچھ ملانا چاہتے ہیں۔ یہ تو کوئی پاگل بھی نہیں سوچے گا۔ خدا تعالیٰ کے علم کے آگے رسول کے علم کو وہ بھی مقام حاصل نہیں ہے جو سمندر کے آگے قطرے کو حاصل ہے۔ یہ تو ہمارا عقیدہ ہے۔ مگر جتنا علم ہم بتا رہے ہیں۔ یہ تو محدود علم ہے۔ اتنا ہی علم ہے۔ ادھر قرآن کا علم مکمل ہوا، قرآن کا نزول مکمل ہوا اور ادھر رسول کا علم مکمل ہو گیا۔ علم کائنات مکمل ہو گیا۔ اب اگر کوئی ہمارے پاس ایسا واقعہ لے آتے کہ اے لوگو سنو! رسول کے حیات طیبہ کے اوپر دیکھو۔ فلاں تاریخ، فلاں سن، فلاں دن میں قرآن کریم کا نزول مکمل ہو چکا تھا اور اس کے بعد کا یہ واقعہ ہے رسول کو جس کی خبر نہیں تھی۔ اگر ایسا واقعہ تم پیش کر سکو۔ پھر اس پر غور کیا جا سکتا ہے۔ سوچا جا سکتا ہے۔ مگر اگر قرآن کریم کے نزول کے درمیان کا کوئی واقعہ پیش کرو گے تو اس کا پیش کرنا عبث ہے، بیکار ہے، اس لیے کہ ہم کب کہتے ہیں کہ رسول کو یک بارگی سب علم دے دیا گیا۔ ہم تو کہتے ہیں بتدریج دیا گیا۔ دینے والے نے جب جتنا دینا مناسب سمجھا دے دیا۔

اور ہم یہ قرآن کریم کی روشنی میں کہہ رہے ہیں۔ قرآن کا یہ فیصلہ ہے تبیانا لکل شیئ۔ قرآن کریم ہر شے کا واضح بیان ہے اور رسول قرآن کو واضح طور پر جاننے والے ہیں۔ تو رسول کے سامنے ہر چیز واضح ہے۔

دوستو! میں نے عقلی انداز سے سمجھانا چاہا ہے کہ نبی کی ضرورت ہی اسی لیے ہے کہ غیب کے علوم سے اور پھر ان پر ایمان سے ہمارا گہرا تعلق ہے۔ اس لیے کہ اگر غیب کی خبر سے ہمارا کوئی تعلق نہ ہوتا اور غیب پر ایمان لانے کی کوئی ضرورت نہ ہوتی۔ تو پھر نبی

جاتی۔ اگر عالمِ شہادت ہی سب کچھ ہے تو نبی آیا ہے کس لیے؟ تو معلوم یہ ہوا کہ نبی ہمارے لیے خدا تعالیٰ کی طرف سے غیب کا ذریعۂ معلومات ہے۔ اب تم ہم سے پوچھو گے عالمِ مبصرات کو سمجھنے کا ذریعہ کیا ہے؟ تو ہم کہیں گے آنکھ۔ ہم سے پوچھو گے کہ مسموعات کے سمجھنے کا ذریعہ کیا ہے؟ ہم کہیں گے کان۔ اگر ہم سے پوچھو گے عالمِ بُو سمجھنے کا ذریعہ کیا ہے؟ ہم کہیں گے ناک۔ اگر تم ہم سے پوچھو گے کہ عالمِ کلیات کے سمجھنے کا ذریعہ کیا ہے؟ ہم کہیں گے عقل۔ اگر تم ہم سے پوچھو گے کہ عالمِ ملموسات کے سمجھنے کا ذریعہ کیا ہے؟ ہم کہیں گے ہمارا لمس۔ اسی طرح اگر تم ہم سے پوچھو گے کہ غیب کے سمجھنے کا ذریعہ کیا ہے؟ ہم کہیں گے نبی۔

علمِ غیب مصطفےٰ عقل کی روشنی میں

تو میں نے جس آیۂ کریمہ کی تلاوت کا شرف حاصل کیا ہے۔ اس میں یہی بات بتائی جارہی ہے وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمْ۔ اے محبوب! اللہ تعالیٰ نے تمہیں سکھا دیا جو تم نہیں جانتے تھے۔ جلالین شریف جو ہر ادارے میں پڑھائی جاتی ہے اور جو علامہ جلال الدین سیوطی اور علامہ جلال الدین محلی کی مشترکہ کوششوں کا بہت شاندار گلدستہ ہے۔ علامہ سیوطی ہوں یا علامہ محلی، دونوں کی عظمت کا سبھی اعتراف کرتے ہیں۔ کوئی مختلف فیہ شخصیت نہیں ہے۔ جلالین شریف میں ایک خاص اہتمام یہ برتا گیا ہے کہ اس میں کسی آیت کی تفسیر میں منقول بہت سے اقوال میں سے اسی قول کو رکھا ہے جو تمام اقوال میں سب سے زیادہ صحیح اور راجح قول ہے۔ زیادہ تفصیلات میں وہ نہیں پڑتے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ طلباء اور علماء کے لیے خاص طور پر انہوں نے اس کو تصنیف فرمایا ہے۔ اس میں وعلمک ما لم تعلم کی تفسیر ای من الاحکام والغیب کی گئی ہے۔ یہ دو لفظ ہیں۔ اللہ نے رسول کو سکھا دیا۔ غیب بھی سکھا دیا جو نہیں جانتے تھے۔ کیا سکھا دیا؟ احکام سکھا دیئے اور غیب سکھا دیا۔ غیب بھی سکھا دیا اور احکام بھی سکھا دیئے۔ کتنا سکھایا؟ کب سکھایا؟ کیسے سکھایا؟ اس کی تفصیلات کی ضرورت نہیں ہے۔ جب دینے والے نے مصلحت سمجھی، جب حکمت کا تقاضا ہوا، اس وقت سکھا دیا۔ تو دیکھو انہوں نے لفظ غیب

کو استعمال کر کے اپنے اس عقیدے کا اظہار کر دیا کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کو اپنے فضل سے غیب کا علم دیا۔ اللہ تعالیٰ نے سکھایا۔ غور تو کرو لوگ فخریہ کہتے ہیں نا کہ ہم سقراط کے شاگرد ہیں۔ بقراط نے ہمیں پڑھایا ہے۔ جالینوس ہمارا استاد ہے۔ کیوں کہتے ہیں تاکہ پڑھانے والے میں تو کوئی کمی نہیں۔ اور جب پڑھانے والا بھی کامل ہو اور پڑھنے والا بھی ذی استعداد ہو تو پھر شاگرد کی وسعتِ علمی محتاج نہیں رہ جاتی۔

اب ذرا یہاں کا معاملہ دیکھو۔ سکھانے والا خدا تعالیٰ اور سیکھنے والے مصطفےٰ کو جواب دو کہ دنیا میں کوئی ایسا ہے جو رسول سے زیادہ باصلاحیت ہو۔ دنیا میں ایسا کوئی ہے جو رسول سے زیادہ ذی استعداد اور پھر سکھانے والا وہ ہے جس نے حضرت آدم علیہ السلام کو سکھایا تو سارے فرشتے حیرت فروش رہ گئے۔ یہ سکھانے والا وہ ہے جس نے انسان کے علم کی برتری کو فرشتوں سے بھی منوا لیا۔ یہ سکھانے والا وہ ہے کہ جس نے اپنے خلیفۂ اول کو منوا لیا۔ یہ سکھانے والا وہ ہے کہ ایسا سکھا دیا کہ فرشتے بھی اس کی عظمت کا اقرار کرنے لگے۔ ذرا غور کرو کہ اگر سیکھنے والا رسولِ عربی جیسا ہو، سیکھنے والا محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جیسا ہو اور سکھانے والا قادرِ کائنات ہو تو بتاؤ غیب کی بات بتانے سے لئے کون سی چیز روک سکتی ہے۔ کیا ان میں صلاحیت نہ تھی؟ کیا ان میں استعداد نہ تھی؟ کیا یہ کچھ کمزور تھے؟ کیا تم نے ان کو اپنی طرح سمجھ لیا ہے؟

تو خدا تعالیٰ نے سکھایا اور محبوب نے سیکھ لیا۔ اس پر تو اعتراض کرنا ہی نہیں چاہیئے تھا۔ دوستو! صرف عقلی دنیا میں آپ کو رکھ کر آگے نہیں بڑھنا چاہتا۔ آؤ ذرا سا منقولات کی بھی سیر کر لو۔ یہ تو معقولات کی بات تھی۔ اب منقولات کی طرف چلو اور پھر دیکھو میرے رسول کی اس قوتِ قدسیہ کو۔ پھر دیکھو میرے رسول کی اس قوتِ ادراک کو۔ جدھر بھی توجہ فرما دی۔ ہر غیب منکشف ہوتا چلا جا رہا ہے۔ جدھر آپ نے خاص توجہ فرما دی

حجابات اٹھتے چلے جا رہے ہیں۔

حضرت براء ابن عازب اس حدیث کے راوی ہیں۔ غزوۂ خندق کا موقعہ ہے۔ واقعات کی تفصیلات میں آپ کو میں نہیں لے جاؤں گا۔ صرف میں مقصود اور مطلوب کی طرف آپ کی خاص توجہ چاہوں گا۔ اسی غزوۂ خندق میں ایک ایسی چٹان سے ایک ایسے پہاڑ کے ٹکڑے سے سابقہ پڑا کہ وہ ٹوٹ نہیں رہا تھا۔ سرکارِ مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تک خبر پہنچی تو سرکارِ عربی آئے اور آکر رسول نے جب پہلی ضرب لگائی تو اس کا ایک تہائی حصہ ٹوٹ گیا۔ ۱/۳ حصہ اس کا ٹوٹ گیا تو اس وقت میرے رسول نے نعرہ بلند کیا اللہ اکبر اعطیت مفاتیح الشام۔ (اللہ کے لیے بڑائی ہے، مجھے شام کی کنجیاں عطا کر دی گئی ہیں) ذرا غور تو کرو اور غزوۂ خندق کا موقعہ یاد کرو اور شام پر کامیابی کی خوش خبری سنو۔ اس کے بعد جب دوسری ضرب لگائی تو دوسرا تہائی حصہ نکل گیا تو سرکار فرماتے ہیں: اَللّٰہُ اکبرُ اُعطِیتُ مفَاتِیحَ الفَارس۔ (اللہ کے لیے بڑائی ہے فارس کی بھی کنجیاں مجھے دے دی گئیں) اور جب تیسری ضرب لگائی، تو وہ پتھر چور چور ہو گیا اور سرکار نے فرمایا: اَللّٰہُ اَکبَرُ اِنِّی اُعطِیتُ مَفَاتِیحَ الیَمَن۔ (اللہ کے لیے بڑائی ہے، مجھے یمن کی بھی کنجیاں دے دی گئیں)۔

ذرا اس زمانے کو یاد کرو جب رسول بظاہر بڑی بے سر و سامانی کے عالم میں تھے اور آپ کے پاس کچھ نظر نہیں آ رہا ہے۔ یہ بات وہ کہے جس کے پاس لاکھوں کا لشکر ہو، جس کے پاس ظاہری ساز و سامان کا انبار لگا ہوا ہو، تو ہم سمجھ سکتے ہیں کہ وہ اپنے دماغ اور اپنے ساز و سامان پر گھمنڈ کر کے ایسا کہہ رہا ہے۔ یہ وہ کہے جو ایٹمی توانائیوں کا انبار لگائے ہوئے ہو۔ ہم سوچ سکتے ہیں کہ اپنے ایٹم بم اور ہائیڈروجن بم پر بھروسہ کر کے بول رہا ہے۔ مگر نہیں، یہ وہ کہہ رہا ہے جو بوریا نشین ہے۔ یہ وہ کہہ رہا ہے جس کے پاس دنیاوی ظاہری ساز و سامان نظر نہیں آ رہا ہے۔ تو معلوم یہ ہوا کہ یہ اپنی مادی قوت کے بھروسے پر نہیں بول رہے ہیں۔ یہ غیب کا جاننے والا غیب کی بات بتا رہا ہے کہ سنو جی ہمارے اس حال کو مت دیکھو۔ ہمارا مستقبل بہت

ہی روشن ہے۔

اور آگے آؤ تفسیر روح البیان کے اوراق کو الٹو۔ صرف خیالی باتیں سنا کر آگے بڑھ جانا میں مناسب نہیں سمجھتا۔ ارشادِ ربانی ہے: وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا۔ اس آیۂ کریمہ کی تشریح اٹھا کر دیکھو تفسیر روح البیان کے اندر۔ اور اگر تفسیر روح البیان سمجھ میں نہ آئے تو تفسیر عزیزی اٹھا کر دیکھو۔ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے بالکل یہی بات فارسی میں کہی ہے۔ یہاں میں عربی کی عبارت آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں۔ تفسیر روح البیان میں ہے: معنى شهادة الرسول عليهم اطلاعه على مرتبة كل متدين بدينه و هو يعرف ذنوبهم وحقيقة ايمانهم واعمالهم وحسناتهم وسياتهم واخلاصهم ونفاقهم وغير ذالك بنور الحق۔

سنو جی یہ رسول کی شہادت کی بات کہ رسول ان پر گواہ ہوں گے۔ اس کا معنی کیا ہے؟ صاحب تفسیر روح البیان فرماتے ہیں کہ رسول ہر دیندار کے دین کے مرتبہ کو پہچانتے ہیں، مطلع ہیں، باخبر ہیں اور رسول جن جن پر گواہ ہوں گے، ان گناہوں کو بھی دیکھ رہے ہیں۔ ان نیکیوں کو بھی دیکھ رہے ہیں۔ اور ان کے ایمان کی حقیقت کو بھی دیکھ رہے ہیں۔ ان کے اعمال کو بھی دیکھ رہے ہیں اور صرف دیکھنے کی بات نہیں کی ہے۔ بلکہ یعرف پہچان رہے ہیں۔ اب مشاہدے کا کیا ذکر؛ معرفت کا معاملہ ہے۔

ایمان ونفاق کا علم

تو اللہ تعالیٰ کے رسول تمہارے اخلاص کو بھی پہچان رہے ہیں۔ اخلاص کیا ہے؟ نفاق کیا ہے؟ ایمان کیا ہے۔ یہ دل کی کیفیت ہے۔ مگر رسول سے تمہارے دل کی کیفیتوں کو بھی پوشیدہ نہیں رکھا گیا۔ اگر رسول کریم تمہارے دل کی کیفیتوں پر عالم نہ ہوتے تو یہ بے دیکھی گواہی مانی بھی نہ جاتی۔ یہ گواہ بنائے گئے ہیں۔ بے دیکھی گواہی اسی وقت قابلِ قبول ہوتی ہے۔ جب وہ دیکھنے والے کی گواہی پر مکمل ہو۔ تو رسول کے بارے میں تفسیر روح البیان والے کیا کہہ رہے ہیں؟ وہ ہمارے ایمان کو بھی جانتے ہیں۔

ہمارے گناہ کو بھی جانتے ہیں۔ ہمارے اخلاص کو بھی جانتے ہیں، ہمارے نفاق کو بھی جانتے ہیں۔ اور اپنے ایمان کا ڈھنڈورا پیٹنے والو! تمہارے ایمان کی حقیقت کو بھی جانتے ہیں۔

اچھا اگر آپ کا جی نہ بھرا ہو تو تفسیر نیشاپوری بھی اٹھا کے دیکھ لو وَجِئۡنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَآءِ شَهِيۡدًا۔ اس آیۂ کریمہ کے تحت انہوں نے فرمایا ہے: لانہ روحہ علیہ السلام شاھد علٰی جمیع الارواح والقلوب والنفوس لقولہ علیہ السلام اوّل ما خلق اللّٰہ نوری۔ یعنی میرے رسول ان کی روح مبارک تمام روحوں کا، تمام نفسوں کا، تمام قلوب کا مشاہدہ فرمانے والی ہے، اس لیے کہ رسول نے کہا ہے کہ میں سب سے پہلی مخلوق ہوں۔

اور جب سب سے پہلے حضور ہیں تو جو پیدا ہوتا گیا، اس کو رسول دیکھتے اور اگر اب بھی سمجھ میں نہ آیا ہو تو تفسیر مدارک اٹھا کر دیکھو۔ انہوں نے اسی آیت کے تحت فرمایا ہے: شاھدًا علٰی من اٰمن بالایمانِ وعلٰی من کفر بالکفر وعلی من نافق بالنفاق۔ یعنی رسول مومن کے ایمان کی گواہی دیں گے اور کافر کے کفر کی گواہی دیں گے اور منافق کے نفاق کی گواہی دیں گے۔ تم یہاں چھپاؤ، وہ وہاں چھپ جائے گا۔

میدانِ جنگ کا علم

اور اب بھی اگر سکون نہ ملا ہو تو حدیث اٹھاؤ۔ حضرت سیدنا انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث ہے۔ بیر معونہ جو مدینے سے بہت دور ہے۔ وہاں جنگ ہو رہی ہے تو وہ کہتے ہیں: عَنْ اَنَسٍ قَالَ نَعَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَيْدًا وَجَعْفَرَ وَابْنَ رَوَاحَةَ لِلنَّاسِ قَبْلَ اَنْ يَاتِيَهُمْ خَبَرُهُمْ فَقَالَ اَخَذَ الرَّايَةَ زَيْدٌ فَاُصِيْبَ ثُمَّ اَخَذَ جَعْفَرُ فَاُصِيْبَ ثُمَّ اَخَذَ اِبْنُ رَوَاحَةَ فَاُصِيْبَ وَعَيْنَاهُ تَذْرُفَانِ حَتّٰى اَخَذَ الرَّايَةَ سَيْفٌ مِّنْ سُيُوْفِ اللّٰهِ حَتّٰى فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک جنگ کی خبر، وہاں کی خبر لوگوں کے پاس آنے سے پہلے سنا دی تھی۔ حضرت زید، حضرت

جعفر، حضرت ابن رواحہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہم) کی شہادت کی خبر بھی سنا دی تھی۔ ابھی شہادت کی خبر نہیں آئی تھی۔ حضور نے ترتیب سے بیان کیا۔ جنگ وہاں ہو رہی ہے اور حضور مدینے سے بیان کر رہے ہیں۔ سنو جی پرچم حضرت زید نے لیا، وہ شہید کر دیئے گئے۔ دیکھو اس کے بعد پرچم حضرت جعفر نے اٹھایا، وہ بھی شہید کر دیئے گئے۔ دیکھو وہ حضرت ابن رواحہ نے پرچم اٹھایا اور وہ بھی شہید کر دیئے گئے۔ سرکار یہ کہہ رہے تھے اور سرکار کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اس کے بعد کہا سنو اب دیکھو اللہ تعالیٰ کی تلوار نے یعنی حضرت خالد ابن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پرچم اٹھا لیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو کامیاب کر دیا۔ ذرا غور کرو اس تفصیل سے بتانے والا وہی تو بتا سکتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ایک ایسی قوت دی ہو کہ جدھر توجہ فرما دے، ادھر منکشف ہو جائے۔

سدرۃ المنتہیٰ کا علم

اور اگر اب بھی سکون میسر نہ ہوا ہو نسیم الریاض اٹھاؤ۔ شرح شفا قاضی عیاض نسیم الریاض کے اندر کیا بات ہے۔ غور سے سنا۔ یہ علمائے ملتِ اسلامیہ کے ارشادات ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو قرآن کریم کو سچے سمجھنے والے ہیں اور قرآن کے سمجھنے کا جو سلسلہ ان کا ہے، وہ سلسلہ بارگاہ رسالت مآب تک مربوط ہے۔

اَلْاَنْبِیَاءُ عَلَیْہِمُ السَّلَامُ مِنْ جِہَۃِ الْاَجْسَامِ وَالظَّوَاہِرِ مَعَ الْبَشَرِ وَبَوَاطِنِہِمْ وَقُوَا ہُمُ الرُّوْحَانِیَۃِ مَلَکِیَّۃٌ لِذَا تَرٰی مَشَارِقَ الْاَرْضِ وَمَغَارِبَہَا وَتَسْمَعُ مِیْطَ السَّمَآءِ وَتَشُمُّ رَائِحَۃَ الْجِبْرَئِیْلِ اِذَا اَرَادَ النُّزُوْلَ عَلَیْہِمْ۔ یعنی انبیاء کرام علیہم السلام اپنے ظاہری اجسام کے لحاظ سے آدمیوں کے ساتھ نظر آ رہے ہیں۔ آدمیوں کی طرح نہیں مع البشر کالبشر نہیں کہا مع البشر آدمیوں کے ساتھ ہیں۔ یعنی بظاہر دیکھو تو آدمیوں کے ساتھ ہیں، مگر ان کا باطن اور ان کی روحانی قوتیں ملکی ہیں، ملکوتی شان رکھتی ہیں۔ اسی لیے یہ زمین کے مغربوں کو بھی دیکھ رہے ہیں اور زمین کی مشرقوں کو بھی دیکھ رہے ہیں۔ شمال، جنوب، مشرق، مغرب کوئی بھی ان سے پوشیدہ نہیں ہے اور

یہی قوتِ ملکیہ ہے جس کی وجہ سے یہ آسمان کی چرچراہٹ کی آواز کو سنتے ہیں یہی قوت ملکیہ ہے، جس کی وجہ سے حضرت جبرئیل جب سدرہ سے ان پر نازل ہونے کا ارادہ کرتے ہیں تو انبیاء سونگھ لیتے ہیں کہ وہ آرہے ہیں۔

تم ایک بات بتاؤ اور انصاف سے بتاؤ اور سوچنے کی بات ہے کہ اگر اتنا علم نہ دیا جائے نبی کو کہ آنے والا جو ہم سے بات کر رہا ہے، وہ کون ہے؟ انسان ہے کہ ملک ہے۔ مثلاً حضرت جبرئیل آدمی کی صورت میں آئیں۔ آتے نا۔ اور اگر حضور بھی یہی سمجھیں کہ یہ آدمی ہے۔ تو جو یہ کہہ کے گئے ہیں اسے وحی سمجھیں گے یا کیا سمجھیں گے؟ حدیث جبرئیل کے اندر بہت واضح بات ہے۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے راوی ہیں۔ طَلَعَ عَلَیْنَا رَجُلٌ۔ ان کے الفاظ یہی ہیں، ہم پر ایک مرد طلوع ہوا، اور حضرت جبرئیل پوری گفتگو کر گئے، مگر کسی کو پتہ نہ چلا کہ یہ جبرئیل ہیں۔ معلوم یہ ہوا کہ یہ سمجھنا کہ بات کرنے والا کون ہے؟ یہ قوت نبی کو دی گئی تاکہ وہ سمجھ لے کہ جبرئیل کا کلام کیا ہے؟ اور غیر جبرئیل کا کلام کیا ہے؟ ملک کی بات کیا ہے اور غیر ملک کی بات کیا ہے؟ بہرحال حضرت جبرئیل علیہ السلام جب سدرہ سے انبیاء پر نزول کا ارادہ فرماتے ہیں تو یہ سمجھ لیتے ہیں کہ وہ آرہے ہیں۔ اچھا ذرا یہ بتاؤ کہ کتنا اوپر ہے۔ ارے ہے دو چار میل اوپر؟ علم ہیئت والوں نے کچھ فیصلہ کیا ہے؟ یہاں سے پہلے آسمان کا جو راستہ ہے، وہ پانچ سو برس کا راستہ ہے اور آسمان کی موٹائی بھی پانچ سو برس کے راستہ کی ہے اور اب معلوم نہیں کہ پانچ سو برس کا راستہ، کس سواری کا پانچ سو برس کا راستہ ہے۔ اس کی کوئی صراحت نہیں ملتی۔ مگر بہرحال پانچ سو برس کا راستہ ہے۔ تو گویا ایک ہزار برس کا راستہ، یہ آسمان اور ایک ہزار برس کا راستہ دوسرا آسمان۔ تو سات آسمان تک سات ہزار برس کا راستہ اور اس کے اوپر سدرۃ المنتہی۔ وہاں سے ابھی ارادہ کیا۔ چلے نہیں ارادہ کیا اور یہاں پتہ چل گیا۔ تو میں یہ سوچ رہا ہوں کہ جب وہ ارادے کو سمجھ لیتے ہیں تو اگر ہم یاد کریں تو اسے کیسے نہ سنیں گے؟

اور اگر اب بھی سمجھ میں نہ آیا ہو تو اٹھاؤ

حضور ہماری باتیں سنتے ہیں

حضرت شیخ محقق عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب یاد رکھو یہ وہ پہلے شخص ہیں جو ہندوستان میں حدیث کا علم لے کر آئے۔ انہوں نے حدیث کا سبق سکھایا۔ ان سے پہلے ہندوستان میں حدیث کا علم آیا ہی نہیں تھا۔ یہ قرآن وحدیث کے سمجھنے والے ہیں تو حضرت عبدالحق محدث دہلوی کیا فرماتے ہیں،

"بدانکہ وے علیہ السلام می بیند و می شنود کلام ترا۔ زیراکہ وے علیہ السلام متصفات بصفاتِ الٰہیہ ویکے از صفاتِ الٰہیہ آنست انا جلیس من ذکرنی۔"

اچھی طرح جان لو کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمہارے کلام کو سنتے ہیں اور تمہیں بولتا ہوا دیکھ رہے ہیں۔ کیوں انہوں نے دلیل دیا ہے کہ حضور جو ہیں صفاتِ الٰہیہ کے مظہر ہیں۔ صفاتِ الٰہیہ سے متصف ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ایک صفت ہے انا جلیس من ذکرنی۔ جو میرا ذکر کرے گا میں اس کا ہم نشین ہوں۔ جو میرا ذکر کرے گا میں اس کے قریب ہوں۔ میں اس کا جلیس ہوں تو رسول بھی اس کے مظہر۔ انا جلیس من ذکرنی۔ جو رسول کا ذکر کرے گا' رسول اس کے قریب ہیں۔ چاہے آپ دیکھو چاہے نہ دیکھو۔ مشاہدہ کرو یا نہ کرو۔ بہرحال آپ رسول کے قریب ہیں۔

دیکھئے جناب ذرا سا لفظوں کا فرق ہے۔ لوگ کبھی یہ پوچھتے ہیں رسول کو آپ اپنی محفل میں حاضر مانتے ہیں۔ میں نے کہا ذرا جملہ بدل دو تو بات سمجھ میں آئے۔ ہم اپنے آپ کو ان کی بارگاہ میں حاضر مانتے ہیں۔ ہم حاضر ہیں' وہ ناظر ہیں۔ ہم ان کی بارگاہ میں حاضر ہیں۔ وہ ہم کو دیکھ رہے ہیں۔

رسول کریم دیکھ رہے ہیں۔ اس سلسلے میں حضرت عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے کتنا واضح بیان ارشاد فرما دیا ہے۔ اچھا اگر یہ بات بھی سمجھ میں نہ آئے تو پھر علامہ قسطلانی کی بھی سنتے جاؤ۔ یہ مواہب لدنیہ والے ہیں۔ انہوں نے کہا ہے۔ اپنی بات نہیں کی اپنے علماء کی بات

کہی ہے؛ قَالَ عُلَمَاءُ نَا لَا فَرْقَ بَيْنَ مَوْتِهٖ وَحَيَاتِهٖ فِي مُشَاهَدَتِهٖ لِاُمَّتِهٖ وَمَعْرِفَتِهٖ بِاَحْوَالِهِمْ وَنِيَّاتِهِمْ وَعَزَائِمِهِمْ وَخَوَاطِرِهِمْ ذٰلِكَ جَلِيٌّ عِنْدَهٗ وَلَا خَفَاءَ بِهٖ۔

میں عبارت اس لیے سنا رہا ہوں کہ جس کو نوٹ کرنا ہے، وہ نوٹ کرلے۔ اور نوٹ کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اتنے ٹیپ ریکارڈ کے سی۔ آئی۔ ڈی تو لگے ہوئے ہیں۔ کبھی بھی سن سکتا ہے اور جا کے ملالے گا۔

رسول کی موت وحیات میں کوئی فرق نہیں

حضرت علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

جو شارح بخاری بھی ہیں۔ انہوں نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے علماء نے کہا ہے کہ رسول کریم کے موت وحیات میں کوئی فرق ہی نہیں۔ موت طاری ہونے سے پہلے جو زندگی تھی اور موت طاری ہونے کے بعد جو زندگی ہے۔ اس میں کوئی فرق نہیں ہے۔ وہ جیسے پہلے اپنی امت کا مشاہدہ فرمارہے تھے، آج بھی فرمارہے ہیں۔ جیسے پہلے وہ اپنی امت کے احوال، ان کے اعمال، ان کی نیت، ان کے دل کے خطرے، ان کے دل کے ارادوں کو جانتے تھے اور آج بھی جان رہے ہیں۔ رسول پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔ یہ سب ان کے سامنے بالکل جلی ہے۔ واضح ہے، کوئی پوشیدگی نہیں ہے۔ ذرا غور تو کرو، رسول کی قوتِ ادراک کو۔ اگر اب بھی نہیں سمجھے تو پھر چلو تفسیر روح البیان کو دیکھو۔ يَا اَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّا اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا۔ اس میں شاہد کی جو تفسیر ہے، وہ سمجھنے کے لائق ہے۔ فرماتے ہیں؛ فَاِنَّهٗ لَمَّا كَانَ اَوَّلُ مَخْلُوْقٍ خَلَقَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى شَاهَدَ بِوَحْدَانِيَّةِ الْحَقِّ وَشَاهَدَ بِمَا اَخْرَجَ مِنَ الْعَدَمِ اِلَى الْوُجُوْدِ مِنَ الْاَرْوَاحِ وَالنُّفُوْسِ وَالْاَجْرَامِ وَالْاَرْكَانِ وَالْاَجْسَادِ وَالْمَعَادِنِ وَالنَّبَاتِ وَالْمَلَكِ وَالْحَيَوَانِ وَالْمَلَكِ وَالْجِنِّ وَالشَّيْطٰنِ وَالْاِنْسَانِ وَغَيْرِ ذٰلِكَ لِئَلَّا يَشُذَّ عَنْهُ مَا يُمْكِنُ لِلْمَخْلُوْقِ مِنْ اَسْرَارِ اَفْعَالِهٖ وَعَجَائِبِهٖ۔

رسول کو شاہد بنایا کہ رسول گواہ ہیں، تو انہوں نے کہا بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول کو سب سے پہلے پیدا فرمایا۔ تو رسولِ خدا کی وحدانیت کا مشاہدہ فرمانے والے ہیں۔ یہاں ذرا باریک علمی بات آگئی۔ اس کو نظر انداز کر کے آگے بڑھنے کو جی نہیں چاہ رہا ہے۔ اس پر آپ غور فرمائیں۔ وہ یہ دیکھو ایک ہے خدا تعالیٰ کی وحدانیت کا مشاہدہ فرمانا۔ آپ یہ کہہ رہے ہیں "اشہد ان لا الٰہ الا اللہ" میں گواہی دیتا ہوں کہ نہیں ہے کوئی معبود اللہ کے سوا۔ تو کیا اللہ تعالیٰ کی الٰہیت اور الوہیت کو آپ نے دیکھا۔ دیکھا نہیں، مگر گواہی دے رہے ہیں۔ پوچھتے چلے جاؤ، جتنے گواہی دینے والے ہیں، اب سوال یہی ہوگا کیا کسی نے دیکھا۔ اگر کچھ کسی نے بھی دیکھا۔ تو سب گواہی دیں، تو گواہی ناقص۔ اب اگر کوئی پوچھے کہ اپنے رسول کے علمِ غیب کی دلیل لاؤ۔ اس سے کہنا کلمہ پڑھو۔ جب وہ پڑھے؛ اشہد ان لا الٰہ الا اللہ۔ تو اس سے یہ پوچھنا گواہی دیکھی ہے؟ یا بے دیکھی۔ اگر کہے سُنی ہوئی تو سوال کرنا کس سے سنا؟ اگر جواب دے رسول سے۔ تو پوچھنا کہ انہوں نے دیکھا، یا انہوں نے بھی سنا؟ اور اگر وہ کہے کہ انہوں نے دیکھا ہے تو کہہ دینا کہ یہی دلیل ہے کہ وہ غیب کے عالم ہیں۔ تم غیب کی دلیل لا رہے ہو۔ ہم غیب الغیب کا علم بتا رہے ہیں۔

رسول کو پہلے کیوں پیدا کیا گیا؟

تو دیکھو ایک ہے واحد کا دیکھنا اور ایک ہے وحدانیت کا دیکھنا۔ ایک ہے احد کا دیکھنا، ایک ہے احدیت کا دیکھنا۔ مثال کے طور پر مجھ سے اگر یہ پوچھا جائے کہ یہاں پر جو لوگ آئے ہیں، سب سے پہلے یہاں کون آیا تو میں کیا بتا پاؤں گا؟ ہاں اگر میں کوئی فیصلہ بھی کروں گا تو گمان سے کہ بھئی یہ باہر والے پہلے آئے ہوں گے۔ مولانا احمد سعید صاحب پہلے آئے ہوں گے اور کبھی خیال آئے گا کہ مولانا نیاز صاحب پہلے آئے ہوں گے۔ کبھی سوچوں گا کہ فلاں صاحب آئے ہوں گے۔ پیر صاحب آئے ہوں گے۔ پھر خیال بدل گیا۔ نہیں صاحب جو آگے بیٹھے ہیں، وہ آئے ہوں گے پہلے۔ مطلب یہ ہے کہ پہلے کی تلاش جب ہم کریں گے۔ تو جو ہمارا فیصلہ ہوگا، وہ عقل کا فیصلہ ہوگا مشاہدے کا فیصلہ نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ ہم تو خود سب کے آخر میں آئے: تو ہم پہلے کو کیا جانیں۔ اور اگر ایسا ہوتا کہ

یہاں کوئی نہ ہوتا۔ میں ہی پہلے آکے بیٹھ جاتا۔ اب ایک صاحب آتے ان کو دیکھا۔ دوسرے آئے ان کو دیکھا تو چاہے وہ پیچھے ہی بیٹھیں۔ مگر میں کہہ دوں گا وہ ہے پہلا آنے والا۔ دیکھنے میں بہت پیچھے ہے نا، مگر آنے میں بہت پہلے ہے۔ چاہے پیچھے ہو۔ چاہے آگے، ہم یہ نہیں دیکھیں گے۔ معلوم یہ ہوا کہ پہلے کو دیکھنے کے لیے خود پہلے حاضر ہونا ضروری ہے۔ تو دیکھو کہ انسان کو جب پیدا کیا گیا، سیدنا آدم علیہ السّلام کا مجسمہ جب تیار کیا گیا۔ تو ساری کائنات بن چکی تھی۔ یہ انسان جو ہے۔ یہ سب سے آخری مخلوق ہے۔ اس کے بعد کوئی نئی مخلوق پیدا ہی نہیں کی گئی تو جب ساری مخلوق بن چکی تھی۔ اب انسان سے پوچھو پہلے کون؟ پہلے سورج کہ پہلے چاند؟ پہلے زمین کہ پہلے آسمان؟ تو انسان کیا جواب دے گا۔ آج تک کوئی نہ سمجھا سکا کہ پہلے مرغی کہ پہلے انڈا؟

اس سے پہلے کو سمجھنا کتنا دشوار ہو گیا، اس لیے کہ یہ انسان خود سب کے آخر میں آیا۔ تو اب جو پہلے کے بارے میں یہ فیصلہ کرے گا، اس کی عقل کا فیصلہ ہو گا۔ مشاہدے کا فیصلہ نہیں ہو گا۔ اسی لیے میرے رسول کو سب سے پہلے پیدا فرمایا گیا اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ۔ جب سب سے پہلے نورِ مصطفٰے کو پیدا کیا گیا۔ تو پھر نورِ مصطفٰے نے کیا دیکھا؟ کچھ اور تھا نہیں۔ کوئی اور مخلوق تھی؟ نہیں۔ چاند نہیں، سورج نہیں، زمین نہیں، آسمان نہیں، عرش نہیں، فرش نہیں۔ پیدا ہونے والا اگر دیکھتا ہے تو واحد کو دیکھ رہا ہے۔ احد کو دیکھ رہا ہے اور واحد کو بھی دیکھ رہا ہے، اس کی وحدانیت بھی دیکھ رہا ہے۔ کوئی اور چیز ہے ہی نہیں، احد کو بھی دیکھ رہا ہے، اس کی احدیت کو بھی دیکھ رہا ہے۔ یکتا کو بھی دیکھ رہا ہے، اس کی یکتائی کو بھی دیکھ رہا ہے۔ اے جنت میں جانے والے خوش نصیبو! اللہ کے فضل و کرم سے جنت میں تمہیں بھی دیدارِ الٰہی حاصل ہو گا۔ رسول کے فضل و عطا سے اور اللہ کے فضل و کرم سے ہمیں بھی دیدارِ الٰہی حاصل ہو گا۔ مگر تم واحد کو دیکھو گے، وحدانیت کو نہ دیکھ سکو گے۔ احد کو دیکھو گے۔ احدیت کو نہ دیکھ سکو گے۔ وہ تو صرف ایک نگاہِ محمدی تھی جس نے واحد کو بھی دیکھا اور وحدانیت کو بھی دیکھا۔ وہ صرف ایک نگاہِ محمدی تھی جس نے احد کو بھی دیکھا، احدیت کو بھی دیکھا تو میرے رسول کی

گواہی دیکھی ہوئی گواہی ہے اور سب کی گواہی سُنی ہوئی گواہی ہے۔

رسول کو سب سے آخر میں بھیجنے کی وجہ

راز سمجھ میں آگیا جبھی تو میرے رسول کو سب سے آخر میں بھیجا گیا۔ پہلے اگر بھیجا گیا ہوتا تو میں دعوے سے کہتا ہوں کہ پھر کسی نبی کے بھیجنے کی ضرورت ہی نہ ہوتی حضرت آدم علیہ السلام سے پوچھو۔ آیئے حضرت آدم کہتے ہیں اشھد ان لا الہ الاّ اللہ۔ آپ نے دیکھا کہ جواب ملے گا نہیں۔ اے حضرت کلیم آپ کہتے ہیں اشھد ان لا الہ الا اللہ۔ آپ نے دیکھا۔ کہا ایک بار دیکھنے کی خواہش تھی، مگر ایک تجلی کی بھی تاب نہیں لا سکا تھا۔ اے حضرت خلیل آپ نے دیکھا۔ اے حضرت مسیح آپ نے دیکھا۔ نہیں تو ابھی سننے والے چلے آ رہے تھے اور سننے والے سنانے چلے جا رہے ہیں اور ایک آنے والا آکر کہتا ہے۔ میں نے دیکھا اشھد ان لا الہ الا اللہ۔ میں نے دیکھا جب دیکھنے والا آگیا تو کہا اب کسی اور کی ضرورت ہی نہیں رہ گئی۔ اب تو مل گیا دیکھنے والا گواہ۔ آپ کے دیار کی بات الگ ہے۔ یہاں بے دیکھے بھی گواہ بنتے ہیں۔

کبھی جب عید کے چاند کا معاملہ ہو تو دیکھو بے دیکھے کتنے گواہ ملیں گے۔ ذرا غور کرو۔ اگر میرا رسول پہلے ہی بھیج دیا گیا ہوتا، تو پھر کسی اور کے بھیجنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ مگر مصلحتِ خداوندی حکمتِ ربانی میں سب کو بھیجنا تھا تو رسول کو پہلے پیدا کیا اور بھیجا آخر میں۔ ارے اس کو میں سمجھاؤں دیکھتے آپ کے مولانا حنیف ہیں نا۔ ان کے پاس آئے دو صاحب، اے مولانا! چاند ہو گیا۔ بڑی محنت کرتے ہیں لوگ، عید کے چاند کے نکالنے میں۔ سوچتے ہیں کہ اگر ۲۹ کے بجائے ۲۸ ہی کو نکل آتے تو اور اچھا ہے۔ لوگ بہت محنت کرتے ہیں اور کچھ تجربے سے ایسا بھی ثابت ہوا جو روزہ نہیں رکھتے، وہی محنت بھی کرتے ہیں اور جو روزہ رکھتے ہیں، ان کو تو ڈر لگتا ہے کہ کبھی ایک کیوں چھوٹنے پاتے۔

تو مولانا حنیف صاحب کے پاس آتے دو صاحب! اے مولانا چاند ہو گیا۔ تم نے دیکھا، نہیں ہم نے نہیں دیکھا۔ سنا ہے، فلاں سے سنا ہے۔ اچھا اس کو بلاؤ۔ ہاں چاند ہو گیا،

تم نے دیکھا؟ نہیں۔ فلاں سے سنا ہے۔ اچھا اس کو بلاؤ۔ اب فلاں سے سنا۔ فلاں سے سنا۔ یہ سلسلہ چلتا رہا اور اب آ گیا کوئی دیکھنے والا۔ ہاں مولانا ہم نے دیکھا۔ آ گئے دو گواہ۔ فَاشْهِدُوْا ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ شرائط پورے ہو گئے۔ مولانا نے کہا۔ اچھا تم نے دیکھا اپنی آنکھوں سے، گواہی دیتے ہو؟ ہاں میں گواہی دیتا ہوں۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا۔ اب اس کے بعد مولانا کا قلم چل گیا۔ فتویٰ تیار ہو گیا۔ بات ثابت ہو گئی۔ دیکھنے والا مل گیا۔ جب تک سننے والے آتے رہے۔ دوسرے آنے کا انتظار رہا۔ مگر جب دیکھنے والا آ گیا۔ تو قلم چل گیا۔ ٹھیک سے بات مکمل ہو گئی۔ اتنے میں ایک صاحب ادر آئے اور کہنے لگے۔ ہم نے بھی سنا ہے مولانا! کہا ارے جب دیکھنے والا مل گیا اور اب سننے والے کی کون سنے گا؟ ارے تم نے سنا تھا۔ تو تجھے پہلے آنا چاہیے تھا۔ یہ دیکھنے والے کے بعد کیسے آ گیا۔ اس لیے تو میں کہتا ہوں کہ میرا نبی دیکھنے والا ہے۔ اب میرے نبی کے بعد کوئی کہے کہ میں نبی ہوں۔ تو یہ ایسا ہے کہ جیسے ڈالڈا کہنے میں دیسی گھی ہوں۔

تو تفسیر روح البیان کے اندر شاہد کی جو تفسیر کی ہے۔ وہ یہ ہے کہ میرے رسول اللہ کی وحدانیت کی گواہی دینے والے ہیں۔ اس کا مشاہدہ فرمانے والے ہیں۔ صرف یہی نہیں بلکہ جب وہ اول مخلوق ہیں تو جو جو چیز پیدا ہوتی چلی گئی۔ وہ سب کا مشاہدہ فرماتے چلے گئے اور اللہ نے ان پر اس لیے کوئی چیز پوشیدہ نہیں رکھی تاکہ ایسا نہ ہو کہ بعض خوبی کسی مخلوق کو حاصل ہو اور اللہ کا رسول اس سے تہی دامن ہو۔

علمِ غیب پر ایک صوفیانہ نکتہ

ذرا میں ایک صوفیانہ نکتہ آپ کے سامنے عرض کروں گا

برگِ درختاں سبز در نظرِ ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

ترجمہ: کائنات کا ذرہ ذرہ، کائنات کا پتہ پتہ، دریا کا قطرہ قطرہ، آسمان کا تارا تارا، یہ سب کیا ہے؟ ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار، یہ سب خداتعالیٰ کی وحدانیت کی دلیل ہے۔

اور جو جتنا ان کو جانے گا، ان کے پاس اتنے زیادہ دلائل ہوں گے۔ تو رب تبارک و تعالیٰ نے اپنی مخلوقات سے جس کو پیدا فرمایا، اس سے اپنے نبی کو غافل نہیں رکھا۔ اس سے اپنے نبی کو بے علم نہیں رکھا تاکہ کوئی توحید کی دلیل رسول کی نظر سے پوشیدہ نہ ہو۔ توحید کی کوئی بھی دلیل کوئی بھی بُرہان، کوئی بھی حجت رسول کی نظر سے پوشیدہ نہ ہو۔ ملکوت سماوات والارض کو سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو جب دکھایا گیا۔ اس کا معنی بھی یہی تھا۔ ان کو دلائل توحید بکثرت عطا فرمائے گئے۔ تو حضرت اسماعیل حقی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ تفسیر روح البیان میں وضاحت فرماتے ہیں کہ سب کا علم اس لیے دیا گیا کہ ایک ممکن کو (جو علمِ دنیا ممکن ہے) ایسا نہ ہو کہ رسول کا دامن اس سے خالی ہو۔

لِئَلَّا يَشُذُّ عَنْهُ مَا يُمْكِنُ لِلْمَخْلُوْقِ مِنْ اَسْرَارِ اَفْعَالِهٖ وَعَجَائِبِهٖ ۔

یہ علمائے ملّتِ اسلامیہ اور علمائے صالحین کے ارشادات آپ کے سامنے رکھ رہا ہوں، انہوں قرآن اور احادیث کی روشنی میں اپنی تفسیروں کو مکمل فرمایا ہے۔

ہر مجلس میں رسول کا پہنچنا

اچھا چلو جی۔ رسول کریم کی طاقت کا سوال جب آتا ہے، رسولِ پاک کی توانائی اور اختیارات کا سوال جب آتا ہے، تو نہ جانے دنیا کیوں اضطراب اور بیقراری کے عالم میں مچلنے لگتی ہے اور ہم سے کہا جاتا ہے، ایسے بھی سنو جی! رسول تو ایک ہیں اور تمہارے یہاں تو لاکھوں، کروڑوں مجلسیں ہوا کرتی ہیں۔ تو ایک رسول ہر مجلس میں کیسے پہنچتے ہیں؟ حالانکہ ہم یہ نہیں کہتے کہ رسول کا ہر مجلس میں پہنچنا کچھ ضروری ہے۔ یا درکھنا کہ کسی مجلس میں اگر وہ پہنچ جائیں، تو یہ ان کی عنایت ہے۔ کوئی ضروری ہے کہ رسول کریم ہر مجلس میں پہنچیں۔ مگر اتنا میں ضرور کہوں گا کہ ہر مجلس رسول کے علم میں ہے۔ ہم یہ تھوڑے ہی کہہ رہے ہیں کہ رسول ہر مجلس میں ہیں۔ ہم تو کہتے ہیں کہ ہر مجلس رسول کی بارگاہ میں ہے۔

میں نے کہا کہ رسول کے دائرۂ علم سے کوئی چیز باہر نہیں ہے۔ بول پڑے ایک رسول کیسے پہنچ گئے؟ ذرا ان سے یہ پوچھو کہ یہ حضرت ملک الموت ایک ہیں کہ دو؟ یہ مخلوق ہیں نا؟ خدا تو نہیں نہیں؟ ایک ہیں کہ دو ہیں؟ اور دنیا میں کتنی موت ہوتی ہے۔ کوئی امریکہ میں مر رہا ہے کوئی ہندوستان

میں مر رہا ہے۔ کوئی پاکستان میں مر رہا ہے۔ کوئی روس میں مر رہا ہے۔ دیکھو ہر جگہ مر رہے ہیں۔ جب کبھی لڑائی ہوتی ہے، تو مرنے والوں کی بھی کثرت ہو جاتی ہے۔ کوئی ڈوب کے مر رہا ہے، کوئی بم سے مر رہا ہے، ادھر آفت ادھر تباہی، موت ہی موت۔ ایک وقت میں لاکھوں اموات۔ اور سب کے سامنے وہی حضرت ملک الموت۔ یہ ایک فرشتہ ایک ہی مخلوق ہر جگہ کیسے پہنچ گیا؟ اب بھی بات سمجھ میں نہیں آئی۔ اچھا قبر میں اتارے جاؤ گے۔ روزانہ قبروں میں پہنچنے والوں کا شمار کیا ہے؟ بے شمار اتارے جاتے ہیں نا۔ اور حضرت نکیرین دو ہی تو ہیں کہ دو چار لاکھ ہیں؟ دو ہی ہیں، مگر دیکھو جی ایک ہی وقت میں ہزاروں قبروں کے اندر نظر آ رہے ہیں مَنْ رَبُّكَ تمہارا رب کون ہے؟ ہم سمجھ رہے ہیں کہ ہم سے پوچھ رہے ہیں۔ الغرض ہر مرنے والا سمجھتا ہے کہ مجھی سے پوچھ رہے ہیں۔ تو خدا جب اپنے فرشتوں کو یہ طاقت دے سکتا ہے کہ ایک وقت میں وہ چند جگہ نظر آئیں، تو اگر وہ اپنے محبوب کو یہ طاقت دے دے تو اس کو اس عطا سے کون روک سکتا ہے؟ اس عطا میں کونسا شرعی یا عقلی استحالہ ہے؟

خدا تعالیٰ کی قدرت کی بات ہو رہی ہے۔ نبی کا ہر معجزہ خدا تعالیٰ کی قدرت ہے۔ ولی کی ہر کرامت خدا تعالیٰ کی قدرت ہے۔ بذاتِ خود نہ ولی کرامت دکھا سکتا ہے، نہ نبی معجزہ دکھا سکتا ہے۔ یہ سب خدا تعالیٰ کی قدرت ہے۔ میں حضرت ملک الموت کے بارے میں بتاؤں کہ ان کی شان کیا ہے؟

جعلت الارض لملك الموت مثل الطشت ۔ يتناول من حيث شاء۔

یہ زمین ملک الموت کے لیے طشت کی طرح بنا دی گئی۔ یعنی یہ زمین پوری ان کے سامنے حاضر ہے، جیسے طشت۔ جہاں سے چاہتے ہیں، اٹھا لیتے ہیں۔ ایک پلیٹ آپ کے سامنے رکھ دی جائے۔ جدھر چاہو ہاتھ بڑھا دو۔ پوری زمین حضرت ملک الموت کے سامنے ایک طشت ہے اور ذرا دیکھو ان کی تیز رفتاری مَا مِنْ اَهْلِ بَيْتِ شَعْرٍ وَّلَا مَدَرٍ اِلَّا وَمَلَكُ الْمَوْتِ يُطِيْفُ بِهِمْ كُلَّ يَوْمٍ مَرَّتَيْنِ۔ کوئی خیمے والا، کوئی گھر والا، کوئی مکان والا اشارہ یہ کرنا ہے کہ کوئی متنفس ایسا نہیں ہے کہ جس کے پاس روزانہ دو مرتبہ حضرت ملک الموت نہ آئیں۔ خیال کرو کہ

یہ کتنی عظیم تیز رفتاری ہے کہ حضرت ملک الموت روزانہ دو بار ہر جان والے کے پاس اور ہر گھر والے ہر مکان والے، ہر خیمے والے کے پاس آتے ہیں اور خیر یہ تو اللہ کے مقبول اور محبوب مخلوق ہے نا میں اس مردود اور اس رجیم مخلوق کا ذکر کر دوں جس کو تم شیطان کہتے ہو۔ اس کو بھی قدرت نے اتنی طاقت دے رکھی ہے کہ وہ سیر کرنے پر آئے تو تھوڑی ہی دیر میں پوری دنیا کا چکر لگا لے۔

مگر دوستو تعجب کی بات ہے کہ شیطان کی قوت منواؤ تو مان لیتے ہیں۔ شیطان کا اختیار منواؤ تو مان لیتے ہیں۔ شیطان کا اقتدار منواؤ تو مان لیتے ہیں، مگر جب محبوب رحمان کی بات آتی ہے تو سوچتے ہیں کہ وہ تو ہمارے ہی طرح تھے نا۔ ارشادِ رسول ہے کہ مومنین، منکرین اور منافقین سب کو میں جانتا ہوں۔

دوستو آؤ سرکارِ رسالت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبانی بھی کچھ بات میں آپ کے سامنے عرض کروں۔ تفسیر خازن کے اندر یہ حدیث موجود ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

عُرِضَتْ عَلَیَّ اُمَّتِیْ فِیْ صُوَرِهَا فِی الطِّیْنِ كَمَا عُرِضَتْ عَلٰی اٰدَمَ فَاُعْلِمْتُ مَنْ تُؤْمِنُ بِیْ وَ یَكْفُرُ بِیْ۔ یعنی ابھی میری امت آب و گل کی منزلیں طے کر رہی تھی کہ مجھ کو بتا دیا گیا جیسے حضرت آدم علیہ السلام پر سب کچھ ظاہر کر دیا گیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے بتا دیا کہ کون مجھے مانے گا اور کون میرا انکار کرے گا۔ کون مجھ پر ایمان لائے گا اور کون میرا منکر ہوگا۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے مجھے بتا دیا۔ میں سب کو جانتا ہوں۔

فَبَلَغَ ذٰلِكَ الْمُنَافِقِیْنَ فَقَالُوْا اِسْتِهْزَاءً زَعَمَ مُحَمَّدٌ اِنَّهٗ یَعْلَمُ مَنْ یُؤْمِنُ بِهٖ وَمَنْ یَّكْفُرُ مِمَّنْ لَمْ یُخْلَقْ بَعْدُ وَنَحْنُ مَعَهٗ وَمَا یَعْرِفُنَا۔

جب منافقین نے یہ سنا یہ منافق کیا ہے؛ منافق کے دو چار سینگ نہیں ہوتے۔ دو چار ٹانگیں نہیں ہوتیں۔ یہ منافق وہی ہیں جو کلمہ پڑھتے تھے، جو نماز پڑھتے تھے، جو روزہ رکھتے تھے، جو رسول کی بارگاہ میں بیٹھتے تھے، جو رسول کی اقتدا کرتے تھے۔ جو اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر ایمان کا ادعا کرتے تھے۔ ان کو قرآن نے منافق کہا ہے۔ یعنی نام نہاد مسلمان بلفظِ دیگر مسلم نما

کافر۔ میں آج کی بات نہیں کر رہا ہوں۔ یہ میں رسول کے عہد کی بات کر رہا ہوں کہ جب اس دور کے منافقین نے سنا، تو انہوں نے مذاق اڑانا شروع کر دیا اور مذاق کیا اڑایا کہ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یہ گمان کرتے ہیں کہ میں نے ایمان والے کو بھی پہچان لیا اور جو مجھ سے انکار کرنے والے ہیں، ان کو بھی پہچان لیا اور ہم انہیں کے ساتھ ہیں اور ہمیں نہیں پہچانتے۔ نَحْنُ مَعَهٗ وَمَا يَعْرِفُنَا۔ ہم انہیں کے ساتھ ہیں اور ہمیں نہیں پہچانتے۔ یعنی منافق یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم تو ایمان والے ہیں نا۔ ہم تو جھوٹا ایمان رکھتے ہیں۔ ہم تو جھوٹا اور فریب دینے والا ایمان رکھتے ہیں۔ محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) کا دعویٰ ہے کہ ہم نے ایمان والے لوگوں کو بھی پہچان لیا اور کفر والوں کو بھی پہچان لیا اور دیکھو ہم انہیں کے ساتھ ہیں اور ہمیں نہیں پہچانتے اور اگر وہ ہمیں کافر سمجھتے تو ہمیں مالِ غنیمت کیوں دیتے؟ ہمارے ساتھ مسلمانوں جیسا سلوک کیوں کرتے؟ ہمیں اپنی مسجد میں آنے کیوں دیتے؛ دیکھو ما یعرفنا یہ ہمیں نہیں پہچانتے۔ مذاق اڑا رہے ہیں۔

حضور کا چیلنج

اس کے بعد فَبَلَغَ ذٰلِكَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَامَ عَلَى الْمِنْبَرِ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ فَقَالَ مَا بَالُ قَوْمٍ طَعَنُوْا فِيْ عِلْمِيْ اَلَا تَسْئَلُوْنِيْ عَنْ شَيْءٍ فِيْمَا بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ السَّاعَةِ اِلَّا نَبَّاْتُكُمْ بِهٖ۔ جب حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ نے سنا کہ منافق ایسا کہہ رہے ہیں کہ دیکھو محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) گمان کر رہے ہیں کہ ہم نے سب کو پہچان لیا اور وہ ہم کو نہیں پہچانتے۔ ہم کو اپنا ہی سمجھ رہے ہیں۔ تو حضور ممبر پر جلوہ افروز ہوتے۔ اللہ تعالیٰ کی حمد بیان فرمائی اور اس کی حمد و ثنا کے بعد سرکار نے کہا مَا بَالُ قَوْمٍ طَعَنُوْا فِيْ عِلْمِيْ۔ ارے قوموں کا کیا حال ہو گیا ہے کہ میرے علم میں طعنہ کر رہے ہیں۔ میرے علم پر طنز کر رہے ہیں۔ میرے علم کا مذاق اڑا رہے ہیں۔ اے لوگو! آج سے قیامت تک جو پوچھنا چاہو پوچھ لو۔ آؤ۔ آؤ امتحان لے لو۔ جو پوچھنا چاہو، پوچھ لو۔ ایک صاحب کھڑے ہو گئے اور کھڑے ہو کر عرض کرتے ہیں؛

مَنْ اَبِیْ یَا رَسُوْلَ اللہ ۔ اے اللہ کے رسول بتایئے میرے باپ کا نام کیا ہے؟ تو حضور نے فرمایا حذافہ۔ حذافہ تمہارے باپ کا نام ہے۔ تو ایک منافق نے سوچا کہ رسول اگر اس کے باپ کا نام بتا رہے ہیں، تو اس میں کیا تعجب ہے؟ کسی سے سن لیا ہوگا۔ یہ تو ماضی کی بات ہے، لاؤ مستقبل کی بات پوچھیں۔ منافق بظاہر مسلمان بنا ہوا تھا نا۔ تو سوچا رسول ہمیں مسلمان سمجھ کر جنتی بتا دیں گے۔ تو یہ سوچ کر وہ سوال کرتا ہے اَیْنَ مُدْخَلِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہ اے اللہ کے رسول میرا ٹھکانا کہاں ہے؟ فَقَالَ النَّار۔ تو حضور نے کہا کہ تمہارا ٹھکانہ جہنم ہے۔ تم اپنے نفاق کو ہم سے چھپا رہے ہو ارے جب تک ہم چھوٹ دیتے ہیں، اس سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہو۔ ہم رعایت کر رہے ہیں۔ رعایت کا فائدہ اٹھا رہے ہو۔ خدا تعالیٰ کو ابھی یہ رعایت منظور ہے۔ ایک دن ایسا آئے گا کہ ایک ایک منافق کو نکال دیا جائے گا اور ہوا بھی ایسا ہی کہ جب وہ وقت آ گیا تو حضور نے ایک ایک منافق کو اپنی مجلس سے نکال دیا، اُخْرُجْ یَا فُلَان فَاِنَّکَ مُنَافِق۔ اے فلاں تو منافق ہے۔ اے فلاں تو نکل جا تو منافق ہے۔ اسی طرح سے جتنے بھی منافقین وہاں بیٹھے ہوئے تھے۔ حضور نے ایک ایک کا نام لے کر نکال دیا۔ جمعہ کے دن نکالا تھا۔ ممبر پر بیٹھ کر نکالا تھا۔ کہاں سے نکالا تھا؟ مسجد سے نکالا تھا۔ کس کو نکالا تھا جو نماز پڑھنے کی غرض سے آتے تھے۔ ان کو نکالا تھا۔ جمعے کے دن کی بات ہے۔

علامہ بدرالدین عینی کی کتاب عمدۃ القاری شرح بخاری دیکھو اور فتح الباری شرح بخاری میں بھی یہ واقعہ ہے۔ بعض تفسیروں نے بھی آیۂ کریمہ سَنُعَذِّبُهُمْ مَرَّتَيْنِ کے تحت یہ حدیث بیان کی ہے۔ الغرض نکال دیا نکالنے والے نے اور یہ کہہ کے نکالا تو منافق ہے۔ نکل جا تو منافق ہے نکل جا۔ ایک ایک کو نکالا۔ منافق ہونا یہ دل کی کیفیت ہے، کسی کی پیشانی پر نہیں لکھا ہوتا ہے کہ وہ منافق ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ جب تک چھوٹ دے رہے تھے، مگر جب حکم الہٰی مل گیا، تو انہوں نے ایک ایک منافق کی دلی کیفیتوں کو سمجھ سمجھ کر نکال دیا۔ منافق سمجھتا ہے زَعَمَ مُحَمَّدٌ اَنَّهٗ يَعْلَمُ مَنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ وَمَنْ يَّكْفُرُ مِمَّنْ لَّمْ يُخْلَقْ بَعْدُ

وَنَحْنُ مَعَهٗ وَمَا يَعْرِفُنَا۔ مذاق اڑا رہے ہیں۔ حضور کہتے ہیں کہ مَابَالُ قَوْمٍ طَعَنُوْا فِیْ عِلْمِیْ۔ قوموں کا کیا حال ہے جو ہمارے علم میں طعنہ کرتے ہیں۔ اچھا دیکھو قیامت تک کے لیے چیلنج کیا گیا تھا نا اور اس میں سب چاہنے والے ہی نہیں تھے۔ منافق بھی تو تھے نا۔ کسی نے یہ کیوں نہیں پوچھ لیا۔ اے رسول قیامت کب آئے گی؟ رسول نے تو ایسا چیلنج کر دیا تھا کہ قیامت تک جو چاہو پوچھو۔ تو کتنا اچھا موقعہ مل گیا تھا کہ سوال کر لیا جائے کہ قیامت کب آئے گی؟ یَسْئَلُوْنَكَ عَنِ السَّاعَةِ۔ قیامت کے بارے میں سوالات تو ہو ہی رہے تھے۔ تو موقعہ اچھا تھا کہ اس موقعہ سے فائدہ اٹھا کر کے قیامت کے بارے میں سوال کر لیا جائے۔ مگر سنو جی جو سمجھنا پہلے سے چاہتے تھے، اس کے بارے میں کسی نے کچھ پوچھا ہی نہیں۔ رسول نے جتنا بتا دیا وہ بتا دیا۔ وہ بتا دیا کہ قیامت جمعہ کے دن آئے گی۔ محرم کے مہینے میں آئے گی۔ دس تاریخ کو آئے گی۔ ظہر کے وقت آئے گی۔ جو بتانا تھا، وہ بتا دیا، مگر کس سن میں آئے گی۔ یہ نہیں بتایا تو اس وقت بڑا اچھا موقعہ تھا کہ کوئی پوچھ لیتا۔ مگر پوچھ رہے ہیں تو کیا پوچھ رہے ہیں، میرا باپ کون ہے؟ پوچھ رہے ہیں کہ میرا ٹھکانا کہاں ہے؟ جو پوچھنے کی بات تھی، جو لوگ سمجھنا چاہتے تھے، وہ نہیں پوچھا۔ تو بات کیا ہے؟ یہاں سے رسول کے علم کا بھی پتہ چلا اور اختیار کا بھی پتہ چلا۔ رسول کو یہ بتانا مقصود نہیں تھا کہ قیامت کس سن میں آئے گی۔ اس لیے کہ قرآن کریم میں ہے کہ قیامت اچانک آئے گی۔ اگر قیامت کا سن بتا دیں تو اچانک نہ رہ جائے۔ تو رسول کو بتانا مقصود نہیں تھا، مگر چیلنج کر دیا۔ لیکن لوگوں کے دل و دماغ کو ایسا کنٹرول میں رکھا کہ جو رسول چاہیں، یہ وہی پوچھ سکیں۔ دوسری بات ان کے ذہن میں بھی نہ آئے۔

حضور سب دیکھتے اور سنتے ہیں ؎

وہ ناطق جس کے آگے مہر بر لب بلبلِ سدرہ
وہ اُمی جس کے آگے عقلِ کل طفلِ دبستانی

اور آگے چلو۔ ترمذی شریف اٹھا کر دیکھو۔ اس میں یہ حدیث ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ وَاَسْمَعُ مَا لَا تَسْمَعُوْنَ اَطَّتِ السَّمَآءُ وَحَقَّ لَهَا اَنْ تَئِطَّ لَیْسَ فِیْهَا مَوْضَعُ اَرْبَعَ اَصَابِعَ اِلَّا وَمَلَكٌ وَاضِعٌ جَبْهَتَهٗ سَاجِدٌ لِلّٰهِ۔ دیکھو میں اس کو دیکھتا ہوں جس کو تم نہیں دیکھ سکتے۔ میں وہ سنتا ہوں جو تم نہیں سن سکتے۔ مثال بھی دے دی کہ دیکھو آسمان چرچڑا رہا ہے، اس میں آواز پیدا ہو رہی ہے اور اس کو حق ہے کہ وہ چرچڑائے۔ اس لیے کہ اس میں چار انگل بھی ایسی جگہ نہیں ہے، جہاں فرشتہ خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنی پیشانی نہ ٹیکے ہوئے ہو اور اللہ تعالیٰ کا سجدہ نہ کر رہا ہو۔ چار انگل بھی جگہ ایسی بچی ہوئی نہیں ہے۔ تو وہ دیکھو فرشتوں کے سجدوں کو دیکھ بھی رہے ہیں۔ آسمان کی آواز کو سن بھی رہے ہیں اور قوم سے کہہ رہے ہیں سنو۔ یہ میری وہ قوتِ سماعت ہے جو تمہیں نہیں دی گئی ہے اور یہ میری قوتِ بصارت ہے جو تمہیں نہیں دی گئی ہے میں دیکھتا ہوں وہ، جسے تم نہیں دیکھتے اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ۔ علم والوں سے پوچھنا۔ ضابطے اور اصول کی عینک لگا کر سوچنے والوں سے پوچھنا، وہ کہیں گے کہ مَا عام ہے اور نصوص کے لفظِ عام کو اپنے خیال اور قیاس سے مخصوص نہیں کیا جا سکتا۔ مطلب یہ ہے کہ جو جو ہم نہیں دیکھ سکتے، رسولِ کریم سب دیکھ رہے ہیں چاہے وہ دنیا کی چیز ہو چاہے آخرت کی چیز ہو، چاہے ماضی کی چیز ہو چاہے مستقبل کی چیز ہو۔ میرے رسول سب دیکھ رہے ہیں اَرٰی مَا لَا تَرَوْنَ اَسْمَعُ مَا لَا تَسْمَعُوْنَ جو تم نہیں سن سکتے۔ جہاں تمہاری قوتِ سامعہ کام نہیں کرتی۔ وہاں سے رسول کی قوتِ سامعہ کی ابتدا ہے اور آغاز ہے۔

رسول درود بھی سنتے ہیں

اٹھاؤ دلائل الخیرات شریف جیسے بزرگانِ دین اور اولیائے ملّتِ اسلامیہ کی جان کا تعویذ کہہ لیجئے۔ نگاہوں کا سرمہ سمجھ لیجئے۔ اس دلائل الخیرات شریف کے اندر ایک حدیث ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا گیا اَرَاَیْتَ صَلٰوةَ الْمُصَلِّیْنَ عَلَیْكَ مَنْ یَّاْتِیْ

بَعْدَكَ وَمِمَّنْ غَابَ عَنْكَ مَاحَالُهُمَا۔ اے رسول! جو آپ سے غائب آپ پر درود بھیجتے ہیں یا جو آپ کے بعد آنے والے ہیں، آپ پر درود بھیجیں گے۔ کیا اس درود کو آپ ملاحظہ فرماتے ہیں؟ تو حضور نے فرمایا اَسْمَعُ صَلٰوۃَ اَھْلِ مُحَبَّتِیْ وَاَعْرِفُھُمْ۔ میں اہلِ محبت کے درود کو خود سنتا ہوں اور انہیں پہچانتا ہوں۔ وَتُعْرَضُ عَلَیَّ صَلٰوۃُ غَیْرِھِمْ عَرْضًا۔ اور جو محبت سے نہیں پڑھتے، یوں ہی پڑھ دیتے ہیں، ان کا بھی درود ضائع نہیں ہوتا۔ وہ بھی ہماری بارگاہ میں پیش کیا جاتا ہے۔ تو کیا رسول اس کو نہیں سنتے ہیں؟ ایک بات سوچو، یہیں دو آدمی بیٹھے ہوئے ہیں۔ ایک محبت سے پڑھ رہا ہے اور ایک بے خیالی میں پڑھ رہا ہے۔ تو محبت والے کو سنیں اور بے خیالی میں پڑھنے والے کو نہ سنیں۔ ایسی بات نہیں ہے دوستو! مگر ایک بات ہے کہ جو محبت سے پڑھتا ہے، اس کے درود کو مقبولیت حاصل ہے اور اسی مقبولیت کو ظاہر کرنا ہے۔ کچھ سننے کی اور کچھ نہ سننے کی ایک اصطلاحی بول چال ہوتی ہے۔ پیر صاحب بیٹھے ہیں کہتے ہیں کہ ذرا ہماری سنیے اور ہم نے کہا جی نہیں، ہم آپ کی نہیں سنتے۔ ہم تو اُن کی سن رہے ہیں۔ اس کا معنی یہ نہیں کہ آپ کی آواز ہمارے کان میں نہیں آرہی ہے۔ بلکہ دکھانا یہ ہے کہ اس وقت ہماری توجہ دوسری طرف ہے۔ ہماری مخصوص توجہ کا مرکز آپ نہیں ہیں۔ آپ اگر محبت سے پڑھتے تو یقیناً آپ توجہ کے مستحق ہوتے۔ تو حضور کے فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ سنو جو محبت سے پڑھے گا اس کو میں سنوں گا۔ اور محبت سے کون پڑھتا ہے؟ محبت سے پڑھنا، یہ دل کی کیفیت، محبت کا تعلق دل سے ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ہمارے دل کی حرکتوں پر نظر ہے۔ جبھی جو محبت سے پڑھتا ہے، سرکار اس پر کرم فرماتے ہیں، خاص توجہ فرماتے ہیں۔ اور جو یوں ہی پڑھ دیتا ہے سرکار اس کو بھی سنتے ہیں، مگر یہ عمل اس لائق نہیں ہوتا جو خاص توجہ کا کا مستحق ہو۔ مختلف ارشادات کو جب ہم سامنے رکھتے ہیں تو عقل کا فیصلہ یہ ہوتا ہے کہ رسول کریم ہر ایک کے درود کو سنتے ہیں۔ اس کے باوجود ہر ایک کا درود متعدد ذرائع سے آپ کی بارگاہ میں پیش کیا جاتا ہے۔

دُرود بھیجنے کے پانچ طریقے

بارگاہِ رسالت میں درود پیش کرنے کے پانچ طریقے ہیں۔ ایک فرشتہ حضور کے مزار پُرانوار کے پاس مامور ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو سننے کی طاقت دی ہے۔ کوئی کہیں سے بھی درود پڑھے، وہ بارگاہِ رسالت میں عرض کر دیتا ہے کہ اے اللہ کے رسول فلاں ابن فلاں نے آپ پر درود بھیجا ہے۔ بس اسی کام کے لیے اس کو مقرر کر دیا گیا ہے۔ کچھ گشتی فرشتے ہیں جو گشت کرتے رہتے ہیں۔ تو اگر کوئی رسول پر درود بھیجتا ہے، تو وہ فوراً بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر کہتے ہیں اے اللہ کے رسول فلاں ابن فلاں نے آپ پر درود بھیجا ہے۔ ہر آدمی کے ساتھ پانچ فرشتے ہر وقت رہتے ہیں، آپ نے تو دو ہی سنے ہوں گے۔ ایک اِدھر ایک اُدھر، مگر پانچ رہتے ہیں ایک دائیں ایک بائیں ایک سینے کے سامنے، ایک پشت کے پیچھے ایک پیشانی کے سامنے۔ دائیں والا نیکی لکھتا ہے، بائیں والا بُرائی لکھتا ہے۔ سامنے والا نیکیوں کی تلقین کرتا ہے، نیکی کی ترغیب دیتا ہے اور پیچھے والا بُرائیوں سے روکنے کی تلقین کرتا ہے اور پیشانی کے سامنے والا جو فرشتہ ہے، اس کا کام یہ ہے کہ آپ کا درود بارگاہِ رسالت میں پہنچا دے۔ اور روزانہ کے اعمال جو رسول کی بارگاہ میں پیش ہوتے ہیں، اس میں درود بھی جاتا ہے اور ہفتے ہفتے کے جو اعمال پیش ہوتے ہیں، اس میں درود بھی جاتا ہے۔ معلوم ہوا کہ ایک درود پڑھو تو پیشی پر پیشی۔ ادھر تو مزار شریف کے فرشتے نے کہا کہ حضور فلاں نے درود پڑھا۔ گشتی نے کہا حضور فلاں نے پڑھا۔ پیشانی والے نے کہا حضور فلاں نے پڑھا۔ دن کے اعمال لکھنے والے نے کہا حضور فلاں نے پڑھا۔ ارے دوستو تم ایک مرتبہ رسول پہ درود پڑھو، تو اس شاہی دربار میں بار بار تمہارا نام لیا جاتے۔

تو یہ تو رسولِ کریم کا کرم ہے کہ خود سن رہے ہیں، مگر انتظام ایسا فرمایا ہے کہ فرشتے بھی نام لیں۔ فرشتے بھی جانتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اپنی امت کو بہت چاہتے ہیں۔ تو جب امت کا درود لے کر ہم رسول کی بارگاہ میں جائیں گے تو سرکار کی نظرِ عنایت ہم پر بھی رہے گی۔ ان کو بھی تو اپنے اوپر فضل و کرم چاہیے۔

کراماً کاتبین کی ضرورت کیا؟

مگر کہتے ہو اگر رسول سنتے ہیں تو اتنا سنانے کی ضرورت کیا؟ ہم یہ کہتے ہیں پھر بتاؤ اللہ تعالیٰ عالم الغیب والشہادۃ ہے کہ نہیں؟ سب کے اعمال جانتا ہے۔ ایک ایک حرکت کو جانتا ہے۔ اس کا علم لامحدود، اس کا علم غیر متناہی۔ دیکھا آپ نے جب سب کچھ جاننے والا ہے تو پھر یہ دو فرشتے لکھتے کیوں ہیں؟ یہ نیکی بدی لکھنے کی فرشتوں کو کیا ضرورت ہے؟ یہ روز کے اعمال بارگاہِ خداوندی میں کیوں پیش ہوتے ہیں۔ کیوں خواہ مخواہ کے لیے حکمتوں کے پیچھے دوڑ رہے ہو۔ یہ تو حکیم کی حکمت ہے۔ وہ جانتا بھی ہے اور پیشی بھی کراتا ہے۔

اور آگے میں تم کو لے چلوں۔ دیکھو شفا شریف حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ جو اپنے وقت کے عارف کامل اور جید عالمِ دین نائب رسول ہیں۔ وہ کیا کہتے ہیں:

اِنْ لَّمْ يَكُنْ فِى الْبَيْتِ اَحَدٌ فَقُلِ السَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِىُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ۔ اور جب تم اپنے گھر میں جاؤ اور تمہارے گھر میں کوئی نہ ہو، جب دروازہ کھول کے داخل ہو تو یہ کہو اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ اَيُّهَا النَّبِىُّ۔ اے نبی آپ پر سلامتی ہو۔

ملا علی قاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ شرح شفا شریف میں فرماتے ہیں:

لِاَنَّ رُوْحَ النَّبِىِّ حَاضِرٌ فِىْ بُيُوْتِ اَهْلِ الْاِسْلَامِ۔ اس لیے کہ نبی کی رُوح مسلمانوں کے گھر میں موجود رہتی ہے۔

علمِ رسول پر سب سے پہلا معترض

ان تمام معقولی اور منقولی دلائل و براہین کی روشنی میں واضح ہوتا ہے کہ رسول کے علم کے متعلق علمائے ملتِ اسلامیہ کا عقیدہ کیا ہے؟ اکابرینِ امت کا عقیدہ کیا ہے؟۔ حدیث سے ہمیں کون سا عقیدہ ملتا ہے؟ قرآن کریم سے ہمیں کون سا عقیدہ ملتا ہے؟ ہاں یہ بھی پتہ چل گیا کہ رسولِ کریم کے علم پر اگر کوئی طعنہ کرنے والا تھا تو وہ منافق تھا۔ منافقین نے مذاق اڑایا تھا نا؟ کہ ہم ان میں سے ہیں، مگر ہمیں پہچانتے نہیں ہیں۔ یعنی ہم

کو بیوقوف بنا رہے ہیں تو سب سے پہلے علمِ رسول پر اعتراض کس نے کیا؟ منافقوں نے کیا۔
پھر ان منافقوں کو جواب کس نے دیا؟ رسول کریم نے دیا۔

معترضین کو جواب دینا سنّتِ رسول ہے

دیکھو ترتیب پر غور کرنا۔ رسول نے اپنے علم کا اظہار کیا،

منافقین نے اعتراض کیا۔ رسول نے جواب دیا۔ تو اب جو رسول کے علم کی کثرت کو بیان کرے، وہ سنّتِ رسول ادا کر رہا ہے اور جو اعتراض کرے، وہ منافقین کی روش پر چل رہا ہے اور پھر جو جواب دے، وہ سنّتِ رسول ادا کر رہا ہے ؎

عقل ہوتی تو خدا سے نہ لڑائی لیتے   یہ گھٹائیں اسے منظور بڑھانا تیرا
فرش والے تیری شوکت کا علو کیا جانیں   خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

اگر خموش رہوں میں تو تو ہی سب کچھ ہے
جو کچھ کہا تو تیرا حُسن ہو گیا محدود

اب کھڑے ہو جائیے بارگاہِ رسالت میں صلوٰۃ وسلام کا نذرانۂ عقیدت پیش کرنے کے لیے۔

قندیلِ عرش کا نور، تسلیم ورضا، پہلی ملاقات، جلووں کی وادی، عشق و اخلاص، آبِ حیات، شوکتِ اقتدار، بارشِ نور، نکھرا ہوا سونا، اذانِ بلالی، پیکرِ وفا، شادی کی پہلی رات، بے تاب آرزو، محفلِ حرم، آرزوؤں کا انتخاب، دیوانۂ عشق، کوچۂ جاناں، بلخ کی شہزادی، پاک دامن نوجوان، چودھویں رات کی دوشیزہ، رنگ رنگ کی بزم آرائیاں!

زلف و زنجیر میں پڑھیے

خطبہ (۶)

رحمتِ عالم

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝

مَنَّ عَلَیْنَا رَبُّنَا اِذْ بَعَثَ مُحَمَّدًا   اَیَّدَہٗ بِاَیْدِہٖ اَیَّدَنَا بِاَحْمَدًا
اَرْسَلَہٗ مُبَشِّرًا اَرْسَلَہٗ مُمَجَّدًا   صَلُّوْا عَلَیْہِ دَائِمًا صَلُّوْا عَلَیْہِ سَرْمَدًا

وہ ہر عالم کی رحمت ہیں کسی عالم میں رہ جاتے   یہ ان کی مہربانی ہے کہ یہ عالم پسند آیا
بلکہ یوں کہیے ؎

وہ ہر عالم کی رحمت ہیں، وہ ہر عالم میں رہتے ہیں   بہ فیضِ رحمۃ للعالمیں، رحمت ہی رحمت ہے
کرم سب پر ہے کوئی ہو کہیں ہو   تم ایسے رحمۃً للعالمین ہو
شریکِ عیش و عشرت سب ہیں لیکن   مصیبت کاٹنے والے تمہیں ہو

اگر خموش رہوں میں تو تو ہی سب کچھ ہے
جو کچھ کہا تو تیرا حُسن ہو گیا محدود

درود شریف تین بار: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى اَنْ تُصَلِّيَ عَلَيْهِ۔

ترجمہ: اے محبوب! ہم نے تجھے نہیں بھیجا، لیکن سارے عالم کے لیے رحمت بنا کر۔

میں نے جس مشہور و معروف آیۂ کریمہ کی تلاوت کا شرف حاصل کیا ہے، اس کا سیدھا سا ترجمہ عرض کر دیا۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ میں نے تمہیں سارے عالم کے لیے صرف رحمت بنا کر بھیجا۔ یہ ارسال بھی عجیب چیز ہے۔ میں ہلکی زبان میں آپ سے ایک بات عرض کروں جس کو آپ بھیجنا

کہتے ہیں بھیجنا وہ بھیجنا بھی ایک عجیب چیز ہے ۔ لوگ یہی بولتے ہیں ۔ یہ بھیجا فلاں نے بھیجا۔ اس لیے بھیجا۔ یہاں سے بھیجا، وہاں تک بھیجا ۔ آج ہم کو یہ غور کرنا ہے کہ بھیجنے کا وجود کب پایا جاتا ہے ۔ یہ بھیجنا کب پایا جائے گا ۔ بھیجنے کے لیے چند باتوں کا وجود بہت ضروری ہے۔ بھیجنے کے لیے ایک بھیجنے والا ضروری ہے۔ کوئی بھیجنے والا ہی نہ ہو تو یہ بھیجنا کیسے پایا جائے گا ؟ اس طرح بھیجنے کے لیے ایک چیز اور ضروری ہے، جس کو بھیجا جائے ۔ اگر کوئی ایسی چیز ہی نہ ہو تو بھیجنا کیسے پایا جائے گا۔ آپ کے پاس ایسی کوئی چیز ہی نہیں جسے آپ بھیجیں، تو یہ بھیجنے کا وجود کیسے ہوگا ؛

الغرض بھیجنے کے لیے دو چیزوں کا ضروری ہونا ظاہر ہوگیا ۔ ایک ہو بھیجنے والا اور ایک ہو وہ جس کو بھیجا جا رہا ہے ۔ اس لیے بھیجنے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ ایک وہ ہو جس کی طرف بھیجا جائے۔ اگر ایسا کوئی نہیں، تو پھر کدھر جائے گا ۔ یوں ہی یہ بھی ضروری ہے کہ جو بھیجنے والا ہو، وہ اور ہو اور جدھر بھیج رہا ہو، وہ اور ہو۔ تو یہ چیز جو بھیجی جا رہی ہے ۔ اگر اس کو بھیجنے والے سے ملایا تو غلطی ہوگی ۔ بھیجنے والا اور ہے اور یہ چیز جو بھیجی جا رہی ہے، وہ اور ہے اور جدھر بھیجی جا رہی ہے وہ اور ہے ۔ تو جب سب اور ہے تو نہ اس کو ادھر سے ملا سکتے ہیں، نہ ادھر سے ملا سکتے ہیں۔ الغرض جب یہ سارے امور جمع ہو جائیں گے، اسی وقت بھیجنے والے کا وجود ملے گا ۔

مُرسِل اور مُرسَل

علماء اگر بولیں گے مولانا عبدالوہاب صاحب اگر یہ مسئلہ آپ کے سامنے رکھیں گے تو کہیں گے سنو جی ارسال کے لیے ایک ضروری چیز ہے جس کا نام مرسِل اور ارسال کے لیے ایک دوسری چیز ضروری ہے، جس کا نام ہے مُرسَل ۔ اور ارسال کے لیے ایک تیسری چیز ضروری ہے جس کا نام ہے مرسل الیہ۔ مُرسِل بھیجنے والا۔ مُرسَل جس کو بھیجا جائے اور مرسل الیہ جس کی طرف بھیجا جائے ۔ اس مفہوم کو میں ہلکے انداز میں عرض کر رہا ہوں ۔ ایک ہے بھیجنے والا ۔ اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ جس آیہ کریمہ میں ایک ارسال کا ذکر ہے ۔ ایک بھیجنے والے کا ذکر ہے ۔ بھیجنے والا ہے کون؟ وَمَا اَرْسَلْنٰكَ ۔ یہاں سے دو باتیں ملیں ۔ اے محبوب ! ہم نے بھیجا اور صرف تمہیں بھیجا معلوم ہوا

کہ بھیجنے والا ہے خالقِ کائنات اور جس کو بھیجا جا رہا ہے وہ ہیں سرورِ کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اب ہمیں تلاش یہ کرنا ہے کہ کس کی طرف بھیجا ہے اور پھر بھیجنے والے نے کیا بنا کے بھیجا ہے۔ تو بنا کے بھیجا رحمۃً للعالمین عالمین کی طرف بھیجا۔

عالمین کی تشریح

یہ عالمین کیا ہے؟ ذرا مختصر سا لفظ ہے اور چند حروف سے بنا ہوا ہے، مگر آپ نے دیکھا نہیں۔ یہ عالمین کا دامن بہت وسیع ہے۔ عالمِ نباتات، عالمِ حیوانات، عالمِ جمادات، عالمِ ناسوت، عالمِ طاغوت، عالمِ ملکوت۔ یہاں کا عالم، وہاں کا عالم، شمال کا عالم، جنوب کا عالم، مشرق کا عالم، مغرب کا عالم، جوانی کا عالم، بچپنے کا عالم۔ جتنے بھی عالم ہو سکتے ہیں، ان سب کو سمیٹو تو عالمین بنتا ہے۔ ماسوا اللہ تمام عالم کو سمیٹتے چلے جاؤ۔ یہ عالمین بھی ایک اعتبار کے حساب سے کہا گیا ہے، ورنہ یہ عالمین کا لفظ عالم کے اجمال میں موجود ہے۔ الغرض تمام عالم کو سمیٹ لو تو تب جا کر ایک عالمین بنتا ہے۔ عالمین کی وسعت کو سمجھنا ہے تو اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ سے سمجھو۔ تمام تعریف مخصوص ہے اللہ تعالیٰ کے لیے جو سارے عالم کا رب ہے۔ لو اب عالمین کی وسعت کو سمجھنا ہے تو اس آیت سے سمجھو کہ عالمین کا دائرہ کتنا بڑا ہے تو ان سارے عالمین کو ایک منزل پر رکھو۔ یہ وہ ہیں جن کی طرف بھیجا جا رہا ہے۔ رسولِ عربی وہ ہیں جن کو بھیجا جا رہا ہے۔ خالقِ کائنات وہ ہے جو بھیج رہا ہے۔ اس مقام پر ایک بات اور بھی کہتا چلوں۔ خدا بھیج رہا ہے۔ یہ خدا کا بھیجنا ہے۔ اس کے لیے بھی ایک بات ضروری ہے۔

مثال کے طور پر حضرت مولانا حمید صاحب کہیں جا رہے تھے، ان کی جیب میں ایک لفافہ تھا۔ اس پر کچھ لکھا تھا۔ انہوں نے پتہ وغیرہ نوٹ کیا تھا۔ میں نے ان کی جیب سے نکالا اور نکالنے کے بعد جا کر لیٹر بکس کے اندر اس کو ڈال دیا۔ کیا اسے میرا بھیجنا کہا جائے گا؟ ہرگز نہیں۔ اس لیے کہ یہ میرا لفافہ نہیں ہے۔ اس پر میری تحریر نہیں تھی۔ میں نے اس کو اپنا نہیں بنایا تھا۔ الغرض میرا بھیجنا اس وقت کہا جائے گا، جب میں پہلے اپنا بناؤں، تب بھیجوں۔ کسی کی جیب

سے نکال کر بھیجا تو یہ میرا بھیجنا نہیں ہوگا۔ یا کسی نے مجھے دے دیا کہ جا کر پوسٹ کرآ ؤ۔ یہ بھی میرا بھیجنا نہیں ہوگا، بلکہ اصل میں بھیجنے والا وہ ہے جس کی وہ ملکیت تھی۔ جس نے اس کو اپنا بنایا تھا، جس نے اس کو اپنا قرب دیا تھا۔ جس نے اپنی صحبت سے نوازا تھا جس کی تحریر اس پر درج ہے جس کا نام اس پر لکھا ہے، اسی کا بھیجنا کہا جائے گا تو معلوم ہوا کہ بھیجنے سے پہلے اپنا بنانا بھی ضروری ہے۔

نازک فرق

المختصر خالقِ کائنات نے سردرِ کائنات رسولِ عربی کو عالمین کی کی طرف بھیجا۔ تو اب سب کے مقام کو اپنی جگہ پر سمجھو۔ اب اگر تم رسول کو خدا سے ملاؤ گے جب بھی غلطی ہوگی اور عالمین میں رکھ کر دیکھو گے تب بھی غلطی ہوگی۔ یہاں اس نازک فرق کو سمجھ لو کہ رب نے بھیجا، رسول کو بھیجا۔ عالمین کے لیے بھیجا۔ تو عالمین وہ ہیں جو مُرْسَلَ اِلَيْهِمْ ہیں، رسول مرسل ہیں۔ اب اگر مرسل کو مرسل الیہم کے اندر رکھ کر دیکھا جائے گا تو کیا کوئی اسے سمجھ سکے گا، تو کیا کوئی اس کا عرفان حاصل کرسکے گا؟ کیا کسی کو اس کی معرفت حاصل ہو سکے گی۔ تو الغرض رب تبارک وتعالیٰ کے اس بھیجنے سے پتہ چل گیا کہ جتنے دائرے کے لیے میرے رسول کو بھیجا گیا ہے، وہ دائرہ اور ہے۔ جس کے لیے رسول کریم کو کسی مصلحت سے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب محتاج تھے کسی رحمت کے۔ کسی مہربانی کے، کسی فضل کے۔ رب تعالیٰ نے کہا اے محبوب! ہم نے تجھے اپنا فضل بنا کے بھیجا ہے۔ تو اب ذرا غور کرو۔ ایک وہ ہے جو رحمت ہے اور ایک وہ ہیں جو رحمت کے چاہنے والے ہیں۔ اگر اس رحمت کو ان محتاجوں کے بیچ میں رکھ کر دیکھا جائے گا تو کوئی کیا سمجھے گا؟

بھیجنے سے پہلے اہتمام

رب تبارک وتعالیٰ نے اپنا بنا کے بھیجا۔ دیکھئے اسی لیے بھیجنے سے پہلے بڑا اہتمام برتا گیا اور رسول کریم نے بہت واضح الفاظ میں ارشاد فرمایا اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ۔ سب سے پہلی مخلوق میرا نور ہے۔ کنت نبیا واٰدم بین الروح والجسد۔ میں نبی تھا جبکہ حضرت آدم علیہ السلام روح و

جسد کی منزلیں طے کر رہے تھے۔ کنت نبیا و اٰدم لمنجدل فی طینتہ۔ میں نبی تھا اور حضرت آدم علیہ السلام آب و گِل کی منزلیں کر رہے تھے۔ کنت نبیا و اٰدم بین الماء والطّین۔ میں نبی تھا اور حضرت آدم علیہ السلام آب و گِل کی منزلیں طے کر رہے تھے۔ ذرا غور تو کرو۔ معلوم یہ ہوا کہ بھیجنے والے نے بھیجنے سے پہلے اپنے قریب کیا اور بہت قریب کیا۔ اور ایسے وقت میں قریب کیا کہ کائنات کی کسی چیز کا وجود ہی نہ تھا۔ میں پوچھتا ہوں کہ اس قربت کے انوار و برکات اور حسنات و تجلیات کے ظہور کا عالم کیا تھا۔ اتنا قریب کس کے قریب؟ قادرِ مطلق کے قریب۔ کس کے قریب؟ عالم الغیب والشہادۃ کے قریب۔ کس کے قریب؟ خالقِ کائنات کے قریب۔ کس کے قریب؟ مختارِ کائنات کے قریب۔ نورِ مطلق کے قریب۔ اب اس قربت سے کیا فائدہ مرتب ہوا؟ آپ نہیں کہہ سکتے کہ خدا نے کوئی بات بے حکمت و بے مصلحت کی۔ میں ایک بہت ہی دہقانی اور دیہاتی مثال عرض کروں کہ قربت سے فائدہ اگر سمجھ میں نہ آئے، تو تھوڑی دیر کے لیے ایک ایسے ماحول میں پہنچ جائیے، جہاں ایک لوہا آپ کے سامنے ہو اور وہ لوہا آگ کے اندر نظر آ رہا ہو۔ سیاہ فام لوہا، سخت مزاج لوہا۔ تھوڑی دیر کے بعد جب وہ نکلا تو آپ لوہے سے پوچھیں گے، بول تجھے آگ کی قربت سے کیا ملا؟ تو پھر وہ یہی جواب دے گا کہ سنو جی پہلے میرا رنگ بالکل سیاہ تھا۔ اب میری رنگت بالکل سرخ ہے۔ پہلے میرے اندر یہ حرارت نہیں تھی۔ اب میرے اندر اتنی حرارت آگئی ہے۔ سنو جی مجھ میں اثر قبول کرنے کی طاقت موجود تھی اور میں جس کے قریب ہوا، اس میں اثر دینے کی طاقت تھی۔ تو میری باتوں کو اس نے نکال دیا اور اپنی خاصیت مجھے عطا کر دی۔ سرخی اس میں تھی، اس نے مجھے دے دی۔ حرارت اس میں تھی، اس نے مجھے دے دی۔ گرمی اس میں تھی اس نے مجھے دے دی۔ میں تو لوہا ہی ہوں، مگر اب اس کا جو کام ہے، وہ میں کروں گا۔ اگر وہ جلائے گی تو میں بھی جلا دوں گا۔ اگر اس سے حرارت ملتی ہے تو مجھ سے بھی حرارت لی جا سکتی ہے۔

چنبیلی کا تیل

الغرض اس نے میرے اندر جو تھا وہ نکال دیا اور اپنے اندر جو تھا وہ مجھے دے دیا۔ اور آگے چلیے۔ کیا آپ یہ نہیں کہتے کہ یہ چنبیلی کا تیل ہے۔ یہ فلاں چیز کا تیل ہے۔ بو لیے، یہ چنبیلی کیسی ہوتی ہے؟ کبھی چنبیلی کا دانہ آپ نے دیکھا ہے؟ چنبیلی کا پھول تو ضرور سُنا ہوگا، مگر چنبیلی کا تیل کیا ہوتا ہے؟ اچھا آیئے سنیئے، یہی جسے آپ تل کہتے ہیں۔ اسی تل کو چنبیلی میں بساتے ہیں اور بسانے کا یہ طریقہ بتایا گیا ہے کہ چنبیلی کے پھولوں کو پھیلا دیا چاندنی رات میں۔ کھُلی ہوئی فضا میں اور اس پر تل کے دانوں کو ڈال دیا۔ اس پر پھر پھولوں کو بچھا دیا۔ پھر دانے ڈالے، پھر اس پر چنبیلی کے پھول بچھاتے۔ ان سب کو کھلے آسمان کے نیچے کئی دن تک رہنے دیا۔ اس کے بعد وہی دانے نکال لیے گئے۔ اب آؤ وہ تل جو پھیلائے گئے تھے، اس کے دانے کو لے آؤ۔ اور یہ تل جو چنبیلی میں بسا ہوا ہے۔ اس کے دانے کو لے آؤ۔ بالکل سامنے رکھ دو۔ نہ قد وقامت میں فرق ہے اور شکل و صورت میں۔ نہ وزن میں فرق ہے نہ اور کسی بات میں۔ بالکل ایک ہی چیز معلوم ہوتی ہے، مگر ذرا پیس کر دیکھو۔ تیل نکال کر کے دیکھو، تو اس میں تل کا تیل نکلتا ہے اور اس میں چنبیلی کا تیل نکلتا ہے۔ دونوں کی حقیقت ہی بدلی ہوئی نظر آرہی ہے۔ دیکھو یہ دونوں دانے ایک ہی پودے سے نکلے تھے۔ بس آپ نے اتنا کیا کہ ایک کو چنبیلی سے بسا دیا اور ایک کو دُور رکھا۔ تو جو دور رہا، اس سے جو تیل نکلا، اس کو آپ تل کا تیل کہتے ہیں اور جو تل کے دانے چنبیلی کے قریب رہے، ان دانوں سے جو تیل نکلا، اس کو آپ چنبیلی کا تیل کہتے ہیں۔ قیمت بدل گئی، حقیقت بدل گئی، مہک بدل گئی۔ صورت بدل گئی۔ وزن بدل گیا، اثر بدل گیا۔ یہ اتنی تبدیلیاں کہاں سے آئیں؟ پوچھو، اس تل کے تیل سے آخر تم بھی تو اسی درخت سے نکلے تھے۔ تم بھی تو اسی درخت میں پھولے پھلے تھے۔ تل کے دانو بتاؤ تمہارے اندر یہ بات کہاں سے آگئی؟ تو وہ جواب دیں گے اِسُنو جی کچھ دن چنبیلی کی صحبت مل گئی تھی جو میرے اندر تھا وہ نکل گیا جو اس کے اندر تھا وہ مل گیا۔ اس میں تعجب مت کرو شکل و صورت سے دھوکہ مت کھاؤ۔ ایک جیسا دیکھ

فریب مت کھاؤ۔ یہ بھی تو دیکھو کہ یہ کس کی بارگاہ سے قرب آرہا ہے۔

عقلی استحالہ پیش کرو

دوستو آج تک کوئی عقلی استحالہ پیش نہ کرسکا کہ سارے دانے تو ایک ہی ہیں۔ پھر ایک سے تل کا تیل کیسے اور دوسرے سے چنبیلی کا تیل کیسے بن گیا؟ بلکہ آگ میں اثر دینے کی قدرت ہونا اور لوہے میں اثر لینے کی صلاحیت ہونا۔ یوں ہی چنبیلی کے پھولوں کا موثر ہونا اور تل کے دانوں کا متاثر ہونا اور پھر اس قربت وصحبت کے لازمی اثرات کا مرتب ہونا سبھی تسلیم کرتے ہیں۔ مگر جب رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے قربِ خداوندی کی بات آتی ہے تو پھر سمجھی بوجھی حقیقت بھی سمجھ سے بالاتر ہوجاتی ہے۔ اب یا تو صاف صاف کہہ دو کہ عالم الغیب والشہادۃ کی بارگاہ میں نقص پیدا ہوگیا ہے۔ نہ اسے اثر دینے کی قدرت ہے اور نہ رسولِ کریم میں اثر لینے کی صلاحیت۔ اگر تم یہ بات کہتے ہو کہ اس کو قدرت نہیں اور ان میں صلاحیت نہیں۔ تب تو بات سمجھ میں آئے گی کہ ہاں آئے اور خالی جائے۔ عالم الغیب والشہادۃ کی بارگاہ سے آئے اور پیٹھ کے پیچھے سے بے خبر آئے۔ قادرِ مطلق کی بارگاہ سے آئے اور مجبورِ محض بن کر آئے۔ مقتدرِ اعلیٰ کی بارگاہ سے آئے اور اقتدار کا کوئی گوشہ ہاتھ میں نہ رہ سکا۔ یہ سب ایسی صورت میں ہوسکتا ہے جب اسے اثر دینے کی قدرت نہ ہو اور ان میں اثر لینے کی صلاحیت نہ ہو۔ اور اگر وہ دینے پر قادر ہے اور یہ لینے کی صلاحیت رکھتے ہیں تو چنبیلی دے دے اور خدا تعالیٰ نہ دے سکے۔

کیا یہی معراج رسول ہے؟

میں آپ کو بتاؤں دوستو! ایک مسئلہ میرے ذہن میں تھا۔ جب رسول کی معراج کا ذکر علمائے کرام کرتے تھے، تو میں سوچتا تھا کہ آخر اس میں رسول کی معراج کیا ہے؟ علمائے کرام ذکر کرتے تھے اور معراج کا سفر مکہ شریف سے شروع کرتے تھے۔ اس کے بعد مدینے سے ہوتے ہوئے آپ بیت المقدس تشریف لے گئے اور وہاں پر انبیاء کرام کی امامت کرائی۔ اور پھر وہاں سے اٹھایا میرے سرکار کو۔ ذکر کر رہے ہیں اور بتاتے جارہے ہیں۔ یہ پہلا آسمان، یہ دوسرا آسمان۔ معراج کا

ذکر کرنے والے تفصیلات اور اس کے کوائف پیش کرتے چلے جا رہے ہیں اور میں سوچ رہا ہوں، اس میں کون سی معراج کی بات ہے۔ اگر میرا رسول مکے سے سفر کو نکلا۔ یہ رسول کی معراج نہیں۔ مدینے پہنچا یہ رسول کی معراج نہیں۔ بیت المقدس پہنچا۔ یہ رسول کی معراج نہیں۔ رسول نے اگر انبیاء کی امامت فرمائی۔ یہ کوئی معراج کی بات تو نہیں۔ آسمان پر گئے یہ کوئی معراج کی بات نہیں۔ آسمان پر جانا یہ رسول کی معراج نہیں۔ عرش پر جانا یہ رسول کی معراج نہیں جنت میں جانا رسول کی معراج نہیں۔ جہنم کا مشاہدہ فرمانا، یہ رسول کی معراج نہیں۔ سدرۃ المنتہیٰ پر جانا، یہ رسول کی معراج نہیں۔ میں کیسے معراج مان لوں۔ معراج جانتے ہو کسے کہتے ہیں؟ معراج تو کہتے ہیں کہ اپنے مقام سے کوئی بلند ہو جائے۔ جو اس کا واقعی مقام ہو، اس سے کوئی بلند ہو جائے تو اسے اس کی معراج کہی جائے گی۔ اس لیے تو میں سوچ رہا تھا کہ عرش پر جانا رسول کی معراج نہیں۔ خاک کے وہ ذرے جو رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جسمِ مبارک سے لگے ہوتے ہیں، وہ عرش سے بھی افضل ہیں اور کعبے سے بھی افضل ہیں تو جب جسمِ مبارک سے لگے ہوتے خاک کے ذرے جس عرش سے افضل ہوں، اس عرش پر آپ کا پہنچنا کیا آپ کی معراج ہو گی؟ رسول کے غلام جنت میں رہیں گے۔ تو کیا رسول جنت میں جائیں گے تو رسول کی معراج ہو گی؟ آسمانوں پر جو فرشتے ہیں، وہ سب غلام ہیں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے۔ وہاں تو غلام رہتے ہیں۔ یہ چلے جائیں گے تو یہ کوئی معراج نہیں ہے۔ میں یہی سمجھ رہا تھا، نہیں، یہ رسول کی معراج نہیں ہے۔ رسول اگر مدینے گئے تو یہ مدینے کی معراج ہے۔ رسول اگر بیت المقدس گئے تو یہ بیت المقدس کی معراج ہے۔ رسول اگر آسمان پر گئے تو یہ آسمان کی معراج ہے۔ رسول اگر عرش پر گئے تو یہ عرش کی معراج ہے۔ رسول اگر جنت میں گئے تو یہ جنت کی معراج ہے۔ یہ معراج کی اُڑان ہے، رسول کی معراج نہیں، کائنات کی معراج ہے۔ ساری دنیا کی معراج ہو رہی ہے۔

ذرے ذرے کو رسولِ کریم اپنے قدموں سے معراج دے رہے ہیں۔ سب کو عروج بخش رہے ہیں۔ سب کو ارتقاء کی منزلوں سے ہم آغوش کر رہے ہیں۔ اب آپ ہی غور کیجیے کہ آخر اس میں

رسول کی معراج کیا ہوتی ؟ سنبھل کر جواب دینا۔ اس لیے کہ سرکارِ عربی کی تعریف کرنے میں بہت احتیاط برتنی پڑتی ہے۔ احتیاط کی بات کا اندازہ اس سے لگایئے کہ اکثر تعریف کرنے والے لوگ مبالغہ سے کام لیتے ہیں اور یہ مبالغہ بھی جائز ہے۔ یعنی کسی کی آپ تعریف کچھ بڑھا چڑھا کے کریں۔ کسی نے محبوب کی تعریف کی، چہرے کی تشبیہ چاند سے دے دی۔ کسی نے پسینے کی تشبیہ گلاب کی مہک سے دے دی۔ تو اس طرح سے مبالغہ شعر و شاعری میں بھی جائز ہے۔ کچھ خوبیاں ہوں اور جب اسے آپ بیان کریں، تو اس میں تھوڑا سا بڑھا کر بیان کریں۔

مگر میں آپ کو بتاؤں دوستو! رسول کی ذات ایسی ذات ہے کہ رسول کے صفات و کمالات کا جب ذکر ہو تو وہاں مبالغہ کرنا جائز نہیں۔ مگر میں اور بھی گہرائی میں اترا اور گہرائی میں اترتے اترتے اس منزل تک پہنچا کہ میرے ضمیر نے آواز دی کہ یہ رسول وہ رسول ہیں کہ جن کے کمالات میں اگر تم مبالغہ کرو گے تو کفر ہو جائے گا۔ دیکھو ساری دنیا کے اہلِ کمال کے کمال کو بیان کرو اور تھوڑا مبالغہ کر دو تو یہ جائز ہے۔ بالکل جائز ہے۔ کسی بھی نبی کی تعریف کرو اور کوئی ایسی خاص بات پیش کرنا ہو کہ تھوڑی سی بات آگے بڑھتی ہوئی نظر آئے بالکل جائز ہے۔ کسی بھی خوبیوں والے کی تعریف کرو تو تھوڑا سا آگے بڑھا کر مثال دے دو، بالکل جائز ہے۔ مگر میرے رسول کی تعریف کے اندر اگر تم مبالغہ کرو گے تو کفر ہے۔ رسول کی تعریف میں تم مبالغہ نہیں کر سکتے۔ اس لیے کہ رسول کی تم جو تعریف کرو گے اور جتنی تعریف کرو گے، وہ مبالغہ نہیں بنے گا، وہ تو حقیقت سے بھی کچھ کم ہے۔ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔ تو خدا تعالیٰ کے بعد جو کہو گے وہ حقیقت بنے گی۔ مبالغہ نہیں بنے گا۔ اب مبالغے کی صرف یہی ایک صورت ہے کہ مصطفیٰ کو کبریا کہہ دو اور یہ یقیناً کفر ہے۔ ممکن کو واجب کہہ دو، یہ کفر نہیں تو اور کیا ہے؟ عطائی والے کو ذاتی بنا دو، یہ کفر نہیں تو اور کیا ہے؟ اس لیے کہ رسول کمالات کی اس منزل پر ہیں کہ اب آگے بڑھانے کی گنجائش نہیں۔ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

تو ایسے رسول کی معراج کیا ہو گی؟ مقامِ دنیٰ فتدلیٰ پر پہنچے۔ تو کیا یہ رسول کی معراج ہے؟ نہیں یہ اس مقام کی معراج ہے جسے میرے رسول نے قدمِ ناز سے نوازا۔ عقل نے آواز دی کہ یہاں کہاں چکر لگا رہے ہو؟ یہ کائنات میں گھومنا۔ یہ کائنات کی سیر کرنا۔ قرآن نے کب کہا ہے کہ یہ رسول کی معراج ہے۔ قرآن تو کہتا ہے کہ یہ رسول کی سیر ہے سبحان الذی اسریٰ بعبدہٖ پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندے کو۔ جو لے گیا اپنے بندے کو۔ یہ تھوڑا ہی کہا ہے کہ جس نے معراج کرائی، تو یہ سیر بندے کی ہے اور معراج کائنات کی ہے۔

اب سیر کی حقیقت بھی سمجھ لیجئے۔ سیر کہتے ہیں ٹہلنے کو۔

رسول کی معراج کیا ہے؟

ایسا ٹہلنا جو طبیعت کو بوجھل نہ بنا دے۔ اسی لیے وہیں تک کا سفر سیر و تفریح کے دائرے میں آتا ہے۔ جہاں کا جانا اور آنا آسان ہو۔ تھکاوٹ اور گرانی طبع کا باعث نہ ہو۔ تو اب جس کو معراج کہا جا رہا ہے، وہ تو رسول کریم کی ایک معمولی سیر ہے۔ تو اب رسول کی معراج کیا ہے؟ دوستو! رسول کی معراج یہ ہے کہ جب سرکار مقام دنیٰ فتدلیٰ پر پہنچے، تو ایک تو ان کا انتقال مکانی تھا اور دوسرا ان کے قرابت کا انتقال تھا۔ روحانی سفر تھا۔ دونوں میں عظیم فرق ہے۔ میرے رسول نے صرف مکانی سفر نہیں کیا، بلکہ صفاتِ الٰہی کی بھی سیر شروع کی۔

اب دیکھو رسول کی معراج کہاں سے ہو رہی ہے؟ میرے رسول نے صفاتِ الٰہیہ کی سیر شروع کی۔ صفاتِ الٰہیہ کی سیر کا کیا مطلب؟ کبھی صفت الرحیم سے گزر رہے ہیں، کبھی صفت الغفور سے گزر رہے ہیں۔ کبھی صفت القادر سے گزر رہے ہیں، کبھی صفت العالم سے گزر رہے ہیں اور کبھی صفت المختار سے گزر رہے ہیں۔ ہر ہر صفت سے گزر رہے ہیں اور جس صفت سے گزرے وہ کمال لے کر اترے۔ صفت الکریم سے گزرے تو کریم بن گئے۔ صفت الرحیم سے گزرے تو رحیم بن گئے۔ صفت القادر سے گزرے تو قادر بن گئے۔ صفت المختار سے گزرے تو مختار بن گئے۔ تو وہ صفاتِ الٰہیہ کی سیر کر رہے ہیں اور کمالاتِ الٰہیہ کے مظہر بن رہے ہیں۔ دیکھا آپ نے یہ ہے میرے رسول کی حقیقی معراج جس نے مؤثر و متاثر کی قدرت و صلاحیت سے حجابات اٹھا دیئے۔

الغرض قریب کر کے بھیجا، پہلے اپنا بنایا، اس کے بعد بھیجا۔ اس کو اپنا بنانے والے ہیں اس کو اپنے قریب رکھنے میں کیا مصلحت ؟ اس کی طرف میں نے اشارہ کر دیا۔ اب ہمارے سمجھنے کے لیے ایک چیز یہ رہ گئی کہ دیکھو ہر ایک کو منزل پر رکھو۔ خدا وہ ہے جو بھیجنے والا ہے۔ رسول وہ ہیں جو مرسل ہیں اور عالمین وہ ہیں جو مرسل الیہم ہیں۔ تو نہ اس رسول کو خدا سے ملا کر دیکھنا اور نہ اس رسول کو عالمین میں رکھ کے دیکھنا۔ اگر تم دیکھو گے تو سمجھ نہ پاؤ گے کہ بھیجنے والا کون ہے ؟ کس کو بھیجا ہے ؟ اور کدھر بھیجا ؟ اس جگہ یہ بات بھی قابلِ غور ہے۔

پانچ روپے منی آرڈر

جب چیز بھیجی جاتی ہے تو کچھ اہتمام بھی کیا جاتا ہے۔ مثلاً پانچ روپیہ اگر کوئی کہیں بھیجے۔ پانچ روپیہ کیا، اگر ایک پیسہ بھیجنا چاہیں، تو اس کے ساتھ اتنا بڑا فارم ہوتا ہے۔ پانچ روپے ہم نے اپنے بھائی کے نام بھیجے، تو ہم اور، پانچ روپیہ، اور ہمارا بھائی اور، اب اگر کوئی بھائی کو پانچ روپے کہہ دے تو وہ بد دماغ ہی ہوگا۔ اگر ایسے ہی کوئی کہہ دے کہ بھیجنے والا ہی پانچ روپے ہے تو اس کو بھی مفتورالعقل کہا جائے گا۔ تو یہ جو چیز جا رہی ہے، وہ اور ہے، اس کی حقیقت اور ہے۔ اس کی ماہیت اور ہے، اس کا مقام اور ہے۔ اس کی منزل اور ہے۔ یہ ظاہر ہو چکا کہ پانچ روپے یوں ہی نہیں بھیجتے۔ ایک فارم ساتھ ہوتا ہے۔ اس فارم میں کیا ہوتا ہے ؟ فلاں نے بھیجا اور فلاں کی طرف بھیجا۔ کس نے بھیجا اس کا پورا پتہ ؟ کہاں بھیجا جا رہا ہے اس کا پورا پتہ ؟ اس فارم میں اتنا ہی ہوتا ہے اور ایک کوپن ہوتا ہے۔ اس پر آپ اگر کچھ خیریت لکھنا چاہیں تو وہ بھی لکھ سکتے ہیں۔ جس کے پاس آپ بھیج رہے ہیں، اس کے پاس کوئی پیغام پہنچانا چاہیں یا کچھ لکھنا چاہیں تو لکھ سکتے ہیں۔ میں تو یہ دیکھتا ہوں کہ پانچ روپے بھیجنے کے لیے اتنے بڑے فارم کی ضرورت پڑتی ہے تاکہ سمجھ میں آجائے کہ یہ پانچ روپے کہاں جا رہے ہیں۔ کون بھیج رہا ہے تاکہ ادھر ادھر بھٹکنے نہ پائے۔ اتنا اہتمام ہم کر رہے ہیں۔ اب رب العالمین رحمۃ للعالمین کو بھیج رہا ہے۔ تو بہت ہی ضرورت ہو گئی کہ ان کے ساتھ بھی کوئی چیز چلے کہ جو یہ بتائے کہ کون بھیج رہا ہے ؟ کس کے پاس بھیج رہا ہے ؟ کیا بنا کے بھیج رہا ہے۔

تو دوستو! یہاں ایک فارم سے کام نہیں چلتا تھا۔ اسی لیے تیس (۳۰) پارے آتار دیئے گئے کہ اگر سمجھنا ہے تو دیکھ لو کہ کون بھیج رہا ہے؟ کس کو بھیج رہا ہے؟ کیا بنا کے بھیج رہا ہے؟ کس لیے بھیج رہا ہے؟

رحمت کِسے کہتے ہیں؟

ارشادِ ربانی ہے کہ رحمت بنا کر بھیجا۔ یہ رحمت کیا چیز ہے؟ رحمت کہتے ہیں مہربانی کو۔

عالمین کی وسعت تو آپ سمجھ چکے، مگر کچھ لوگ عالمین کو بھی مختصر کر رہے ہیں۔ یعنی عالمین سے مراد پورا عالم نہیں۔ ذرا غور تو کیجیے۔ بولا گیا عالمین اور مراد ہیں صرف ماننے والے۔ بولا گیا عالمین اور مراد ہیں صرف اطاعت کرنے والے۔ ہم نے کہا کہ اگر اپنی طبیعت سے عالمین کی بے پایاں وسعت پر اسی طرح سے آپ نے قینچی چلانے کا ارادہ کر لیا ہے تو آئیے بتائیے کہ الحمد للّٰہ رب العالمین میں عالمین سے مراد کیا خدا کے ماننے والے ہیں؟ عالمین سے مراد کیا خدا کے چاہنے والے ہیں؟ خدا انہیں کا رب ہے، دوسروں کا رب نہیں ہے؟ اور جب رب العالمین کے عالمین میں تخصیص کرنے کی تم میں جرأت نہیں ہے، تو رحمۃ للعالمین کے عالمین میں اتنی کمی کیوں نکال رہے ہیں؟ اس سے پتہ چلا کہ عالمین کی وسعت میں تو کمی نہیں ہوئی۔ عقیدت کی وسعت میں ضرور کمی ہے۔

ہر شئے کے لیے رحمت

سارے عالم کے لیے رحمت۔ اچھا مولانا عبدالوہاب سے پوچھیے گا۔ صبح کے وقت رحمت کہ شام کے وقت رحمت۔ کوئی وقت ہے۔ فلاں ٹائم رحمت ہیں اور فلاں ٹائم نہیں ہیں۔ صبح کو ہیں، شام کو نہیں۔ دن کو ہیں رات کو نہیں، رات کو سونے تو ہوں گے نا۔ رات کو تھوڑی ہی رحمت ہیں۔ زمین پر ہیں، آسمان پر نہیں۔ عالمِ برزخ میں نہیں۔ یہاں نہیں، وہاں نہیں۔ کوئی ایسی تخصیص۔ سوچی قرآن جب مطلق بولے تو اس کے اطلاق پر قیاس اپنا الگ، اپنی عقل الگ۔ اطلاق کتاب میں خبرِ واحد سے بھی کمی نہیں کی جاسکتی۔ مطلق کو مقید نہیں کیا جاسکتا۔ اَلْمُطْلَقُ یَجْرِیْ عَلٰی اِطْلَاقِہٖ۔ اچھی طرح سے سمجھ لو۔ آپ اس کے دائرے کو اپنے عقل و قیاس سے کم نہیں کر سکتے۔ تو ظاہر ہو گیا کہ رسول سارے عالم کے لیے

مہربانی، ہر وقت کے لیے مہربانی، ہر ٹائم کے لیے مہربانی۔ ہر ہر ساعت کے لیے مہربانی۔ ہر ہر لمحے کے لیے مہربانی۔ قرآن نے مطلق رکھا ہے۔ ہم اپنی عقل سے اس میں قید نہیں لگا سکتے۔ مطلق رکھا ہے سارے عالم کے لیے تو جس وقت جس چیز پر عالم کا اطلاق ہوگا۔ رسول اس کے لیے مہربانی ہوں گے۔ جو عالم ہیں رسول اس کے لیے مہربانی ہو گئے۔ تو ہر وقت کے لیے مہربانی۔ ہر ایک کے لیے مہربانی۔ اس میں اپنے پرائے کی بھی بات نہیں ہے۔ کافر کے لیے بھی مہربانی۔ اور مومن کے لیے بھی مہربانی۔ ہر ایک کے لیے مہربانی۔ اچھی طرح سمجھو۔

رحمت کے لیے حاضر و ناظر ہونا

اب ذرا غور کرو کہ ہر ایک کے لیے مہربان ہونے کے لیے ضروری کیا ہے ساری کائنات جس میں ماضی و مستقبل سب شامل ہیں جس میں اولین و آخرین سب شامل۔ جس میں ابتداء انتہا سب شامل۔ ابتدائے کون سے انتہائے کون تک شامل۔ اس کے لیے مہربان ہونے کے لیے کیا چیز ضروری ہے۔ پہلے یہ بتاؤ کہ ایک صاحب آپ کے لیے مہربان ہے۔ مان لو ان کا وجود ہی نہ ہو تو کیا وہ آپ پر مہربانی کر سکیں گے؟ وہ تو بیچارے خود مہربانی کے محتاج ہوں گے۔ وہ کیا مہربانی کریں گے۔ معلوم یہ ہوا کہ مہربانی کے لیے موجود ہونا ضروری ہے۔ میں صرف لفظ رحمت کی طرف آپ کی توجہ دلانا چاہتا ہوں۔ الغرض مہربانی کے لیے موجود مہربان کا ہونا ضروری ہے۔ جو عالم میں موجود نہ ہو، وہ کسی کے لیے مہربان نہیں بن سکتا۔ تو مہربان کے لیے باحیات ہونا، زندہ ہونا، موجود ہونا ضروری ہے۔ اچھا موجود تو ہیں، مگر اتنے دور ہیں کہ ہمارے اوپر جب تکلیف آتی ہے، تو اس کی خبر ہی نہیں ہوتی۔ یاد رکھنا ہر ہر آن کے لیے مہربانی۔ ہر ہر لمحے کے لیے مہربانی۔ ہر ہر ساعت کے لیے مہربانی۔ بات یہیں سے چل رہی ہے تو اگر وہ ہم سے قریب نہیں ہے، تو ہم یہاں تڑپ رہے ہیں۔ ہم یہاں ایڑیاں رگڑ رہے ہیں وہ کیا مہربانی کرے گا؟ اس کو تو خبر بھی نہ ہوگی۔ تو معلوم یہ ہوا کہ ہر ہر عالم، ہر ہر ساعت کے لیے مہربانی ہونے کے لیے ضروری ہے کہ تمام موجوداتِ عالم کے قریب بھی ہو۔ تمام موجوداتِ عالم کے قریب حاضر ہو،

ورنہ وہ مہربان نہیں ہوسکتا۔

اچھا صاحب حاضر تو ہے، مگر آنکھ میں روشنی ہی نہیں ہے۔ دیکھ ہی نہیں رہا ہے۔ آنکھ بند کیے ہوتے حاضر ہیں اور آپ لوٹ رہے ہیں، وہ دیکھ ہی نہیں رہا ہے تو کیا وہ مہربانی کرے گا! معلوم ہوا کہ ہر ہر ساعت کے لیے مہربان ہونے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ حاضر بھی ہو اور ناظر بھی ہو دیکھ بھی رہا ہو کہ مصیبت زدہ کا کیا حال ہے؟ اس کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی ہیں۔ اس کے چہرے سے پسینہ بہہ رہا ہے۔ کیا کیفیت ہے اس کو دیکھ بھی رہا ہے۔ رحمت کے لیے ہر زبان کا علم ہونا ضروری ہے۔ اچھا صاحب دیکھ تو رہا ہے، مگر مصیبت زدہ کی بولی نہیں سمجھ رہا ہے، جب بھی کیا مہربانی کرے گا؟ مثال کے طور پر ایسا سمجھیے کہ ایک شخص بہت پیاسا ہے اور ہے بے چارہ عرب کا اور پہنچ گیا ہمارے دیہات میں۔ اور پہنچ کر کہتا ہے: جِبْ مُوْیَا۔ آپ لوگ ہنس رہے ہیں اس کی بات پر۔ اور وہ چلاتا جا رہا ہے جِبْ مُوَیَا۔ جِبْ مُوَیَا۔ اَلْعَطَش۔ اَلْعَطَش۔ سب لوگ گھبرا گئے۔ کیا کہہ رہا ہے؟ گالی دے رہا ہے یا ہمارا مذاق اڑا رہا ہے؟ لوگ پریشان ہیں۔ معلوم ہوا کہ اس کی پریشانی دُور نہیں کی جا سکتی۔ اس لیے کہ سامنے والے اس کی زبان نہیں سمجھ رہے ہیں۔ بیچارہ کہہ رہا ہے کہ مجھے پانی دو، میں پیاسا ہوں۔ لوگ سمجھ ہی نہیں رہے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ اس بے چارے کے لیے ہمارے علاقے والے کیا مہربان بنیں گے، جب زبان ہی نہیں سمجھتے۔ کوئی انگریزی میں کچھ چلا رہا ہے، کوئی گجراتی بول رہا ہے۔ معلوم یہ ہوا کہ صرف حاضر ہونے سے بھی کچھ کام نہیں چلتا۔ ہر زبان کا جاننے والا بھی ہونا چاہیے، ورنہ کوئی پانی مانگے، اس کو زہر دے دے۔ کوئی کھانا طلب کرے تو پانی پائے اور پانی چاہے تو کھانا آگے آئے۔

تو اس سے معلوم کیا ہوا؟ کہ کوئی مہربان جہاں جہاں کے لیے رحمت ہے، مہربانی ہے۔ وہاں وہاں کی زبان بھی سمجھے۔ میسوری بولے تو بھی سمجھ لے۔ گجراتی بولے تو بھی سمجھ لے۔ بنگالی بولے تو بھی سمجھ لے۔ برطانیہ کا بولے تو بھی سمجھ لے۔ ہندوستان کے کسی خطے میں کوئی بولے تو بھی سمجھ لے۔ فرنچ بولے تو بھی سمجھ لے۔ اگر ہر زبان کا عالم نہیں ہے تو سب کے لیے مہربانی نہیں بن سکتا

تو ضرورت اس بات کی ہے کہ وہ ہر زبان کا جاننے والا بھی ہو۔

رحمت کے لیے قدرت و اختیار والا ہونا ضروری ہے

اچھا صاحب زبان تو جانتا ہے، خوب جانتا ہے۔ اتنی ساری زبان سیکھ رکھی ہے سکھانے والے نے سکھا دی ہے۔ مگر یہ نہیں سمجھتا کہ مرض کیا ہے؟ بے چارہ مریض تڑپ رہا ہے اور وہ سمجھ ہی نہیں رہا ہے کہ مرض کیا ہے۔ اس کا علم ہی نہیں تو کیا مہربانی کرے گا؟ معلوم ہوا کہ ہر ہر تکلیف کو وہ سمجھے اور اس کو اس بات کا علم ہو جائے کہ مریض کو مرض کیا ہے؟ اگر یہ علم نہیں ہے، تو وہ سب کے لیے مہربانی نہیں ہو سکتا۔ تو معلوم یہ ہوا کہ مہربان کے لیے عالم ہونا بھی ضروری ہے۔ آپ غور کرتے چلے جایئے۔ اچھا صاحب عالم بھی ہو گئے۔ معلوم ہوا پیٹ میں درد ہے۔ مگر علاج کیا ہے، اس کا پتہ ہی نہیں۔ اب عالم ہو کے وہ کیا کرے گا۔ معلوم یہ ہوا کہ مہربان کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ مرض کو بھی جانے اور علاج کو بھی جانے۔ اچھا صاحب علاج کو تو جانتا ہے کہ فلاں جڑی بوٹی اس کو کھلائی جائے تو اس کا پیٹ اچھا ہو جائے، مگر وہ جڑی بوٹی کہاں ہے؟ اس کا اسے پتہ ہی نہیں تو وہ اس وقت کیا مہربانی کرے گا؟ صرف لفظوں سے مہربانی نہیں ہوتی۔ تو اشد ضروری ہے کہ جو علاج ہو وہ کائنات کے جس گوشے میں ہو، وہ اس کی نظر میں ہو۔ اگر ایسا نہ ہو تو وہ کیا مہربانی کرے گا؟ اچھا جناب معلوم بھی ہے کہ جڑی بوٹی امریکہ میں ہے، مگر اسے لائے کیسے؟ بہت مشکل ہے۔ قدرت ہی نہیں ہے ایسی صورت میں یہ مریض پر کیا مہربانی کر سکے گا؟ تا تریاق از عراق آوردہ شود، مار گزیدہ مُردہ شود۔ تو معلوم یہ ہوا کہ مہربان کے لیے صرف اتنا ضروری نہیں ہے کہ وہ یہ جانے کہ علاج کیا ہے اور کہاں ہے، بلکہ وہاں سے لانے پر بھی قادر ہو۔ ایسا قادر کہ اشارہ کر دے تو وہ چیز خود ہی دوڑتی ہوئی چلی آئے۔ اور ایک بات اور بھی ہے کہ کبھی قدرت ہوتی ہے اختیار نہیں ہوتا۔

مثال کے طور پر میں اس بات پر قادر ہوں کہ مولانا عبدالوہاب صاحب کی ٹوپی چھین لوں اور کسی اور کو دے دوں۔ قدرت ہے کہ نہیں؟ لیکن کیا مجھے اس بات کا اختیار ہے کہ کسی کی

ٹوپی کسی کو دے دوں؛ پیر صاحب کا صافہ اتار کر ان کو دے دوں؛ قدرت تو ہے مگر اختیار نہیں ہے، اس لیے کہ دینے والا با اختیار تو اس وقت ہوگا کہ جب وہ مالک بھی ہو۔ صرف قدرت کا کام نہیں ہے، بلکہ جو بھی علاج ہم کریں اور جس کے لیے کریں اور جس طرح سے کریں، ان تمام باتوں کے ہم مالک بھی ہوں۔ پتہ نہیں کائنات کی کس چیز کی ہمیں ضرورت پڑ جائے۔ کسی پر مہربانی کے لیے ہو سکتا ہے کہ کبھی چاند کے ٹکڑے کرنے پڑ جائیں۔ کبھی سورج پلٹانا پڑ جائے، کبھی کنکریوں سے کلمہ پڑھوانا پڑ جائے۔ کبھی ہمیں درخت کو بلانا پڑ جائے۔ ارے یہاں یہ بھی تو مہربانی ہے کہ بلائیں گے تو ایمان لائیں گے۔ تو معلوم نہیں اس مریض کے مرض کو دور کرنے لیے ہمیں کیا کرنا پڑے؛ لہٰذا ساری کائنات پر قادر بھی ہونا چاہیے۔ ساری کائنات پر مختار بھی ہونا چاہیے۔ ساری کائنات میں حاضر و ناظر بھی ہونا چاہیے۔ ساری کائنات کا مالک بھی ہونا چاہیے۔ ساری کائنات کا عالم بھی ہونا چاہیے۔ ساری کائنات میں موجود بھی رہنا چاہیے ہماری کائنات میں باحیات بھی رہنا چاہیے۔ تو جب یہ سب ہوگا، تب وہ جا کے سب کے لیے رحمت بن سکیں گے۔

وَمَا اَرْسَلْنٰكَ کی محققانہ تشریح

اب ذرا ترجمہ تو کرو اس آیہ کریمہ کا وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ اے محبوب! نہیں بھیجا ہم نے آپ کو لیکن سارے عالم کے لیے رحمت بنا کر۔ لہٰذا جب تک عالم رہے گا، اس وقت تک تم موجود رہو گے۔ اسی لیے میں کہتا ہوں کہ رسول کے سوا آدم ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے کہ نور محمدی کو پیدا کر دیا گیا۔ اول ما خلق اللّٰہ نوری میرا نور خدا کی پہلی مخلوق ہے۔ یعنی عالم پر کوئی ایسا وقت نہیں گزرا کہ عالم ہو اور وہ رحمت نہ ہوں۔ اب اگر رسولِ کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے نور مبارک کی تخلیق عالم کی تخلیق کے بعد فرمائی جاتی تو ایک ساعت تو ضرور ایسی مل جاتی جبکہ عالم ہوتا مگر رحمتِ عالم نہ ہوتے۔ ایسی صورت میں حقیقی معنوں میں رسولِ کریم رحمۃ للعالمین نہ ہوتے، اس لیے کہ عالم کی بعض چیزیں اپنے بعض اوقات میں دائرۂ رحمت سے الگ نظر آتیں۔ مگر رب

نے یہ منظور نہ کیا۔ پہلے نورِ رحمت عالم کو پیدا کیا اور پھر عالم کو پیدا کیا۔ پھر عرش کی پیشانی کا ستارہ بنادیا میرے رسولِ اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو۔ تو معلوم یہ ہوا کہ سرکارِ عربی جب سارے عالم کے لیے رحمت ہیں۔ سارے عالم کے لیے مہربانی ہیں، تو اپنے وجود میں سب سے مقدم بھی ہیں۔

اب آیت کا تفصیلی ترجمہ یہ ہوگا کہ اے محبوب! ہم نے تجھے سارے عالم میں حاضر و ناظر بنا کر بھیجا ہے۔ سارے عالم کا مختار بنا کر بھیجا ہے۔ سارے عالم میں موجود بنا کر بھیجا ہے۔ سارے عالَم کا عالِم بنا کر بھیجا ہے۔ سارے عالم کا مالک بنا کر بھیجا ہے۔ سارے عالم کا مقتدرِ اعلیٰ بنا کر بھیجا ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا خدا یہ سب بنا سکتا ہے؟ جب خدا تعالیٰ یہ سب بنا سکتا ہے؟ تو اب کون روکے گا نہ بنائے۔

ایک شبہ کا ازالہ

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ

تو سب کچھ بنا کے بھیج دیا، مگر ایک بات تو سنو!

ارشاد ہے کہ ہم نے بنا کے بھیجا۔ معلوم ہوا کہ یہاں آ کے نہیں بنے ہیں، وہیں بنا دیئے گئے ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ گلدستہ بنا کے بھیجا۔ تو کیا یہ گلدستہ یہاں آ کے بنا۔ گلدستہ تو اسی وقت بن گیا تھا۔ جب ہمارے پاس تھا۔ ہم نے کتاب لکھ کر بھیجی۔ تو کتاب یہاں آئی تب لکھی گئی۔ ایسا نہیں، بلکہ لکھی گئی پھر ہمارے پاس بھیج دی گئی۔ مگر یہاں پر ایک شبہ ہوتا ہے۔ شبہ یہ ہوتا ہے کہ کیا رسولِ عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو سب کچھ پہلے ہی بنا دیا گیا تھا۔ یعنی خاتم النبیین، سید المرسلین۔ امام الانبیاء۔ شفیع المذنبین۔ یہ سب صفات رسول کو پہلے مل گئے تھے۔ بہت ہی پیچیدہ بات ہے اور بہت ہی باریک بات ہے۔ میں بہت ہی ہلکے انداز میں عرض کرنے کی کوشش کروں گا کہ حضور کو سب کچھ پہلے ہی بنا دیا گیا۔

یعنی رسول آئے بھی نہیں اور شفیع المذنبین بن گئے۔ رسول یہاں آئے بھی نہیں اور امام الانبیاء بن گئے۔ رسول یہاں آئے بھی نہیں اور سید المرسلین بن گئے۔ رسول یہاں آئے بھی نہیں اور خاتم النبیین بن گئے۔ رسول یہاں آئے بھی نہیں اور مختارِ کائنات بن گئے۔ آپ کہیں گے بھی یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ابھی امامت بھی نہیں کی اور امام ہو گئے۔

سپہ سالار اور پہلوان

اس نکتے کو سمجھنے کے لیے یہ ذہن نشین کر لیجئے کہ ایک ہوتا ہے کسی کمال کا ثبوت اور ایک ہوتا ہے کسی کمال کا ظہور۔ ثبوت اور ہے، ظہور اور ہے۔ کمال ثابت ہو جاتا ہے کہیں، اور اس کا ظہور ہوتا ہے کہیں اور۔ مثلاً کافروں سے لڑنے کے لیے آپ کو جانا ہے۔ آپ نے فوج بنائی۔ فوج بنا کر اس میں ایک کو سپہ سالار بنا دیا۔ تم ہو اس فوج کے سپہ سالار اور تمغہ لگا دیا۔ وردی پہنا دی۔ یہ سب فوجی ہیں اور یہ سپہ سالار رہے۔ تو سپہ سالار اپنا فن سپہ سالاری تو میدان میں دکھائے گا مگر سپہ سالار یہیں بن گیا، تمغہ یہیں مل گیا۔ سند یہیں مل گئی۔ مقام یہیں مل گیا، منصب یہیں ہاتھ آگیا۔ منصب سپہ سالاری یہیں ثابت ہو گئی، مگر اس کا ظہور میدانِ جنگ میں ہوگا، جب وہ عملاً سپہ سالاری کر رہا ہوگا۔ معلوم ہوا کہ بعض خوبیاں ایسی ہوتی ہیں کہ ثابت پہلے سے ہوتی ہیں اور ظاہر بعد میں ہوتی ہیں۔ ظاہر ہونا اور ہے ثابت ہونا اور ہے۔

ایک اور مثال پیش کر دوں؟ ایک پہلوان آج تک کسی سے لڑا ہی نہیں تھا، پہلوانی کرتا رہا۔ اب گیا لڑنے کے لیے۔ لڑنے کے بعد جب مقابلہ ہوا تو لوگ دیکھ رہے ہیں۔ پہلوان بھی نہیں سمجھ رہا ہے کہ میں جیتوں گا کہ نہیں جیتوں گا۔ میں اپنے مخالف کو پچھاڑ دوں گا کہ نہیں پچھاڑ دوں گا۔ اچھا اس کے بعد جب مقابلہ ہوا تو اس نے پچھاڑ دیا۔ واہ واہ ہو گئی۔ شور مچ گیا۔ بڑا بہادر، بڑا بہادر، بڑا بہادر۔ بڑی شجاعت والا، بڑی شجاعت والا۔ میں یہ پوچھتا ہوں کہ شجاعت ابھی آئی ہے یا پہلے سے موجود تھی۔ آپ جواب دیں گے موجود تو پہلے سے تھی، مگر ظاہر اب ہو رہی ہے۔ پہلے اس کو بھی معلوم نہیں تھا کہ میرے اندر کیا ہے؟ پہلوان پہلے نہیں کہہ سکتا کہ میں بہت بہادر ہوں مگر جب اس نے اپنے مدمقابل کو چیت کر دیا تو اب وہ بھی سمجھ گیا کہ میں بہادر ہوں۔ لوگ بھی سمجھ گئے۔ دیکھا آپ نے شجاعت کا ثبوت اور ہے اور شجاعت کا ظہور اور۔ ایسے ہی میرے اندر قوت برداشت ہے کہ نہیں، کسی کو پتہ نہیں۔ قوتِ برداشت مولانا حنیف صاحب میں ہے، پتہ نہیں۔ ان کو بھی پتہ نہیں کہ ہم کتنی بات برداشت کر سکیں گے جس کو "حلم" کہتے ہیں، یعنی قوتِ برداشت۔ یہ حلیم ہیں؟

یہ صابر ہیں؟ یہ پتہ نہیں۔ ایک صاحب نے کھڑے ہوکر مولانا حنیف صاحب کو گالیاں دینی شروع کردیں۔ پھر اس کے بعد یہ خاموش دیکھ رہے ہیں اور وہ چلا گیا یہ خاموش ہیں۔ انہوں نے کچھ نہیں کہا تو مجمع کہتا ہے مولانا بہت ہی صابر ہیں۔ مولانا بہت ہی حلیم ہیں۔ بڑی قوتِ برداشت رکھتے، تو کیا یہ قوتِ برداشت ابھی ملی ہے۔ نہیں قوت پہلے تھی، ظاہر اب ہوئی ہے۔ یہ چیز پہلے ان کے سرشت میں تھی۔ ثابت ہونا اور ہے اور ظاہر ہونا اور ہے۔ تو سنو میرے رسول کو سارے منصب پہلے ہی دے دیئے گئے۔ وہ شفیع المذنبین بھی ہیں، امام الانبیاء بھی۔ صاحبِ اسریٰ بھی ہیں۔ خاتم النبیین بھی ہیں، مگر شفاعت کا ظہور قیامت کے میدان میں ہوگا۔ امامت کا ظہور بیت المقدس میں ہوا اور نبوت کا ظہور سرزمین مکہ میں ہوا۔ ظہور تو مختلف وقت میں ہوا، مگر ثبوت تو پہلے ہی ہوگیا تھا۔

سرکارِ عربی کی حیاتِ طیبہ

رہ گئی رسولِ کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ تو اس وقت یاد آگئے محقق علی الاطلاق شیخ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ اگر تم رسول کی حیاتِ طیبہ کے متعلق ان سے سوال کرو تو وہ کہیں گے سنو جی! رسول کی حیات کا مسئلہ تو ایسا مسئلہ ہے جس میں کبھی علمائے امت کو اختلاف رہا ہی نہیں ہے کہ رسول حقیقتِ حیات بے شائبہ مجاز توہم تاویل زندہ اور باقی ہیں۔ اس میں کوئی شک کی بات نہیں ہے، سرکارِ عربی کے بارے میں۔ اس میں کسی کو اختلاف نہیں رہا ہے کہ ان کو اللہ نے بالکل اسی جسمانی حیات کے ساتھ باقی رکھا ہے۔ ہاں دوستو! کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْتِ۔ موت کا ذائقہ تو سبھی نفس کو چکھنا ہے۔ مگر کیا ذائقہ چکھنے کے لیے ہمیشہ مرنا بھی ضروری ہے۔ کیا ذائقہ چکھنے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ جو مرے اور مرا ہی رہ جائے۔ نہیں ذائقہ اس طرح سے بھی چکھا جا سکتا ہے کہ موت طاری ہو اور پھر اس کو حیاتِ ابدی دی جائے کہ اس کی موت ہی مر جائے۔

حاضر وناظر پر چونکنے والو

اے محبوب! ہم نے تجھے سارے عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ تجھے عالم بنا کر بھیجا ہے۔ تجھے حاضر وناظر بنا کر بھیجا ہے۔ جہاں حاضر وناظر کا لفظ سنتے ہیں، تو لوگ چونک جاتے ہیں۔

اچھا یہ بتاؤ خدا کو تو حاضر و ناظر کہتے ہو نا۔ پھر کوئی ثبوت دے سکتا ہے کہ قرآن کریم نے خدا کو حاضر و ناظر کہا ہے۔ کوئی ثبوت دے سکتا ہے کہ حدیث میں خدا تعالیٰ کو حاضر و ناظر کہا گیا ہے۔ بات تو سمجھ گئے ہوں گے۔ آپ چونک تو گئے ہوں گے۔ خدا تعالیٰ کے لیے قرآن کریم میں شہید کا لفظ تو ضرور ہے۔ حفیظ کا لفظ ضرور ہے۔ سمیع کا لفظ ضرور ہے، بصیر کا لفظ ضرور ہے۔ مگر خدا حاضر و ناظر ہے۔ یہ لفظ قرآن کریم میں تلاش کر کے بتاؤ۔ یہ لفظ تلاش کر کے بتاؤ حدیث سے۔ ہم اگر خیال کریں تو قرآن و حدیث سے دلیل مانگو اور اتنا بڑا عقیدہ رکھتے وقت بھی نہ قرآن دیکھا نہ حدیث دیکھی اور جس لفظ کو خدا تعالیٰ نے استعمال نہیں کیا، تم نے کس بنیاد پر استعمال کیا۔ جس لفظ کو خدا تعالیٰ کے رسول نے خدا کے لیے استعمال نہیں کیا تو تم اس رسول کا کلمہ پڑھ کر کس بنیاد پر اس لفظ کو خدا تعالیٰ کے لیے استعمال کر رہے ہو؟ میں بہت ہی پیچیدگی کی طرف آپ کو لیتا گیا۔ دیکھو مسئلہ علماء کے سامنے آیا تھا کہ خدا تعالیٰ کو جو کوئی کہے یا حاضر یا ناظر تو وہ کیا ہے؟ کہیں وہ کافر تو نہیں ہو گیا؟ شامی کے اندر ایک فیصلہ کیا ہے کہ کفر نہیں ہے۔ ہم تاویل کریں گے اس کے قول کی۔ یا حاضر و یا ناظر، یا علیم و یا خبیر کے معنی میں ہے یَا مَنْ عَلِمَ یَا مَنْ رَاٰی لہٰذا کہنے والے کو کافر نہیں کہیں گے۔ کتنا سنگین مسئلہ ہو گیا۔ سوال کرنے والا پوچھ رہا ہے یہ کفر ہوا کہ نہیں تو اب جواب دینے والے کہہ رہے ہیں، کافر تو ہم نہیں کہیں گے، اس لیے کہ وہ حاضر و ناظر جو کہتا ہے، وہ علیم و خبیر کے معنی میں کہتا ہے۔ دیکھا آپ نے جس لفظ کو تم زور دار انداز میں خدا کے لیے استعمال کر رہے تھے، اس لفظ کے لیے کتنا ہیبت ناک سوال پیش کیا گیا۔ میں بتاؤں یہ سوال سوال کرنے والے نے کیوں کیا؟ اچھا سنو حاضر کسے کہتے ہیں۔ آپ حاضر ہو کہ نہیں؟ آپ کے لیے حاضر کا لفظ بولا گیا نہیں۔ آپ ناظر ہیں کہ نہیں؟ ہم کو دیکھ رہے ہیں کہ نہیں؟ لیجئے صاحب آپ حاضر بھی ہیں ناظر بھی ہیں۔ میں بھی آپ لوگوں کی محفل میں حاضر ہوں اور آپ لوگوں کا ناظر ہوں، ہے نا۔ دیکھئے حاضر و ناظر کا لفظ بہت بولا جاتا ہے۔ فلاں صاحب حاضر ہیں کہ نہیں۔ تو حاضر کہتے ہیں کسی مکان میں موجود کو۔ حقیقتِ لغوی میں بات کر رہا ہوں۔ لغت میں حاضر کے

معنی ہیں الموجود فی المکان۔ جو کسی مکان میں موجود ہو۔ وہ ہے حاضر۔ اور ناظر کے معنی ہیں جو اپنی ان آنکھوں سے دیکھے۔ مادی آنکھوں سے دیکھے وہ ہے ناظر۔ تو خدا تعالیٰ تو مکان و مکانیات سے پاک ہے تو وہ کیسے حاضر ہوگا؟ اور خدا ان مادی آنکھوں سے پاک ہے تو وہ کیسے ناظر ہوگا۔ سائل کا منشا یہ ہے کہ حاضر و ناظر کا جو حقیقی معنی ہے، وہ یہ ہے۔ حاضر کے معنی ہیں مکان میں موجود ہونے والا۔ اور ناظر کے معنی سر کی آنکھوں سے دیکھنے والا اور جو جسم و جسمانیات سے پاک ہو، وہ حقیقی معنوں میں نہ حاضر ہو سکتا ہے نہ ناظر ہو سکتا ہے۔ تو علماء نے کہا سنو جی۔ حقیقی معنی مراد نہیں ہے۔ حاضر و ناظر کی تاویل کی علیم و خبیر۔ یا من علم یا من رای کے معنی میں

کیا خدا حاضر و ناظر ہے؟

اب اچھی طرح سمجھ لو کہ لغت کا جو حقیقی معنی ہے، اس معنی میں اگر کوئی خدا کو حاضر و ناظر کہے گا تو وہ کافر ہو جائے گا، لہذا جو خدا تعالیٰ کو حاضر و ناظر کہتے ہیں، وہ تاویل والا معنی لے کر کہتے ہیں۔ علیم و خبیر والا معنی لے کر کے کہتے ہیں تو حقیقی معنی میں کون حاضر و ناظر ہوگا؟ خدا تعالیٰ تو نہیں ہو سکتا؟ حقیقی معنی میں وہی حاضر ہوگا نا جو مکان میں ہو سکے۔ حقیقی معنوں میں وہی ناظر ہوگا جو سر کی آنکھوں سے دیکھ سکے۔ تعجب کی بات ہے خالق کو تم حاضر و ناظر کہہ رہے ہو اور وہاں علماء فتوٰی دیتے رہے ہیں۔ جواب دے رہے ہیں۔ تاویل کر رہے ہیں۔ اسی لیے لفظ حاضر و ناظر قرآن میں خدا تعالیٰ کے لیے کہیں نہ پاؤ گے۔ لفظ حاضر و ناظر حدیث میں خدا تعالیٰ کے لیے کہیں نہ پاؤ گے۔ وہاں شہید کا لفظ ضرور ملے گا، وہاں حفیظ کا لفظ ضرور ملے گا۔ وکیل کا لفظ ملے گا۔ علیم و خبیر کا لفظ ملے گا۔ سمیع و بصیر کا لفظ ملے گا۔ اس لیے کہ حاضر و ناظر کے لفظ کے اندر ایک پیچیدگی تھی۔ اگر کوئی اس کو استعمال کرتا ہے تو ہم اس کو ناجائز قرار نہیں دیتے۔ علماء اس کی تاویل کر رہے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ لفظ بولا جائے گا تو تاویل کر کے بولا جائے گا اور اگر بلا تاویل بولنا ہو حقیقی معنی میں بولنا ہو تو اس معنی میں رسول حاضر و ناظر ہوں گے۔ جو مکان میں بھی رہیں۔ سر کی آنکھ سے بھی دیکھ سکیں تو اس لفظ سے زیادہ چونکنا نہیں ہونا چاہیے۔

ایک اور بات میں بتاؤں ویسے تو سرکار اپنے مزار مبارک سے آئیں اور ہماری محفلوں کو رونق بخشیں، یہ سرکار کے لیے کوئی بعید نہیں، مگر حاضر و ناظر ہونے کے لیے یہ ضروری چیز بھی نہیں کہ حضور تشریف لائیں ہی۔ یہ سمجھ لینا رسول کو علم ہونا چاہیے چاہے یہاں آکے ہو، چاہے وہاں رہ کے ہو۔ رسول کو دیکھنا چاہیے چاہے یہاں آکے دیکھیں، چاہے وہاں رہ کے دیکھیں۔ سمجھنا چاہیے چاہے یہاں آکے سمجھیں، چاہے وہیں سمجھ لیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بہت کچھ دے رکھا ہے۔ کوئی ضروری نہیں کہ سرکار یہاں آئیں گے تبھی سمجھیں گے۔ وہ تو گنبد خضرا ہی سے دیکھ رہے ہیں۔ تو اب زیادہ مناسب ہے کہ یوں کہو کہ ہم سب رسول کی بارگاہ میں حاضر ہیں۔ اور رسول ہم سب کے ناظر ہیں۔

رحمت و رحیم میں فرق

تو اے رسول! ہم نے ساری کائنات کے لیے تجھے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ مہربانی بنا کے بھیجا ہے، دوست کے لیے بھی دشمن کے لیے بھی۔ ایک بڑی پیاری بات ہے کہ جس رسول کو رحمت بنا کر بھیجا ہے، اس کو رحیم بھی کہا گیا ہے وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔ مومنین کے لیے رؤف و رحیم اور عالم کے لیے رحمت ہیں۔ رحمت عجیب چیز ہے۔ اگر حضور کے لیے تنہا رحیم کا لفظ استعمال کیا جاتا تو مفہوم کچھ اور تھا، مگر سرکار صرف رحیم ہی نہیں رحمت بھی ہیں اور رحمت ہیں تو سارے عالم کے لیے رحمت ہیں۔ یہ رحیم و رحمت کا فرق سمجھا آپ نے۔ یہ رحیم کیا چیز ہے؟ یہ رحمت کیا چیز ہے۔ بات بہت علمی ہے، مگر میں ہلکے انداز میں عرض کروں گا۔ رحیم کہتے ہیں رحمت والے کو۔ جس کے قریب رحمت ہو جائے وہ رحیم ہے۔ تو کیا رحیم سے رحمت دور ہو سکتی ہے۔ ارے بھئی کیوں نہیں ہو سکتی۔ کبھی ایسا ہو سکتا ہے نا کوئی بہت رحیم ہو، مگر کبھی غصہ آ ہی جائے۔ رحیم سے رحمت دور ہو سکتی ہے؟ رنگین کسے کہتے ہیں رنگ والا۔ ایک کپڑا ہے اسے رنگ دے دو تو کپڑا ہو جائے گا؟ رنگین۔ اور ظاہر ہے کہ رنگین سے رنگ جدا کیا جدا ہو سکتا ہے؟

الغرض خوشبو والے سے خوشبو چھینی جا سکتی ہے۔ چاند سے چاندنی ہٹائی جا سکتی ہے۔ سورج سے روشنی دور ہو سکتی ہے۔ رنگین سے رنگ اڑایا جا سکتا ہے۔ مہکنے والے سے مہک جُدا کی جا سکتی ہے۔ رحیم سے رحمت الگ ہو سکتی ہے۔ مہربان سے مہربانی دور ہو سکتی ہے، مگر رنگ سے رنگ دُور نہیں ہو سکتا۔ رحمت سے رحمت الگ نہیں ہو سکتی۔ شیریں سے شیرینی الگ ہو سکتی ہے مگر ذرا مٹھاس سے مٹھاس کو دور کر دو؟ رنگ سے رنگ کو دور کر دو، رحمت سے رحمت کو دور کر دو تو ایسا نہیں ہو سکتا۔ تو دکھانا یہ تھا کہ رسول کو اگر صرف رحیم کہا جاتا تو شبہ ہوتا کہ کبھی کبھی یہ غصے میں بھی آجائیں گے۔ کبھی کبھی یہ جدل بھی کریں گے۔ کبھی کبھی یہ زیادتی بھی کریں گے معاذ اللہ کبھی کبھی یہ ہمارے اوپر غضب ناک بھی ہو سکیں گے۔ تو ایسا نہیں کہا گیا، بلکہ یہ کہا گیا کہ یہ رحمت ہیں اور جب رحمت ہیں تو رحمت سے رحمت کبھی جدا ہی نہیں ہو گی۔ سلب الشیئ عن نفسہٖ کہاں جائز ہے، کوئی چیز اپنی ذات سے الگ نہیں ہو سکتا۔ پانی سے ٹھنڈک دُور ہو سکتی ہے۔ ٹھنڈک سے ٹھنڈک دور ہو جائے ایسا نہیں ہو سکتا۔ گرم سے گرمی نکالی جا سکتی ہے، مگر گرمی سے گرمی کیسے نکالی جائے گی۔ تو رحیم سے رحمت کو لیا جا سکتا ہے، رحمت سے رحمت نہیں نکل سکتی۔ تو رسول تم رحمت ہو اور ایسی رحمت ہو کہ کبھی تمہارے دامن سے مہربانی الگ نہیں ہو سکتی۔ ہر وقت تم رحمت ہو اور ہر آن میں تم رحمت ہو اور ایسی رحمت ہو، اپنے لیے بھی رحمت ہو، پرائے کے لیے بھی رحمت ہو۔ دشمن کے لیے بھی رحمت ہو۔ دوست کے لیے بھی رحمت ہو۔ سارے عالم کے لیے رحمت ہو۔ اس میں دوست اور دشمن میں کوئی تفریق نہیں ہے۔ یاد رکھیو، انبیائے کرام علیہم السلام کی زندگانی کا مطالعہ کرو۔ ان کی حیثیت سمجھو۔ وہ روحانی و جسمانی معالج و طبیب ہیں، اور جو جسمانی و روحانی طبیب ہوا کرتا ہے، وہ مریض کا دشمن نہیں ہوتا۔ وہ بھی کوئی حکیم ہے جو مریض کا دشمن ہو؟ حکیم وہی ہے جو مریض کا دشمن نہ ہو بلکہ مرض کا دشمن ہو اور اگر کوئی حکیم صاحب مریض کے دشمن ہو جائیں تو آبادیاں اجڑ جائیں گی، اور قبرستان آباد ہو جائے گا۔

ایک حکیم صاحب کا منہ چھپانا

حضرت شیخ سعدی علیہ الرحمہ نے ایک حکیم صاحب کا ذکر کیا ہے۔ وہ جب قبرستان میں جاتے تھے تو اپنا چہرہ چھپا لیا کرتے تھے اور چادر ڈھانک لیا کرتے تھے۔ ان سے لوگوں نے پوچھا، حکیم صاحب آپ جب قبرستان جاتے ہیں تو چہرہ چھپا لیتے ہیں، یہ کیا معاملہ ہے؟ کہا مجھے اس قبرستان کے مُردوں سے شرم آتی ہے، اس لیے کہ یہ سب میری ہی دوا سے یہاں تشریف لائے ہیں۔ میں سوچتا ہوں کہ چہرہ چھپا لوں۔ کہیں یہ نہ سمجھیں کہ حکیم صاحب نے وہاں بھی نہیں چھوڑا اور یہاں بھی آ گئے ہیں۔ اب یہ کونسی دنیا ہم سے آباد کروائیں گے؟

الغرض حکیم کو مریض سے دشمنی نہیں ہوتی۔ مرض سے دشمنی ہوتی ہے۔

اچھی طرح سے سمجھ لو انبیائے کرام کافر کے دشمن نہیں تھے۔ کفر کے دشمن تھے، مشرک کی ذات کے دشمن نہیں تھے، شرک کے دشمن تھے۔ منافق کی ہستی کے دشمن نہیں تھے، نفاق کے دشمن تھے۔ وہ معالج تھے۔ وہ روحانی طبیب تھے۔ وہ مرض کے دشمن تھے مریض کے نہیں اسی لیے ان کی نگاہِ کیمیا اثر میں یہ اثر تھا کہ چہرے پر نظر ڈالتے تھے اور دل کی دھڑکنوں کو شمار کر لیا کرتے تھے۔ وہ بھی کوئی حکیم ہے جو نبض پر ہاتھ رکھے اور دل کی دھڑکنوں کو شمار نہ کر سکے۔ چہرے کو دیکھے اور مرض کو نہ سمجھ سکے۔ آج کل تو یہی حال ہے، نبض پر ہاتھ رکھتے ہیں اور بہت ہی توجہ کے ساتھ سر جھکا کر کچھ دیر تک سوچتے ہیں۔ پھر پوچھتے ہیں اچھا بتاؤ تمہیں کیا تکلیف ہے؟ جناب جب مجھ سے ہی پوچھنا تھا تو اتنی زحمت آپ نے کیوں کی؟ تو ایسا حکیم آبادیوں کو اجاڑتا ہے اور قبرستان کو آباد کرتا ہے۔ حکیم وہ ہے جو علیم بھی ہو۔ حکیم وہ ہے جو مرض کو سمجھتا ہو اور دشمن ہو تو مرض کا دشمن ہو، مریض کا دشمن نہ ہو۔

رحمۃ للعالمین روحانی حکیم ہیں

میں ایک روحانی حکیم کی بات سنا رہا ہوں میں رحمۃ للعالمین کا ذکر کر رہا ہوں۔ کیا تم اس واقعے کو فراموش کر دو گے۔ جب میرے رسول کے گلے میں پھندا ڈال کر دشمنوں نے کھینچا تھا، تو

قریب تھا کہ آنکھیں اُبل آئیں۔ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے یہ منظر دیکھا تو فوراً رسول کی بارگاہ میں حاضر ہو گئیں اور بڑے ہی پُرجلال انداز میں وہ کہنا ہی چاہتی تھیں تَبّاً لَکُمْ۔ ہلاکت ہو تمہارے لیے۔ مگر ابھی تبا کا لفظ ہی استعمال کیا تھا کہ میرے رسول نے کرب و اضطراب کے عالم میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے منہ پر اپنے دست شفقت کو رکھ دیا۔ اے بیٹی! ہلاکت کے لیے دُعا مت کرو، ہدایت کی دعا کرو۔

اے بیٹی! یہ مریض ہیں، ان میں جو چڑچڑا پن ہے، ان کے دل کے مرض کا چڑچڑا پن ہے۔ ان کی جو شدت ہے، ان کے مرض کا تقاضا ہے۔ ان کے مرض کو دور کرنے کی دعا کرو۔ ان کے لیے ہلاکت کی دُعا نہ کرو۔ میں حکیم ہوں، مجھے مرض سے دشمنی ہے، مریض سے دشمنی نہیں ہے۔ حکیم کو تو مرض سے دشمنی ہوا کرتی ہے، مریض سے دشمنی نہیں ہوا کرتی۔ واقعی دوستو! میرے رسول ساری کائنات کے لیے روحانی حکیم ہیں اور معالجِ جسمانی بھی ہیں اور صحابہ کرام نے اپنے طرزِ عمل سے ثابت کر دیا اور بتا دیا۔

میں اس سلسلے میں ایک بات اور عرض کر دوں گا۔ مریض کا مزاج عجیب ہوتا ہے۔

۔ مریض اعتراض ضرور کرتا ہے، مگر بعد میں ممنونِ احسان ہوتا ہے۔

ایک مریض جس کو ناسور ہو گیا ہے حکیم جب جاتا ہے تو باتیں بڑی میٹھی کرتا ہے۔ اس کے بعد اس نے پھر کیا کیا؟ نکالا نشتر۔ ناسور ہو گیا ہے نا۔ مریض بہت تڑپ رہا ہے اس ناسور کی وجہ سے۔ نشتر کو دیکھتے ہی وہ مریض حکیم کو گالیاں دینے لگتا ہے۔ مگر حکیم خوش ہے۔ مریض سے اگر ہو سکے تو حکیم کے گریبان کو نوچنے کی کوشش کرتا ہے۔ ممکن ہو سکے تو دو چار چانٹے بھی لگا دینے کی کوشش کرتا ہے۔ ذرا یہ دیکھو کچھ لوگ مریض کو پکڑے ہوتے ہیں۔ یہ پکڑنے والے کون ہیں؟ اس کا شفیق باپ ہے۔ اس کے مہربان بھائی ہیں۔ ہر طرف سے جکڑے ہوتے ہیں۔ ارے کیا ساری دنیا اس کی مخالف ہو گئی ہے؟ کوئی اس کی چیخ و پکار کو نہیں سن رہا ہے اور وہ گالیاں دے رہا ہے، مگر حکیم جو ہے وہ مسکرا مسکرا کر نشتر لگا رہا ہے۔ اس کے فاسد مادوں کو نکال رہا ہے۔ اب اس کے بعد ہم نے اگر حکیم صاحب

سے کہا۔ اتنی گالیاں تو آپ نے کبھی نہ سنی ہوں گی۔ ایک گالی کا بھی آپ نے جواب نہیں دیا۔ آپ گالیوں کے جواب میں مسکرا رہے تھے۔ وہ آپ کو بُرا بھلا کہہ رہا تھا اور آپ اس کو تسکین دے رہے تھے۔ کہا سنو جی وہ جو بول رہا تھا، مریض نہیں بول رہا تھا، وہ تو مرض بول رہا تھا۔ آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا۔ یہ تو ابتدائی منزل تھی۔ مرض کا مزاج یہی ہوتا ہے۔ چڑچڑا پن ہوتا ہے، شدت آتی ہے اور حکیم اپنا کام کیسے جاتا ہے۔ اس کے بعد پھر کیا ہوا؟ حکیم صاحب اپنے مطب میں پہنچ گئے اور دو روز کے بعد جب اسے اطمینان وسکون کی نیند آئی، تو وہی مریض جس نے حکیم کو گالیاں دی تھیں دوڑا ہوا آیا حکیم صاحب کے پاس۔ اے حکیم صاحب آپ نے بڑی مہربانی کی۔ رات کو نیند نہیں آتی تھی۔ میں بہت پریشان تھا، مگر آپ نے بہت اچھا کر دیا۔ اب دیکھئے میں اپنے پیروں پر چل کے آیا ہوں۔

اب ذرا غور کرو، وہ بولی مرض کی تھی اور یہ بولی مریض کی ہے۔ یہ صحت مند مریض کی بولی ہے۔ مرض ایسے ہی بولا کرتا ہے۔ اس پر جب نشتر چلاؤ گے تو مریض چیخ پڑے گا۔ کیوں؟ اس لیے کہ مرض بول رہا ہے۔ جب مرض اچھا ہو جائے گا تو آ کے شکریہ ادا کرے گا۔ بہت اچھا کیا ہے جو آپ نے کیا ہے۔ ہمارے ناسور کو ختم کیا ہے۔ تو سنو جی حکیم جو شدت کرتا ہے، یہ بھی رحمت کا تقاضا ہے۔ فاسد مادوں کو نکالنے کے حکیم جو شدت کرتا ہے تو اسے شدت مت کہو، اسے زیادتی مت کہو، اسے ظلم مت کہو۔ اگر حکیم ایسا نہیں کرے گا تو یہ مریض اچھا کیسے ہوگا؟ تو یہ علمائے ملتِ اسلامیہ جو ہیں کیا ہیں؟ اسی حکیم کے نائب ہیں، وارث ہیں ان کو بھی طریقۂ علاج بتایا گیا ہے۔ بہت سے ایسے مریض ہیں جن کے اندر عقیدے کی بُرائیاں ہیں۔ نظریات کی خامیاں ہیں۔ خیالات کی بُرائیاں ہیں۔ تو یہ حکیم جب ان خیالات کو نکالنے کے لیے ان خیالات کے ناسور پر نشتر چلاتے ہیں تو کہتے ہیں کہ مولانا عبدالوہاب صاحب تو ممبر پر گالی دیتے ہیں۔ مولانا محمد حنیف صاحب تو ممبر پر گالی دیتے ہیں۔ مولانا احمد سعید صاحب تو ممبر پر گالی دیتے ہیں۔ یہ مرض بول رہا ہے۔ یہ مرض اچھا ہو جائے گا تو کہیں گے بہت اچھا

آپ نے سمجھایا تھا، ہم تو رسول کے دشمنوں میں جا رہے تھے، آپ نے بچا لیا۔

کیا ہم گالیاں دیتے ہیں؟

جب تک ناسور رہے گا، جب تک کہ مادے رہیں گے، بولی یہی رہے گی۔ تو دیکھو مولانا بھی خفا نہیں ہوتے، چاہے جو کچھ کہہ لو۔ مجھ سے پوچھا گیا تھا ایک مقام پر مولانا کا نام لے کر کہ مولانا عبدالوہاب کے بارے میں سنا گیا ہے کہ گالیاں دیتے ہیں اور وہ بھی ممبر پر گالیاں دیتے ہیں۔ تو میں نے کہا کہ میں نے بھی تمہارے بارے میں کچھ سنا ہے۔ کہا کیا سنا ہے؟ کہ تم نماز میں گالی دیتے ہو۔ وہ تو ممبر پر گالی دیتے ہیں، تم تو نماز میں گالی دیتے ہو۔ کہاں گالی دیتا ہوں؟ میں نے کہا تم نماز میں نہیں پڑھتے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ بولو شیطان کو گالی دی کہ نہیں دی؟ شیطان کو رجیم کہا کہ نہیں کہا؟ شیطان کو مردود بتایا کہ نہیں بتایا؟ تو تم تو نماز میں گالی دیتے ہو۔ ہم تو صرف ممبر ہی پر گالی دیتے ہیں۔ کہا کہ نہیں صاحب شیطان تو رجیم ہے ہی، لہٰذا اسے رجیم کہنا گالی نہیں ہے۔ تو ہم نے بھی کہہ دیا کہ مولانا عبدالوہاب صاحب جن گمراہوں کو جو کہتے ہیں، وہ واقعی وہی ہیں، لہٰذا یہ گالی نہیں ہے۔

دو طرح کے مریض

تو اچھی طرح سمجھ لو حکیم جو برتتا ہے، وہ مرض کے ساتھ برتتا ہے۔ مریض کے ساتھ نہیں برتا کرتا، مگر اتنا ضرور ہے کہ مریض بھی دو قسم کے ہوتے ہیں۔ ایک فرماں بردار مریض ہوتا ہے اور ایک نافرمان مریض ہوتا ہے جو بڑا چڑچڑا ہوتا ہے۔ فرماں بردار مریض حکیم کی ہر ہدایت بخوشی قبول کر لیتا ہے۔ دواؤں کی تلخی اور کڑواہٹ کی شدت کو برداشت کر لیتا ہے۔ اس کے برخلاف نافرمان مریض بڑا ہی ضدی ہوتا ہے۔ اس کے مزاج میں بڑی گستاخی رہتی ہے۔ جو حکیم کے چہرے کو دیکھتا اور گالی شروع کر دیتا ہے۔ ابھی تو اس نے کچھ کیا بھی نہیں۔ ابھی تو کچھ بولے بھی نہیں، اس نے گالی شروع کر دی۔ اتنا ضدی ہے بستو جی! رحمت تو ان کی سب کے ساتھ ہے، مگر محبت سب کے ساتھ نہیں ہو سکتی۔ محبت تو فرمانبرداروں کے ساتھ ہو گی۔ محبت تو اطاعت شعاروں کے ساتھ ہو گی۔ محبت تو

ماننے والوں کے ساتھ ہوگی۔ محبّت تو اشارۂ ابرو پر چلنے والوں کے ساتھ ہوگی۔ ہاں یہ اور بات ہے، رحمت سب کے ساتھ ہے۔

رحمت و محبت کا فرق

رحمت و محبت کا فرق میں بتاؤں۔ دیکھو تین منزلوں سے آدمی گذرتا ہے۔ ماں اور بچے کی مثال سے سمجھاؤں۔ ایک ہے تربیت اور ایک ہے رحمت، اور ایک ہے محبت۔ ماں نے بچّے کو دودھ پلا دیا۔ تربیت کا حق ادا ہو گیا، مگر ماں بچّے کو صرف دودھ پلا کے بات ختم نہیں کرتی۔ سینے سے لگا کے سلاتی بھی ہے۔ یہ رحمت ہے۔ دودھ پلانا تربیت اور گود میں رکھ کر سلا دینا یہ رحمت ہے اور اس کے بعد جب بچّہ سو گیا، تو اس نے لے جا کر جھولے پر ڈال دیا اور جھولے میں ڈال کر ماں کام میں چلی گئی، مگر مڑ مڑ کے دیکھ رہی ہے۔ کہیں بچّہ جاگ تو نہیں گیا، کہیں ایڑیاں تو نہیں رگڑ رہا ہے۔ تو دیکھو دودھ پلانا تربیت ہے۔ گود میں لے کے سلا دینا رحمت ہے اور غافل نہ رہنا یہ محبت ہے، تو محبت اور چیز ہے۔

رسول کی رحمت کفارِ مکّہ سے پوچھو

میرے رسول کی رحمت تو عام ہے، تمہاری سمجھ میں نہ آئے۔ اگر رسول کی رحمت پوچھنا چاہتے ہو تو جاؤ کفارِ مکّہ سے پوچھو اور اس منظر کو یاد کرو کہ میرا رسول مکّے کی سرزمین پر فاتحانہ شان سے آیا تھا۔ یہ اس قوم میں آیا جس قوم نے رسول کو اپنے وطن میں رہنے نہ دیا۔ یہ وہ قوم تھی جس نے رسول کی راہ میں کانٹے بچھائے تھے۔ یہ وہ قوم تھی جس نے رسول کے چاہنے والوں کے سینے پر پتھر رکھا۔ یہ وہ قوم تھی جس نے رسول کو مدینے میں بھی چین سے رہنے نہ دیا تھا۔ یہ وہ قوم تھی جس نے رسول کے چاہنے والوں کو آگ کے حوالے کیا تھا۔ آج یہ قوم محکوم اور مفتوح کی حیثیت سے سامنے ہے اور سیدنا خالد ابن ولید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جوشِ شجاعت شباب پر ہے۔ جوشِ غضب ابال کھا رہا ہے الیوم یوم الملحمۃ الیوم یوم الملحمۃ۔ آج خون بہانے کا دن ہے۔ آج انتقام لینے کا دن ہے۔ حضرت خالد یہ کہہ رہے ہیں، مگر میرا رسول یہ کہہ

رہا ہے الیوم یوم المرحمہ۔ الیوم یوم المرحمہ۔ آج رحمتوں کا دن ہے، آج احسان کرنے کا دن ہے۔ آج معاف کرنے کا دن ہے۔ آج مہربانی کا دن ہے اور رسول واقعی آپ سارے عالم کے لیے رحمت ہیں۔

اور سنو جی! میرے رسول کہتے ہیں سنو جو ابوسفیان کے گھر میں چلا جائے اس کو امان، جو ابوسفیان کے گھر میں چلا جائے اس کو امان۔ یہ حضرت سفیان کون ہیں؟ یہ وہی ہیں جنہوں نے ہر غزوہ میں شریک ہوکر اسلام کا مقابلہ کیا۔ یہ حضرت ابوسفیان (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) وہی ہیں جو ایمان لانے سے پہلے رسول کی دشمنی کا پورا حق ادا کرتے رہے۔ یہ ابوسفیان وہی ہیں جن کے گھر میں اسلام کے بڑھتے ہوئے وقار کو مٹانے کے منصوبے بنتے تھے۔ یہ حضرت ابوسفیان وہی ہیں جن کے گھر میں نہ جانے کتنے فتنوں کے پروگرام بنتے تھے۔ یہ حضرت ابوسفیان وہی ہیں جن کا گھر دارِ فتنہ بنا ہوا تھا۔ مگر میرا رسول کہہ رہا ہے جو ابوسفیان کے گھر میں چلا جائے اسے امان ہے۔ یعنی دیکھو دنیا کے سلطانوں کا یہ طریقہ ہوتا ہے کہ جب وہ کہیں جاتے ہیں تو دارِ امن کو دارِ فتنہ بنا دیتے ہیں اور یہ نبی کی رحمت ہے کہ دارِ فتنہ کو دارالاماں بنا رہی ہے ؎

کرم سب پر ہے کوئی ہو کہیں ہو
تم ایسے رحمۃ للعالمیں ہو

میدانِ طائف سے پوچھو

رسول کی رحمت کو اگر دیکھنا ہے تو چلو میدانِ طائف میں دیکھو۔ یہ قوم جس نے رسول کو تقریر نہ کرنے دیا۔ جس نے آپ کے اوپر پتھر برسائے۔ ذرا غور کرو، ذرا سا سوچو، کتنا ظلم کیا اور پھر ایک وقت آیا کہ ملک جبال، پہاڑوں کا فرشتہ حاضر ہے۔ اے اللہ کے رسول آپ کی قوم نے کیا کیا؟ رب سب دیکھ رہا ہے۔ اسی سمیع و بصیر نے ہمیں بھیجا ہے کہ آپ حکم دیں کہ اس قوم کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ حکم دیجئے آپ جو چاہیں۔ ان دونوں پہاڑوں کو اگر چاہیں تو میں ملا دوں؟ یہ قوم ہمیشہ کے لیے نیست و نابود ہو جائے۔

ذرا غور تو کرو۔ ایسے وقت میں انتقامی جذبہ کتنا جوش و شباب پر ہوا کرتا ہے۔ مگر میرے رسول نے کہا سنو میں یہ نہیں چاہتا کہ یہ ہلاک ہو جائیں۔ ان پر قوم نوح کا عذاب آ جائے۔ ان پر عذاب قوم لوط آ جائے۔ ان پر عذاب قوم مدین آ جائے۔ میں نہیں چاہتا اے دینے والے اگر تو انہیں کچھ دینا چاہتا ہے عذاب نہ دے، نجات دے دے۔ ہدایت دے دے۔ اے دینے والے اگر تو انہیں کچھ دینا چاہتا ہے، تو راہِ مستقیم پر لگا دے۔ کیا پیارے الفاظ ہیں میرے رسول کریم کے:

بل ارجوا ان یخرج اللہ من اصلا بھم من یعبد اللہ وحدہ لا یشرک بہ شیئا۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ ان کو مٹا دیا جائے۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ ان کو نیست و نابود کر دیا جائے۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ دھرتی سے ان کے نام و نشان کو مٹا دیا جائے۔ میں تو یہ چاہتا ہوں کہ اولاً تو انہیں ایمان والا بنا دیا جائے۔ اور اگر ان کے مقدر میں ایمان نہیں ہے تو کم سے کم ان کی پیٹھ میں سے ایک ایسی قوم نکلے جو ایک خدا کی پجاری ہو، جو اللہ تعالیٰ کے کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے۔ سنو جی علماء کرام کہتے ہیں کہ رسول کی بصیرت دیکھ رہی تھی کہ یہ ایمان والے ہیں اور ان کی پشت میں ایمان لانے والے بھی ہیں جو ابھی پیدا نہیں ہوئے، ابھی پشت ہی میں ہیں اور ابھی سے پکار رہے ہیں۔

تو نیکوں نے بروں کو بچا لیا۔ اور جو برے تھے، مگر ان کے مقدر میں نیکی تھی۔ انہوں نے نیکی کو اختیار کر لیا ؎

وہ ہر عالم کی رحمت ہیں کسی عالم میں رہ جاتے
یہ ان کی مہربانی ہے کہ یہ عالم پسند آیا!
کرم سب پہ ہے کوئی ہو کہیں ہو
تم ایسے "رحمۃ للعالمین" ہو

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ۔ اے محبوب! ہم نے تجھے سارے عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ اس میں دوست و دشمن کی تفریق نہیں۔ ہاں اتنا فرق ضرور

ہے۔ انبیاء کرام آئے ایک قوم کے لیے رحمت، ایک زمانے کے لیے رحمت، ایک ماحول کے لیے رحمت بن کر۔ مگر میرا رسول آیا تو سارے عالم کے لیے بن کر رحمت۔ اوّلین و آخرین کے لیے رحمت۔ انبیاء و مرسلین کے لیے رحمت۔ تمام کائنات کے لیے رحمت۔ مگر رحمت اور ہے، محبت اور ہے۔ محبت و رأفت کی جب بات آئے گی تو بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ۔ یہ تو مومنین کا مقدر بن چکی ہے۔ اگر رسول کی محبت ہوگی تو ایمان والوں سے ہوگی۔ رحمت تو سبھی کے ساتھ ہے، مگر محبت صرف ایمان والوں کے ساتھ ہے اور واقعی ایمان والا تو رسول کی محبت ہی کا بھوکا ہے۔ رسول کی محبت اگر ہوگی تو ایمان والوں کو ہوگی، انہیں جنت چاہے ملے یا نہ ملے۔ صرف یہی بات نہیں ہے کہ میں صرف جوشِ محبت میں یہ بات کہہ رہا ہوں، بلکہ ہمیں تو یاد پڑ گیا کہ ایک صحابیٔ رسول جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تبلیغ کے لیے مدینے بھیجا تھا اور وہاں سے بہتر نفوسِ قدسیہ بارگاہِ رسالت میں آتے تھے اور ایمان لے آتے رسول پر اور پوچھا اس کا کیا اجر ملے گا؟ کیا صلہ ملے گا۔ جب حضور نے جنت کی بات کی تو انہوں نے کہا کہ سرکار آپ کہاں ہوں گے؟ جنت کے ذکر سے انہیں اطمینان نہ ہوا۔ جنت کے ذکر سے انہیں سکون نہ ہوا، لیکن جب ان مدینے والوں نے یہ سنا کہ سرکار تو انہیں کے ساتھ ہوں گے تو بس ان کو اطمینان حاصل ہوگیا۔ ان کو سکون مل گیا۔ تو دیکھو جو ایمان والے ہیں، وہ رسول کی محبت کے بھوکے ہیں۔ اور اگر ان کو یہ یقین ہو جاتے کہ جنت میں سب کچھ ہوگا، مگر رسول نہ ہوں گے، تو ایسی جنت کو یہ چھوڑ دیں گے۔

میدانِ قیامت میں رحمت

اگر اب رسول کی محبت بھی سب کے لیے عام کر دی جائے تو ایمان والوں کے لیے طرۂ امتیاز کیا رہے گا؟ ایمان والوں کی خصوصیت کیا رہے گی؟ ایمان والے جو رسول کے چاہنے والے ہیں، وہ بہر حال ممتاز رہیں گے۔ یہاں پر چلتے چلتے ایک شبہ لاکر ڈال دیا۔ شبہ یہ ہے کہ ہر نبی اپنے امتی کے لیے رحمت اور جب ایسا ہے، تو پھر کیا بات ہے کہ جب میدانِ قیامت میں تو یں انبیا کرام

کے حضور میں جائیں گی اور عرض کریں گی کہ حضور ہمارے لیے آپ سفارش کر دیں۔ تو یہ کہیں گے اِذْهَبُوْا اِلٰی غَیْرِیْ میرے غیر کے پاس جاؤ۔ یہ رحمت کے خلاف بات ہوئی کہ نہیں۔ ارے کم از کم دعا تو کر دینا چاہیئے تھی۔ یہ دوسرے کے پاس کیوں بھیج رہے ہیں؟ واقعی غور کرو۔ انبیا کا یہ فرمانا کہ میرے غیر کے پاس جاؤ، یہ بھی رحمت ہے، اس لیے کہ وہ جان رہے ہیں کہ یہ شفاعتِ کبریٰ ہے اس کا دروازہ محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے سوا کوئی نہیں کھولے گا جبھی کہتے ہیں کہ یہاں کیوں آئے ہو؟ وہاں جاؤ جہاں جانا چاہیئے' تو رسول کے پاس بھیجنا یہ بھی رحمت کا تقاضا تھا' یہاں ٹائم پاس کرانے سے کیا فائدہ تھا؟ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ۔ سارے عالم کے لیے رحمت۔ دوستو موضوع تو بہت ہی وسیع ہے' مگر چلتے چلتے ایک آخری بات اور کہہ کر کلام کو مختصر کر دوں۔

قصور کس کا ہے ؟

طوفانِ نوح لانے سے اے آنکھ فائدہ!
دو اشک ہی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں

اگر اثر کریں تو دو آنسو بھی کافی ہیں اور نہ اثر کریں تو دن بھر کا رونا بے کار ہے۔ دیکھو سوال یہ ہے جب رسول سب کے لیے رحمت ہیں تو اس رحمت سے سب کو فائدہ ہوا کہ نہیں؟ اس سلسلے میں بس وہی مشہور حدیث سنا دوں؟ جسے علما سے آپ نے سنا ہوگا۔ دیکھو بارش سب کے لیے رحمت۔ بارش ہوتی تو ہر جگہ۔ بڑے رئیسوں کے ایوانوں پر بھی، غریبوں کی جھونپڑیوں پر بھی، چٹیل میدانوں پر بھی اور سبزہ زاروں پر بھی۔ برسنے کا ایک ہی انداز، مگر کیا سب کو یکساں فائدہ ملتا ہے؟ اور اگر سب فائدہ حاصل نہ کر سکیں تو کیا قصور فائدہ دینے والے کا ہے؟ یہ کیا بات کہ اسی آگ میں لوہا گیا تو سرخ ہو کر نکلا اور پتھر گیا تو سیاہ ہو کر نکلا۔ جس آگ نے لوہے کو سرخی دی تھی' اس نے پتھر کو سیاہی کیوں دی؟ تو یہی جواب دوگے لوہا سُرخ ہونے کی صلاحیت رکھتا تھا' پتھر کے مقدر میں سیاہی تھی۔ جس رسول نے صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آسمانِ صدق و صداقت کا آفتاب بنایا' وہاں سے ابوجہل کچھ نہ لے سکا۔ جس رسول نے فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو فرقِ انسانیت کا تاجدار بنایا' اس رسول سے ابولہب کچھ نہ لے سکا۔ تو معلوم یہ ہوا کہ دینے والا تو سبھی کو دینے آیا تھا' لینے والوں میں صلاحیت ہی نہیں تھی۔ دینے والا ایک ہی انداز

سے دیا کرتا ہے۔ الغرض بارش ہر جگہ ہوتی، اب اگر کوئی فائدہ نہ اٹھائے تو بارش کا کیا قصور؟ دریا کے کنارے کوئی پیاسا مر جائے تو دریا کا کیا قصور؟ دستر خوان لگا ہوا ہے کوئی بھوکا مر جائے تو کھانے کا کیا قصور؟ ہاتھ میں دوا لیے ہو اور بے دوا کھاتے مر جائے تو اس میں دوا کا کیا قصور؟ جنابِ والا اپنے قصور پر بھی نگاہ رکھنی چاہیے۔

بارشِ نبوت کے تالاب

بارش تو ہوتی ہے ہر جگہ، مگر فائدہ کس کو ملتا ہے؟ اچھی طرح سمجھ لو کہ زمین کی تین قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک گڑھے والی زمین یہ مولانا حنیف صاحب۔ یہ مولانا عبدالوہاب صاحب۔ یہ ہمارے شیخِ طریقت پیر نورانی میاں صاحب۔ یہ مولانا نیاز صاحب۔ یہ مولانا احمد سعید صاحب۔ یہ جو علمائے کرام ہیں یہ گڑھے والی زمین ہیں اور ایک وہ زمین ہے جو گڑھے والی نہیں ہوتی۔ اس میں گڑھا نہیں، مگر نرم و نازک ہوتی ہے۔ یہ جتنے اہلِ ایمان ہیں، وہ سب ایسی ہی زمین ہیں۔ اب جو گڑھے والی زمین ہوتی ہے، جب بارش ہوتی ہے تو وہ خوب ٹھنڈی بھی ہو جاتی ہے اور پانی بھی جمع کر لیتی ہے اور پانی جمع کر کے دوسروں کی پیاس بجھاتی ہے۔ یہ گڑھے والے لوگ ہیں، یہ دوسروں کی پیاس بجھاتے ہیں۔ یہ بارش نبوت کے تالاب ہیں۔ حدیث نے علماء کو بارشِ نبوت کے تالاب فرمایا ہے۔ اسی لیے مچھلیاں ان کی زندگی کی دعائیں کرتی ہیں۔ اب اگر کچھ لوگ ان کے لیے بددعا کریں تو کچھ حرج نہیں۔ ساری مخلوق دعا کرتی ہے کہ علماء کی برکت سے بارش ہوتی ہے۔ اب جن کو بارش کی ضرورت نہیں، تو انہیں علماء کی بھی ضرورت نہیں، مگر جنہیں بارش کی ضرورت ہے، وہ علماء کی حیات کے لیے دعا کرتے ہیں۔ اگر عالم نہیں ہوں گے، تو بارش بھی نہیں ہوگی۔ رب تبارک و تعالیٰ ان کی برکت سے بارش کا نزول فرماتا ہے تو اب یہ گڑھے والے ہیں بارشِ نبوت کے تالاب۔ یہ خود بھی سیراب ہیں اور دوسروں کو بھی سیراب کر رہے ہیں۔ اور ایک وہ ہیں جو نرم و نازک ہیں۔ بارشِ نبوت سے ٹھنڈے ہو جاتے ہیں اور ان میں سبزیاں بھی اُگ آتی ہیں، لہٰذا سرسبز و شاداب رہتے ہیں، مگر یہ گڑھے والے نہیں ہیں یعنی وہ دوسروں کو سیراب نہیں کر سکتے۔ الغرض جب بارش ہوتی ہے تو یہ ہرے بھرے ہو جاتے ہیں۔ یہیں دیکھ لو ذکرِ رسول سے

تمہاری پیشانیاں چمک اٹھیں۔ تمہارا دل خوش ہوگیا، مگر یہ مت سمجھو کہ تمہاری طرح سبھی خوش ہوتے ہیں، اسی طرح ذکر سے تو تم خوش ہوتے ہو، مگر کچھ لوگ جلتے بھی ہیں۔

اسی پر مجھ کو وہ لطیفہ بار بار یاد آتا ہے۔ میں اکثر کہہ دیا کرتا ہوں کہ جب شمع جلتی ہے تو تین جلتے ہیں۔ ایک تو خود شمع جلتی ہے۔ دوسرا اس پر پروانہ جلتا ہے۔ دو جلے اور تیسرا ان کے تعلق کو دیکھ کر ایک اور بھی جلتا ہے۔ بغیر آگ کے جلتا ہے شمع اپنی لو میں جل رہی ہے۔ پروانہ شمع کی لو سے جل رہا ہے اور وہ دور ہی دور سے جل رہے ہیں۔ عجیب جلن ہے اور میں سمجھتا ہوں کہ پروانہ جلا تو اس کا کوئی نقصان نہ ہوا۔ بازو جل گئے، مگر شمع کے قدموں میں جگہ ملی۔ مگر یہ دُور دُور سے جلنے والے ان کی نہ ادھر کی جگہ نہ ادھر کی جگہ۔

نبوت کی بارش سے فائدہ

یہ زمین جو ہمارے سامنے ہے، اہل ایمان کی زمین" یہ وہ زمین ہے جس پر بارش نبوت ہوئی، تو یہ ہری بھری ہوگئی۔ اور ایک زمین اور ہے، بڑی سخت زمین ہے، بہت سخت پتھر کی طرح سخت۔ گنبد کی طرح گول۔ ہوتا یہ ہے کہ جب بارش ہوتی ہے تو پانی اس سے ٹکرا کر نیچے چلا گیا اور اسے کوئی فائدہ نہ مل سکا۔ دیکھا نہیں آپ نے کہ پہاڑ پر بارش برہی ہے پانی نیچے آرہا ہے۔ برستا اس پر ہے اور فائدہ نیچے والے کو ملتا ہے۔ اب اگر فائدہ گنبد والے کو نہ پہنچے تو برسنے والے کا کیا قصور؟ اگر تمہیں فائدہ لینا تھا تو گنبد کیوں بنے؟ فائدہ لینا تھا تو سخت پتھر کیوں بنے؟ محبت کی نرمی کیوں پیدا نہیں کی؟ عشق کا گداز کیوں نہیں پیدا کیا؟ تم گڑھے والے کیوں نہیں بن گئے؟ تم تالاب کیوں نہیں بن گئے؟ فائدہ لینا تھا تو کیوں نہیں اپنے کو اس قابل بنایا؟ برسنے والے کا قصور نہیں۔ مگر ایک بات آپ سوچو گے۔ یہ جو سخت پتھر ہیں۔ اگر ان کو رسول کی رحمت سے کچھ نہیں ملا، تو رسول رحمۃ للعالمین کیسے ہوں گے؟ یہ بھی تو عالم میں ہیں۔ تو میں کہوں گا سنو جی ان کو بھی کچھ ضرور ملا۔ جب دیکھو گنبد پر بارش ہوتی ہے تو گنبد کے کلیجے کو ٹھنڈک تو نہیں ملتی، مگر گنبد کے اوپر جو گرد و غبار ہے، وہ جھڑ جاتا ہے کہ نہیں؟ چمک آجاتی ہے۔ کچھ نہ کچھ چہرہ بدل جاتا ہے۔ نقشہ بدل جاتا ہے۔ دل میں ٹھنڈک پہنچے یا نہ پہنچے چہرہ بدل جائے گا۔ لباس بدل

جائے گا۔ تو میں کہتا ہوں یہ بھی رسول کی رحمت ہے کہ جو لوگ رسول کی عداوت و دشمنی رکھتے تھے۔ چہرے ان کے بھی بدلے ہوتے ہیں۔

کچھ نقشہ تو بدل گیا ہے نا اور ایسا بدلا ہوا ہے کہ لوگ مولوی صاحب بھی کہتے ہیں۔ مولانا صاحب بھی کہتے ہیں۔ امام صاحب بھی کہتے ہیں۔ حافظ جی بھی کہتے ہیں۔ تو یہ بھی رسول کی رحمت ہے کہ گرد و غبار اڑ گئے ہیں، دل میں ٹھنڈک پہنچے یا نہ پہنچے۔ یہ کون دیکھتا ہے، کم سے کم چہرہ تو بدل گیا۔

نجد کا ترجمہ

دیکھو دوستو ایک کتاب ہے 'غیاث اللغات' اس کا نام ہے جو نہ کچھوچھے میں لکھی گئی نہ بریلی میں۔ اس کے مؤلف مولانا عبدالوہاب صاحب بھی نہیں۔ مولانا محمد حنیف صاحب بھی نہیں۔ 'غیاث اللغات' لغت کی کتاب ہے۔ ڈکشنری ہے۔ اس کو اٹھا کر تو دیکھو اس میں لکھا ہے نجد کے معنی ہیں سخت ابھری ہوئی زمین۔ اس ترجمے کو دیکھا تو ایمان تازہ ہو گیا۔ اے رسول آپ کی رحمت تو ہر جگہ برسی۔ یمن میں برسی، شام میں برسی، مدینہ میں برسی، مکے میں بھی نجد میں بھی۔ آپ ہر جگہ کے لیے رحمت ہیں، مگر وہ ابھری سخت زمین، اسے کچھ نہ ملا۔ یمن والے بازی لے گئے۔ شام والے بازی لے گئے، مکے والے بازی لے گئے، مدینے والے بازی لے گئے، مگر نجد محروم رہا۔ وہاں برسا اور وادی والے فائدہ اٹھا لے گئے۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ اے محبوب ہم نے آپ کو سارے عالم کے لیے رحمت بنا کے بھیجا ہے ؎

وہ ہر عالم کی رحمت ہیں، وہ ہر عالم میں رہتے ہیں
بہ فیضِ رحمۃ للعالمیں رحمت ہی رحمت ہے

اب کھڑے ہو کر بارگاہِ رسالت میں نذرانۂ عقیدت پیش کیجیے۔

خطبہ

رفعتِ مصطفیٰ

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔ مِنْهُمْ
مَنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ ۔

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر — نفس گم گردہ می آید جنید و بایزید ایں جا
بمصطفٰی برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست — اگر باُو نہ رسیدی تمام بولہبی ست
حسنِ یوسف دمِ عیسیٰ یدِ بیضا داری — آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری
فرش والے تیری شوکت کا علو کیا جانیں — خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

اگر خموش رہوں میں تو تو ہی سب کچھ ہے
جو کچھ کہا تو تیرا حسن ہو گیا محدود

درود پاک تین بار : اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ
كَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى اَنْ تُصَلِّيَ عَلَيْهِ۔

ترجمہ : یہ رسول ہیں ان میں ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ ان میں سے بعض وہ ہیں جن کو اللہ نے شرفِ ہم کلامی سے مشرف فرمایا اور بعض وہ ہیں جن کو اللہ نے درجوں بلند کیا ہے۔

اگر میں آپ سے کہوں کہ اس مجمع کے اندر بعض وہ ہیں جن کو بعض پر فضیلت حاصل ہے تو آپ کو اسے مان لینے میں کوئی انکار نہیں ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اتنا بڑا مجمع ہے تو اس میں بعض کو بعض پر فضیلت حاصل ہی ہوگی۔ یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے جسے سمجھنے میں کوئی دشواری ہو، لیکن اگر میں یہ کہوں

کہ اسی میں ایک ایسا ہے جو ان سب پر درجوں فضیلت رکھتا ہے۔ تو اب اس ایک کا سمجھنا بہت دشوار ہے۔ آخر وہ ایک کون ہے جو ان تمام میں درجوں فضیلت رکھتا ہے۔ ہم نے نام نہیں لیا ہم نے کوئی وصف ذکر نہیں کیا۔ کوئی وصف مخصوص اگر ذکر کر دیتے تو ذہن ادھر چلا جاتا کہ اشارہ فلاں کی طرف ہے۔ اگر کوئی خاص بات اس کی طرف جو مشہور تھی، ذکر کر دیتے تو ذہن اس کی طرف چلا جاتا، مگر ہم نے یہ اندازِ بیاں اختیار کیا ہے۔ نہ نام لیا ہے نہ کسی کمال کی طرف اشارہ کیا ہے نہ کسی صفت کا ذکر کیا ہے۔ بس مجمل طور پر اتنا ہی کہہ دیا ہے کہ اس پورے مجمع میں ایک ایسا ہے جو اپنے ماسوا پر درجوں بلند ہے۔ بتاؤ کتنی دشواری ہے۔ اس ایک نکتے کو سمجھنے کے لیے کس قدر پریشانی ہے۔ اس ایک کا علم حاصل کرنے کے لیے ہے نا پریشانی۔ ہے کوئی جو جواب دے سکے۔ ہے کوئی جو بتا سکے کہ وہ کون ہے جو درجوں بلند ہے۔ مگر دوستو! دشواری کی بھی ایک حد ہوتی ہے۔ فرض کر لو اس مجمع میں ایک ایسا انسان ہے جس کی بلندی جانی پہچانی ہو، جس کی رفعت کے پرچم لہرائے جا چکے ہوں، جس کی عظمت کا سکہ لوگوں کے دل و دماغ پر بٹھایا جا چکا ہو۔ اگر کوئی ایسا انسان اس مجمع میں ہے تو یقین جانو نہ نام لینے کی ضرورت ہے نہ اس کی کسی صفتِ مخصوصہ کے ذکر کی ضرورت ہے۔ ہم صرف یہ کہیں گے کہ یہاں ایک ایسا ہے جو درجوں بلند ہے تو سب کا ذہن اسی طرف چلا جائے گا وہ درجوں بلند ہونے والا وہی ہے، وہ رفعت والا وہی ہے۔ وہ شوکت والا وہی ہے۔ وہ برتری والا وہی ہے، وہ افضلیت والا وہی ہے جس کی افضلیت کے پرچم ہمیشہ لہراتے رہے جس کی افضلیت کے ترانے گانے والے ہمیشہ گاتے رہے۔ یہ بڑے کمال کی بات ہے کہ نام نہ لو، ذہن ادھر چلا جائے۔ ایسے بلند بہت کم ہوا کرتے ہیں کہ بلندی کا ذکر ہو اور خیال ان کی طرف چلا جائے۔

درجات کی بلندی

تو آؤ تلاش کیا جائے کہ قرآن کریم نے جس کو درجوں بلند بتایا ہے، وہ کون ہے مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللّٰهُ میں تو اشارہ ملتا ہے کہ شرفِ ہم کلامی سے مشرف ہونے والے سیدنا کلیم علیہ السلام ہیں، مگر وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ۔ ہم نے جس کو درجوں بلند کیا ہے وہ کون ہے؟ یہ رفعت والا کون

ہے؟ یہ عظمت والا کون ہے؟ ایک چیز یہاں ذہن نشین کرتے چلیے۔ دیکھئے یہ جو فضیلت کی بات ارشاد فرمائی جارہی ہے، وہ انسانوں کے مابین فضیلت کی بات نہیں کہ انسانوں میں بعض کو بعض پر فضیلت دی۔ وہ پڑھے لکھے لوگوں یا عبادت گزاروں کے درمیان فضیلت کی بات نہیں کہ پڑھے لکھے لوگوں میں بعض کو بعض پر فضیلت دی یا عبادت کرنے والوں میں بعض کو بعض پر فضیلت دی، بلکہ آیت کریمہ میں رسولوں کا ذکر ہے کہ رسولوں میں بعض کو بعض پر فضیلت دی اور یہ جو درجوں بلند ہونے والا ہے۔ وہ عام انسانوں پر نہیں بلکہ ان بلند ہونے والوں پر درجوں بلند ہے۔ اب آؤ جن کے بعض پر بعض کو فضیلت دی گئی ہے۔ پہلے ان بلند ہونے والوں کو سمجھو۔ پہلے حضرت آدم کو سمجھو، پہلے حضرت خلیل کو سمجھو پہلے حضرت اسماعیل کو سمجھو۔ پہلے حضرت کلیم کو سمجھو۔ پہلے حضرت مسیح کو سمجھو۔ پہلے سارے انبیاء سابقین کو سمجھو اور جب تم ان کے مقام کو جہاں تک سمجھ سکو سمجھ لو۔ تو اب آؤ اور اس کو سمجھو جو ان بلند ہونے والوں درجوں پر بلند ہے۔ اس کے علم کو دیکھو گے؟ تو پہلے علم والوں کو سمجھو۔ اس کے کمالات کو سمجھنا چاہتے ہو تو پہلے فضیلت والوں کو سمجھو، اختیار والوں کو سمجھو۔

الغرض بلند کرنے والے نے انبیاء و مرسلین پر اس کو درجوں بلند کیا۔ یہ تو بعد میں تحقیق ہوگی کہ آخر یہ بلند ہونے والا کون ہے؟ مگر اس مقام پر غور تو کرو کہ جب یہ حضرت کلیم پر درجوں بلند ہیں۔ جب یہ حضرت خلیل پر درجوں بلند ہیں۔ جب یہ حضرت مسیح پر درجوں بلند ہیں۔ جب یہ حضرت نوح پر درجوں بلند ہیں، تو ہم سے کتنے بلند ہوں گے۔ اس کا کچھ اندازہ ہی نہیں کیا جاسکتا کہ ہُما و شما پر بلند ہونے والا کتنا بلند ہوگا۔ اب کتنے شرم کی بات ہے کہ جو حضرت خلیل پر درجوں بلند ہو، جو حضرت مسیح پر درجوں بلند ہو۔ اس کے متعلق آپ یہ سوچنے لگیں کہ ہماری طرح چلتا پھرتا ہے۔ ہماری طرح کھاتا پیتا ہے۔ اس کو آپ اپنے سے ملانے سے پہلے تمہیں یہ ثابت کرنا پڑے گا کہ تم اسی طرح سب انبیاء پہ درجوں بلند ہو۔ تمہارا طرزِ فکر بتا رہا ہے کہ تم پستی کی بدترین منزل میں ہو اور نہیں میاں ہم تو سمجھ ہی نہیں سکے کہ تم پستی کی کس منزل میں ہو۔ یہاں تو اللہ تعالیٰ ان کا ذکر فرما رہا ہے جن کی رفعت و بلندی میں ذرہ برابر شک کی بات نہیں ہے۔

فضیلت کسے کہتے ہیں

اچھا آئیے ایک علمی نکتے کی طرف آپ کے ذہن کو لے جاؤں۔ الفاظ ملتے جلتے ہیں، مگر تھوڑا تھوڑا معنوی فرق ہے۔ یہ عظمت ہے، یہ کرامت ہے، یہ شرافت ہے، یہ رفعت ہے، یہ فضیلت ہے۔ الفاظ بالکل ملتے جلتے ہیں، مگر تھوڑا سا فرق میں آپ کو بتاتا جاؤں۔ یہ فضیلت کس بات میں ہوتی ہے۔ فضیلت ہوتی ہے علمی حیثیت سے۔ کسی کو علم میں اگر برتری حاصل ہو تو اس کو کہیں گے یہ صاحبِ فضیلت ہے۔ فضیلت ملتی ہے علم سے۔ اسی لیے آپ مدرسوں میں دیکھتے ہیں کہ دستارِ فضیلت کے جلسے ہوتے رہتے ہیں، مگر دستارِ شرافت کے اجلاس نہیں ہوتے۔ اس لیے کہ فضیلت ملتی ہے علم سے اور شرافت ملتی ہے نسب سے۔ اسی نسب کی طرف منسوب کر کے کہتے ہیں فلاں بڑی ہی شرافتِ نسبی والا ہے اور کرامت ملتی ہے اللہ تعالیٰ کے حکم سے۔ وہ جس کو چاہے کرامت والا بنا دے۔ تو کرامت ملتی ہے اللہ و رسول کے حکم و فیضان سے۔ اور عظمت ملتی ہے خدا و رسول کی طرف نسبت سے۔

رفعت کی تعریف

اور جو رفعت ہے، وہ ان سب کو شامل ہے۔ رفعت میں عظمت بھی ہے، شرافت بھی ہے فضیلت بھی ہے، کرامت بھی ہے۔ تو پتہ یہ چلا کہ یہ جو بتایا جا رہا ہے کہ بعض کو بعض پر فضیلت دی گئی ہے۔ وہاں فضیلت سے علم مراد ہے کہ بعض کو بعض پر فضیلت دی گئی ہے۔ اب اگر رفع بعضھم کی جگہ فَضَّلَ بَعْضَهُمْ کا فقرہ ہوتا، تو ہم سمجھتے کہ ہمارا رسول انبیاء کے گروہ میں، انبیاء کے جھرمٹ میں صرف علم میں ممتاز ہے، مگر وہاں رفعت کا ذکر استعمال فرما کے یہ بتایا کہ ہمارا محبوب جو ہے، وہ فضیلت میں بھی ممتاز ہے۔ شرافت میں بھی ممتاز ہے۔ کرامت میں بھی ممتاز ہے۔ کرامت میں بھی ممتاز ہے۔ معجزے میں بھی ممتاز ہے۔ کمالات میں بھی ممتاز ہے۔ الغرض ہر چیز میں ممتاز ہے۔ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ۔ ہم نے بعض کو درجوں بلند کیا۔ ہم آپ کو زیادہ اجمال میں نہیں رکھنا چاہتے۔

لہٰذا مفسرین کرام کا یہ ارشاد آپ کے سامنے عرض کر دیتے ہیں کہ بعض سے مراد ہیں حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، کائنات مرسلین کو پورے طور پر نگاہ میں رکھو اور پھر سوچو کہ سرکار عربی کو ان سب پر درجوں بلند کیا گیا ہے۔ کتنے درجے بلند کیے؟ ذرا شمار کیا جاتے، مگر دوستو! یہاں ابہام کا معاملہ ہے۔ لینے والے نے لیا اور دینے والے نے دیا۔ بات پوشیدہ کی پوشیدہ رہی۔ یہی ایک جگہ نہیں، بلکہ بہت سی جگہ بات مبہم رکھی گئی ہے۔ ہم ہر جگہ پریشان رہے فَاَوْحٰیٓ اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی۔ دے دیا اپنے بندے کو جو دے دیا۔ کیا دیا پتہ نہیں وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ اے محبوب! ہم نے تیرے ذکر کو بلند کیا۔ کتنا بلند کیا پتہ نہیں وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ۔ اے محبوب! جو تم نہیں جانتے تھے، سب سکھا دیا۔ کتنا سکھا دیا پتہ نہیں۔ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ۔ اے محبوب! خدا نے تجھے درجوں بلند کر دیا۔ کتنا بلند کیا پتہ نہیں معلوم یہ ہوتا ہے کہ میرے رسول کو جو حقیقی بلندی و رفعت حاصل ہے، ہمارے الفاظ اس کو بیان کرنے سے عاجز ہیں یا یہ کہ ہم اسے سننے اور سمجھنے کی صلاحیت سے خالی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے کہ جیسا دماغ ہے، ویسا ہی ہمیں سمجھایا۔ اس رفعت کو ہم میں سمجھنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے جو رفعت ملی ہے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو۔

رسول کے وسیلے سے دعا مانگنا

مگر آپ یہ دعویٰ کریں گے کہ بعض کا ترجمہ انہوں نے جو کیا ہے کس روشنی میں کیا ہے، تو میں کہوں گا کہ اسی اصول کو سامنے رکھو جس کا ذکر ہو چکا ہے کہ وہ کون ہے جس کی عظمت و رفعت جانی پہچانی ہے تو آؤ دیکھو اس رسول کو آج ہی لوگوں نے نہیں جانا۔ اس رسول کو لوگ بہت پہلے ہی سے جان رہے تھے۔ یہی تو وہ رسول ہیں کہ جس کے وسیلے سے دعائیں کرنے والے یہ الفاظ استعمال فرمایا کرتے تھے اَللّٰهُمَّ انْصُرْنَا عَلَيْهِمْ بِالنَّبِيِّ الْمَبْعُوْثِ فِيْ اٰخِرِ الزَّمَانِ الَّذِيْ نَجِدُ صِفَتَهٗ فِي التَّوْرَاةِ۔ اے اللہ ہمیں ان پر غالب کر دے اس نبی کے واسطے جو آخری زمانہ میں مبعوث ہونے والے ہیں اور جن کی یہ صفتیں ہم توریت کے اندر پا رہے ہیں۔

ذرا غور کرو حضرت کلیم علیہ السلام کا ماننے والا کلمہ پڑھ رہا ہے حضرت کلیم کا اور واسطہ دے رہا ہے نبی آخر الزماں کا۔ ذرا سوچو حضرت مسیح علیہ السلام کا کلمہ پڑھنے والا حضرت مسیح کا کلمہ پڑھ رہا ہے اور واسطہ دے رہا ہے نبی آخر الزماں کا۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ انبیاء کرام کے ہر دور میں نبئ آخر الزماں کا بڑا چرچا تھا۔ ہر طرف ذکر ہو رہا تھا۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک تمہیں ایسا کوئی نبی نہیں ملے گا، جس نے اس نبی کو یاد نہ کیا ہو جس نے اس نبی کا ذکر نہ کیا ہو۔ تو جب سارے گروہِ انبیاء میں اس کا چرچا ہی چرچا ہے تو اب اگر کوئی ہم سے کہے گا کہ انہیں میں ایک ایسا ہے جو درجوں بلند ہے۔ ذہن اسی کی طرف تو جائے گا، وہ درجوں بلند ہونے والے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہیں، مگر میں بہت سارے مباحث کو نظر انداز کر کے آپ کی توجہ خاص قرآن کریم کی طرف لے جانا چاہتا ہوں۔ پہلے اس درجوں بلند ہونے والے کو سمجھو۔ میں کوشش یہ کروں گا کہ قرآن کریم سے آپ سمجھیں کہ وہ درجوں بلند ہونے والا کون ہے؟ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ۔ اس نے بعض کو درجوں بلند کیا۔ یہ بعض کون ہے؟ قرآن کریم سے پوچھو۔

حضرت خلیل کا معروضہ

دیکھو گروہِ انبیاء کا معاملہ ہے۔ انہیں میں ایک پر دوسرے کو فضیلت دینے کا معاملہ ہے، لہٰذا گروہِ انبیاء کے احوال و کوائف قرآن کریم سے ہمیں حاصل کرنا ہیں۔ اور ہم یہ کوشش کریں گے کہ جو کچھ عرض کریں وہ قرآنی آیات کی روشنی میں عرض کریں۔ دیکھو حضرت خلیل کی جلالتِ شان کو کون نہیں جانتا۔ اللہ کے خلیل بارگاہِ خداوندی میں کیا عرض کر رہے ہیں لَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ۔ اے اللہ قیامت کے دن مجھے رسوا نہ فرمانا۔ سیدنا خلیل کے رسوا ہونے کا سوال ہی کیا ہے؟ یہ نبی و رسول اور اللہ کے خلیل ہیں۔ نہ جانے کتنے کو ان کے دامن سے وابستہ ہونے کی وجہ سے رسوائی سے نجات ملے گی۔ ان کے رسوا ہونے کا کیا سوال؟ مگر یہ ان کی شانِ عبدیت یہ ان کا بارگاہِ الٰہی میں قرب ہے کہ عرض کر رہے ہیں لَا تُخْزِنِیْ یَوْمَ یُبْعَثُوْنَ۔ الٰہ العٰلمین مجھے قیامت کے

دن رسوانہ فرمانا ۔ سوچو ایک نبی جلیل معبود برحق کی بارگاہ میں معروضہ پیش کر رہا ہے اور بندے کو حق ہے کہ اپنے مالک کی بارگاہ میں جس طرح سے چاہے اپنے معروضات کو پیش کرے ۔ لا تخزنی یوم یبعثون اے رب العلمین قیامت کے دن ہمیں رسوانہ کرنا ۔ یہ حضرت خلیل علیہ السلام عرض کر رہے ہیں ۔ ایک منظر تو ہم دیکھ رہے ہیں اور دوسرا منظر یہ دیکھتے ہیں رب تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا ۔ یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰہُ النَّبِیَّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَہٗ ۔ سنو قیامت کا دن وہ دن ہے کہ اللہ اپنے نبی کو، نبی تو نبی جو دامنِ نبوت سے وابستہ ہو جائیں، ان ایمان والوں کو بھی رسوانہ فرماتے گا ۔ کیا مطلب ؟ حضرت خلیل نے اپنی زبان مبارک سے بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا تھا کہ اے رب ہمیں رسوانہ فرمانا ۔ اور حبیب کو بولنے بھی نہیں دیا جا رہا ہے ۔ میرا رسول بھی اگر کہتا تو کچھ حیرت کی بات نہ تھی ۔ کچھ تعجب کی بات نہ تھی ۔ حضرت خلیل ایک مرتبہ معروضہ پیش کر چکے تھے تو اب رسول کو زحمت نہیں دی جا رہی ہے کہ اے محبوب ! تم بھی وہی بات کہو جو حضرت خلیل کہہ چکے ہیں ۔ انہوں نے کہا تھا لا تخزنی یوم یبعثون ۔ وہ دعا کر رہے ہیں اور اے محبوب ! میں تجھے مژدہ سنا رہا ہوں زبان ہلانے کی بھی ضرورت نہیں ہے ۔ کچھ مجھ سے معروضہ پیش کرنے کی ضرورت نہیں ہے ۔ اللہ تعالیٰ اپنے فیصلے کو ظاہر فرما رہا ہے کہ قیامت کے دن اے محبوب ! وہ تمہیں رسوانہ کرے گا اور تمہاری رسوائی کا کیا سوال ہے ؛ جو تمہارے دامن سے وابستہ ہو جائیں ان کو بھی اللہ تبارک وتعالیٰ رسوانہ فرماتے گا ۔ جب ایمان والوں کو رسوانہ فرمائے گا تو جانِ ایمان کو رسوا فرمانے کا سوال ہی کیا ہے ؟ واقعی دوستو ! رب کی شانِ ستاری وغفاری دیکھو ۔ کتنا کرم فرما رہا ہے ۔ امتِ محمدیہ کے اوپر ۔ مجھے تو ایک حدیث یاد آگئی ۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب بارگاہِ خداوندی میں حاضر ہوئے تھے تو رب تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا تھا ؛ اے محمد ! کیا تمہیں اس بات کا غم ہے کہ میں نے تم کو سب کا آخری نبی بنایا ہے ۔ سارے نبیوں کے آخر میں بھیجا ہے ۔ تو سرکارِ عربی نے کہا ، نہیں ، مجھے اس کا کوئی رنج نہیں ہے ۔ کیا تمہاری امت کو اس بات کا رنج ہے کہ میں نے اسے خیر الامم بنایا ہے ۔ ساری امتوں کے آخر میں بنایا ہے ۔ تو سرکار نے عرض کیا ۔ نہیں میری امت کو بھی اس کا رنج نہیں ۔ رب

تبارک و تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے اے محمد جاؤ اپنے ماننے والوں کو سنا دو، انہیں خبر کر دو کہ ہم نے تمہیں سب کے آخر میں اس لیے بھیجا ہے، ساری امتیں تمہارے سامنے رسوا ہوں، مگر تم کسی کے سامنے رسوا نہ ہو۔ تمہارا کوئی مذاق نہ اڑائے۔ یہی تو ہو رہا ہے کہ ہم بنی اسرائیل کا ذکر کرتے ہیں ہنستے ہیں۔ قومِ ثمود کا ذکر کرتے ہیں ہنستے ہیں۔ قومِ عاد کا ذکر کرتے ہیں ہنستے ہیں، قومِ مدین کا ذکر کرتے ہیں ہنستے ہیں، مگر جب ہمارا نبی آخری نبی ہے۔ تو بعد میں کوئی امت اور آئے گی ہی نہیں جو ہمارے کرتوتوں کا ذکر کرے اور ہنسے۔

تو دیکھو رسول آخری نبی اور امت آخری امت۔ اچھی طرح سے سمجھ لو کہ آخر میں کیوں بھیجا تاکہ کوئی نئی امت ہمارا مذاق نہ اڑا سکے۔ ہمارے اوپر طنز نہ کر سکے۔ ہمارے اوپر استہزاء نہ کر سکے۔ دوستو الفاظ حدیث تو اپنی جگہ پر ہیں، مگر اس سے تو مجھے ایک اشارۂ رحمت ملتا ہے۔ جب رب تبارک و تعالیٰ کو یہ گوارا نہ ہوا کہ امتِ محمدیہ کسی ایک امت کے سامنے رسوا ہو تو قیامت میں وہ اس امت کو کیسے رسوا فرمائے گا۔ وہاں تو ساری امتیں موجود ہوں گی تو یہ رسول کی رحمت ہے جو ہمیں یہاں بھی رسوائی سے بچا رہی ہے اور وہاں بھی رسوائی سے بچا رہی ہے۔ يَوْمَ لَا يُخْزِى اللّٰهُ النَّبِىَّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ۔ ذرا غور تو کرو رسوائی سے بچنے کا مژدہ ہے۔ ایمان والوں کے رسوا ہونے کا ذکر ہی کیا۔ ہم تو یہ دیکھ رہے ہیں کہ رسول کی امت کو اور سرفراز کیا جا رہا ہے، سربلند کیا جا رہا ہے۔ نوازشات کا مرکز بنایا جا رہا ہے۔

میدانِ حشر میں کفار کا اقرار

ذرا میدان محشر کا وہ جانا پہچانا منظر سامنے لے آؤ جو علمائے کرام سے

آپ سن چکے ہیں، حشر میں انبیاء کرام اس بات کے مدعی ہوں گے الہ العالمین ہم نے تیرے پیغام کو تیرے بندوں تک پہنچایا اور کفار انکار کریں گے کہ نہیں پہنچایا۔ حضرات انبیاء کرام اپنی دلیل میں گواہ بنا رہے ہیں امتِ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو۔ جب کفار کے خلاف اور انبیاء کے حق میں امتِ رسول گواہی دے گی تو اس وقت کافروں کو یہ اعتراض ہوگا کہ یہ امت ہمارے زمانے

میں نہیں تھی۔ ان کی بے دیکھی گواہی قابل قبول نہیں۔ تو امت اپنے رسول کی ذات کو پیش کرے گی کہ ہم کو یہ بات ہمارے رسول نے بتائی۔ اب سرکارِ عربی کو گواہ بنایا جاتے گا۔ سرکارِ عربی جب گواہ ہوں گے تو اپنی امت کی تصدیق فرمائیں گے۔ مگر سنو جی! جن کافروں نے امتِ رسول کی گواہی کو یہ کہہ کر مسترد کر دیا کہ یہ ہمارے زمانے میں نہیں تھے۔ ان میں سے کسی میں یہ جرأت نہیں ہو گی کہ وہ یہ کہہ سکے کہ اے رسولِ عربی آپ بھی تو ہمارے زمانے میں نہیں تھے۔ جب آپ بھی نہیں تھے تو آپ کی گواہی بھی سنی ہوئی ہے، دیکھی ہوئی نہیں ہے۔ ہمیں دیکھا ہوا گواہ چاہیئے۔ ہم سننے والے کی نہیں سنتے۔ کہنا چاہیے تھا نا دوستو! ابو جہل جیسا دشمن بھی کھڑا نہ ہو سکا۔ ابولہب جیسا گستاخ بھی کچھ نہ بول سکا۔ خیر یہ تو رسول کے زمانے میں موجود تھے۔ ان سے پہلے آنے والے فرعون و نمرود بھی نہ کھڑے ہو سکے۔ قارون و ہامان بھی نہ کھڑا ہو سکا۔ کوئی تو کھڑا ہو کر کہتا۔ آپ کہیے گا نہیں، رسول کی شانِ رسالت سے وہ ڈر گئے۔ رسول کی شانِ نبوت سے وہ ڈر گئے۔ ایسی بات مت کہو۔ اگر وہ شانِ نبوت سے ڈرنے والے ہوتے، تو کیا حضرت کلیم کے ساتھ جلالتِ رسالت نہیں تھی، کیا حضرت مسیح کے ساتھ جلالتِ رسالت نہیں تھی؛ نہیں، وہاں تو انکار کا جذبہ تھا۔ انکار کر سکتے تھے، مگر سارے اہلِ محشر خاموش رہ کر بتا رہے ہیں اور اپنے عمل سے ظاہر کر رہے ہیں کہ امت کی گواہی تو بے دیکھی تھی، مگر اس امت والے کی گواہی تو بے دیکھی نہیں تھی۔ یہ دیکھ کے گواہی دے رہے ہیں۔ مشاہدہ فرما کر گواہی دے رہے ہیں۔ ورنہ وہ وہاں مسترد کر سکتے تھے۔ آج دنیا انکار کا حوصلہ رکھے تو انکار کرے۔ آج جس قدر تم انکار کر سکتے ہو۔ آج سرکشی و تمرد کی جس راہ پر چلو چل سکتے ہو، مگر قیامت میں تمہیں بھی اعتراف کرنا پڑے گا کہ رسول کی گواہی دیکھی ہوتی ہے اور جب دیکھی ہوئی گواہی ہوتی ہے تو پھر کسی اور گواہ کا انتظار نہیں ہوتا۔

نورِ محمدی سب سے پہلی مخلوق

میں نے تفسیر روح البیان اٹھا کر دیکھی، تو اس میں لفظ شاہد کی ایک بہت پیاری تفسیر تھی۔ انہوں نے کہا ہے: لَمَّا كَانَ اَوَّلُ مَخْلُوْقٍ خَلَقَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى شَاهِدَ بِوَحْدَانِيَّةِ الْحَقِّ وَشَاهِدَ بِمَا اَخْرَجَ مِنَ الْعَدَمِ اِلَى الْوُجُوْدِ۔

چونکہ نورِ محمدی سب سے پہلی مخلوق ہے۔ اس نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا مشاہدہ فرمایا۔ یہ نہیں کہا کہ اللہ کا مشاہدہ فرمایا، بلکہ یہ کہا کہ اللہ کی وحدانیت کا مشاہدہ فرمایا۔ دیکھئے ایک ہے واحد کا دیکھنا اور ایک ہے وحدانیت کا دیکھنا۔ ایک ہے احد کا دیکھنا اور ایک ہے احدیت کا دیکھنا۔ بات بہت باریک ہے، مگر عرض کرکے آگے بڑھوں۔ اگر آپ مجھ سے یہ پوچھیں کہ یہاں سب سے پہلے کون آیا؟ کیا میں بتاسکوں گا؟ اس لیے کہ میں خود ہی پیچھے آیا تو میں کیا بتاسکوں گا کہ سب سے پہلے کون آیا؟ اور اگر میں بتاؤں گا بھی تو یہ ظن و تخمین کی بات ہوگی۔ علم کی بات ہوگی، مگر مشاہدے کی بات نہیں ہوگی اور اگر میں سب سے پہلے یہاں موجود ہوتا اور پھر آنے والا ایک ایک کرکے آتا، اور آپ مجھ سے پوچھتے کہ پہلے کون آیا، تو میں جو فیصلہ کرتا، وہ مشاہدے کا فیصلہ ہوتا۔

تو دیکھو یہ نوعِ انسان مخلوقات میں سب سے آخری نوع ہے، سب سے آخری مخلوق ہے۔ انسان کو پیدا کرنے سے پہلے زمین کا فرش بچھایا جاچکا تھا۔ آسمان کا شامیانہ لگایا جاچکا تھا۔ چاند سورج کے چراغ جلائے جاچکے تھے۔ ستاروں کی قندیلیں روشن کی جاچکی تھیں۔ عرش و فرش سب موجود۔ ساری چیزیں موجود۔ اب نوعِ انسانی کی تخلیق ہوتی۔ اب اگر کسی انسان سے پوچھو کہ سورج پہلے تھا کہ چاند پہلے۔ زمین پہلے کہ آسمان پہلے۔ یہ پہلے کہ وہ پہلے۔ تو اب جو اس کا فیصلہ ہوگا، وہ علم کا فیصلہ ہوگا۔ مشاہدے کا فیصلہ نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ یہ خود سب کے آخر میں آیا اور میرے رسول کو جب پیدا کرنے والے نے پیدا فرمانا چاہا تو نورِ محمدی کو سب سے پہلے تخلیق فرمایا۔ اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ۔ سب سے پہلی مخلوق میرا نور۔ اور جب سب سے پہلی مخلوق نورِ محمدی ہوا ایسا کہ نہ آسمان تھا نہ زمین، نہ چاند نہ سورج، نہ زمانہ نہ زمانے کے حرکات۔ نہ زمانہ نہ زمانیات، نہ مادہ نہ مادیات۔ نہ مکان نہ مکانیات۔ تو اب وہ نور کیا دیکھتا ہے؟ وہ یہ دیکھ رہا ہے کہ واحد ہے اور اس کی وحدانیت۔ احد ہے اور اس کی احدیت۔ یاد رہے کہ جنت میں خدا تعالیٰ کے فضل سے لوگ واحد کو ضرور دیکھیں گے احد کو ضرور دیکھیں گے، مگر وحدانیت کو تو صرف میرے رسول نے دیکھا ہے اور احدیت کو تو صرف میرے نبی نے دیکھا ہے۔ تو میرا رسول جو یہ کہہ رہا ہے: اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔

میں گواہی دیتا ہوں کہ نہیں ہے کوئی معبود اللہ کے سوا۔ تو یہ دیکھے ہوتے کا فیصلہ ہے سنے ہوئے کا فیصلہ نہیں ہے۔ ہم دیکھ چکے ہیں نہیں ہے کوئی الوہیت والا۔ نہیں ہے کوئی الٰہیت والا۔ بتاؤ جی دیکھا ہوا گواہ اگر آجائے تو پھر کیا اس کے بعد گواہ کی ضرورت ہے۔

مثال کے طور پر یوں سمجھیے کہ آپ مفتی صاحب کے پاس آتے اور کہا مفتی صاحب چاند نکل آیا۔ چاند نکل آیا؟ تم نے دیکھا۔ میں نے نہیں دیکھا ہے مفتی صاحب، فلاں سے سنا ہے۔ اچھا بلاؤ اس کو جس سے سنا ہے۔ وہ بھی آیا۔ کیوں جی چاند نکل آیا؟ تم نے دیکھا؟ نہیں، میں نے نہیں دیکھا، فلاں سے سنا ہے۔ مفتی صاحب کاغذ لیے بیٹھے ہیں، مگر قلم نہیں چل رہا ہے۔ ایک یہ ایک آ رہا ہے، فلاں سے سنا ہے، فلاں سے سنا ہے۔ اور اس کے بعد ایک آگیا جیسی گواہی کی ضرورت تھی مل گئی۔ دو شاہد عدل آگئے۔ انہوں نے کہا مفتی صاحب ہم نے دیکھا۔ تم نے دیکھا؟ ہاں ہم نے دیکھا۔ اب مفتی صاحب کچھ نہیں پوچھ رہے ہیں اور کسی کا انتظار نہیں کر رہے ہیں۔ قلم صفحات قرطاس پر چل پڑا۔ کاغذ پر انہوں نے فتویٰ لکھنا شروع کر دیا۔ شہادتِ شرعی ان کو مل گئی۔ حکم شریعت کو ظاہر کرنے لگے۔ اب اگر اس دیکھنے والے کے بعد کوئی آئے اور کہے مفتی صاحب ہم نے بھی سنا۔ مفتی صاحب یہی کہیں گے کہ بیوقوف جب تو نے سنا تھا تو تجھے پہلے ہی آجانا چاہیے تھا۔ اب تو دیکھنے والا آگیا ہے۔ دیکھنے والے کے بعد کوئی سننے والے کی سنا نہیں کرتا۔ معلوم ہوا کہ تو اپنے سننے میں بھی صادق نہیں ہے، سچا نہیں ہے۔ اگر تو واقعی سننے والوں میں ہوتا تو تجھے دیکھنے والے سے پہلے آنا چاہیے تھا۔ بعد میں تیری ضرورت کیا رہ جاتی ہے۔ معلوم ہوا کہ سننے والوں کی گواہی بھی مکمل ہوتی ہے تو دیکھنے والے کی گواہی پر اور اگر دیکھنے والے کا پتہ نہ چلے تو گواہی تکمیل کے لیے ایک دیکھنے والے کی منتظر ہوا کرتی ہے کہ کس نے دیکھا ہے؟

الغرض میرا رسول آگیا۔ آخری نبی بنا کر بھیجا گیا۔ رب تبارک و تعالیٰ نے سب کچھ دکھا کے بھیجا۔ اسی لیے میں کہا کرتا ہوں کہ اب دیکھنے والا آچکا ہے اور جب دیکھنے والا آچکا ہے تو سننے والوں کی ضرورت نہیں ہے، بلکہ سچی بات تو یہ ہے کہ اب میرے نبی کے بعد اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے۔ کوئی بیوقوف احمق انسان اگر یہ کہے کہ میں نبی ہوں، یہ بالکل ایسے ہی ہے جیسے ڈالڈا یہ کہے کہ میں دیسی گھی ہوں۔

امّتِ محمدیہ کو اُمّتِ وسط کیوں کہا گیا

دیکھو بات دوسری طرف چلی گئی میں یہ کہہ رہا تھا کہ جب رسول کی گواہی پر بات ختم ہونے والی تھی، تو ڈائرکٹ انبیاء نے رسول کو گواہ کیوں نہیں بنایا۔ بات تو وہیں ختم ہوتی ہے تو یہ کیا ہے کہ امت کو گواہ بنائیں اور امت نبی کو گواہ بناتے۔ اس قدر گھوم کر اس ایک بات کو ثابت کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ بات یہ ہے کہ گواہ جس کا گواہ ہوتا ہے، اس کا محبوب ہوتا ہے۔ بڑی دلجوئی گواہ کی کی جاتی ہے۔ یہ تو آپ کا روزمرہ کا مشاہدہ ہے۔ کون ہے جو گواہ کی دل جوئی نہ کرتا ہو۔ اگر آپ کو بھی اپنے گواہ کو عدالت میں لے جانا ہو تو راستے میں خوب کھلاتے پلاتے لے جائینگے۔ بڑے آرام سے لے جائیں گے۔ بہت ہی عزت کے ساتھ لے جائیں گے۔ خوب تواضع کر کے لے جائیں گے۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ دنیا والوں کا نقشہ ہی عجیب ہے کہ جب بے چارہ گواہ گواہی دے لیتا ہے تو پھر اس کے پلٹنے کا خیال نہیں ہوتا۔ اب چاہے پیدل ہی جائے کوئی حرج نہیں، مگر جب تک گواہی نہیں دیتا، اس کی خدمت بہت اہمیت رکھتی ہے۔ خیر یہ تو آپ کی عادت ہے اور یہ آپ کی بات ہے، مگر وہاں امتِ رسول کو انبیاء کا گواہ بنا کر شاہی گواہ بنا دیا گیا ہے اور جب وہ شاہی گواہ ہے تو وہ محبوب الانبیاء ہوئے۔ انبیاء کے منظورِ نظر ہوئے اور اس کے بعد انبیاء کے ماننے والوں کے بھی محبوب ہوئے۔

آج ہمیں اس ارشادِ ربانی کی ایک توجیہ مل گئی جس میں امتِ محمدیہ کو امتِ وسط یعنی بیچ کی امت فرمایا گیا ہے۔ علماء کرام اس کے بہت سارے معانی بیان کرتے ہیں، مگر قیامت کے میدان میں بیچ کی امت کا ایک نیا معنی سمجھ میں آ گیا۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ امت محمدیہ آخری امت ہے۔ اس لیے کہ یہ آخری نبی کی امت ہے۔ یہ بیچ کی امت اس وقت کہی جائے گی، جب اس کے بعد بھی کوئی امت ہو۔ تو جب یہ آخری امت ہے، تو اسے امتِ وسط، یعنی بیچ کی امت کیوں کہا گیا؟

اس سوال کا جواب ظاہر ہو گیا میدان قیامت میں۔ میدان قیامت کا منظر دیکھو۔ انبیاء گواہ بنا رہے ہیں امت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو۔ تم نے دیکھا ہوگا اس ترازو کو جس کے بیچ میں کانٹا ہوتا ہے۔ معلوم نہیں کہ اس علاقے میں وہ ترازو ہے کہ نہیں، اس لیے کہ اس کو

اوپر سے پکڑتے ہیں۔ بیچ میں ایک کانٹا ہوتا ہے۔ ادھر ادھر اس کے پلڑے ہوتے ہیں اور کانٹے پر سب کی نظر ہوتی ہے۔ جدھر وہ کانٹا جھک جاتا ہے، وہی وزن دار کہا جاتا ہے۔ کہا جاتا ہے اسی کی جیت ہے، اسی کا غلبہ ہے۔ تو نظر کانٹے ہی پر ہوتی ہے جو خریدتا ہے، اس کی بھی نظر کانٹے پر۔ جو بیچ رہا ہے اس کی نظر بھی کانٹے پر۔ پلڑے کو کوئی نہیں دیکھ رہا ہے۔ دیکھ یہ رہا ہے کہ یہ کانٹا کدھر جھک رہا ہے۔ یہ کانٹا جدھر جھک جائے گا، ادھر کا پلڑا وزنی ہوگا۔ واقعی گواہ کی پوزیشن کچھ ایسی ہی ہوا کرتی ہے، جیسے بیچ کا کانٹا ہے، مگر یہ سمجھ لینا کہ یہ کانٹا خود نہیں جھکا کرتا۔ جھکانے والا وہ ہے جو پلڑے کے اندر موجود ہے۔ یعنی یہ تو انبیاء کرام خود ہی ہم کو جھکا لیتے ہیں، ہم خود نہیں جھکتے، یہ جدھر چاہیں جھکا لیتے ہیں اور ہم جھک کر رہتے ہیں کہ ہماری جبینِ عقیدت اگر جھکے گی تو وہ انبیاء اور اولیاء ہی کی طرف جھکے گی ادھر ادھر نہیں جھک سکتی۔

اب آؤ دیکھو اہلِ محشر کا مرکزِ نگاہ اسی بیچ کے کانٹے یعنی امت رسول پر ہے۔ سارے انبیاء کی نظر امتِ رسول پر ہے۔ رحمتِ خدا کی نظر امتِ رسول پر ہے۔ سردار انبیاء کی نظر اپنی امت پر ہے، گویا سارے اہلِ محشر کا مرکزِ نگاہ بنا دیا گیا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت کو۔ دیکھا آپ نے حقیقت واضح ہوگئی۔ اس فرمان کی کہ اے محبوب! اللہ تعالیٰ نہ تمہیں رسوا فرمائے گا، نہ تمہارے چاہنے والوں اور محبت کرنے والوں کو رسوا فرمائے گا۔ امتِ رسول کو یہ شرف کیسے ملا۔ کیا خاص بات ہے تمہارے اندر، کون سی ایسی بات ہے؟ تو سوائے اس کے تم کیا کہو گے کہ ہم آخر الانبیاء کی امت ہیں۔ ہم افضل المرسلین کی امت ہیں۔ تو فضیلت ادھر سے آتی ہے۔ ورنہ ہمارے اندر کونسی خوبی کی بات ہے؟ اگر وہ نظر ہٹالیں تو ہمارے پاس کیا رہ جاتا ہے، یہ ان کی نظرِ کرم ہے یہ ان کا فضل ہے۔ یہ ان کا فیضان ہے یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰہُ النَّبِیَّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَہٗ۔ الغرض وہ حضرت خلیل ہیں جو دعا کر رہے ہیں اور یہ حبیب ہیں جنہیں مژدہ سنایا جا رہا ہے ؎

فرش والے تیری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

سیّدنا خلیل کا پیارا انداز

اب آؤ اور حضرت خلیل علیہ السلام کا ایک دوسرا پیارا انداز دیکھو۔ حضرت خلیل علیہ السلام کہتے ہیں:

اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ۔ میں جانے والا ہوں اپنے رب کے حضور اِنِّیْ ذَاهِبٌ۔ میں جانے والا ہوں اپنے رب کے حضور۔ ذرا غور تو کرو حضرت خلیل کہتے ہیں، میں جانے والا ہوں، مگر حبیب کے لیے کہا جا رہا ہے سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰی۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ حبیب نہیں ہے جانے والا، بلکہ میں خود لے جانے والا ہوں۔ پاک ہے، وہ ذات جو لے گئی اپنے بندے کو راتوں رات۔ حضرت خلیل کہہ رہے ہیں میں جا رہا ہوں اور ربِّ جلیل کہہ رہا ہے کہ میں اپنے بندے کو لے جا رہا ہوں۔ ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ اگر میں کہوں کہ میں جا رہا ہوں تو آپ کی نظر مجھ پر پڑے گی کہ میں کتنا جا سکوں گا۔ میرے بازو میں قوت کتنی ہے! میرے پیروں میں توانائی کتنی ہے؟ میں جا رہا ہوں تو مجھ پر اور میری قوت پر آپ کی نظر ہے۔ مگر اگر میں یہ کہوں کہ میں نہیں جا رہا ہوں، مولانا سلیم صاحب مجھے لے جا رہے ہیں۔ اب آپ کی نظر مجھ سے ہٹ جاتے گی۔ اب لے جانے والے کو دیکھیں گے یہ کتنا لے جا سکتے ہیں، یہ کہاں تک پہنچا سکتے ہیں۔ اب تو جانے والے کو نہیں دیکھنا ہے، بلکہ لے جانے والے کو دیکھنا ہے۔ تو دیکھو حضرت خلیل کہیں گے کہ میں جا رہا ہوں تو نظر حضرت خلیل پر جمے گی کہ حضرت خلیل کہاں تک جا سکتے ہیں۔ اور جب ربِّ جلیل کہے گا کہ میں لے جا رہا ہوں، تو نظر قدرتِ خداوندی پر جمے گی کہ ربِّ جلیل کہاں تک لے جا سکتا ہے۔ اب تم فیصلہ کرو کہ میرا خدا کہاں تک لے جا سکتا ہے؟ سُبْحَانَ الَّذِیْ۔ حبیب کو مت دیکھنا۔ جانے کو مت دیکھو، لے جانے والے کو دیکھو۔ کہاں تک قدرت لے جا سکتی ہے سمجھ سکتے ہو؟ تو جب قدرت کی انتہا نہیں معلوم، تو رسول کے مقامِ رفعت کی انتہا کیا معلوم ہو سکتی ہے کہ کہاں تک گیا جانے والا؟

کیا عبدیت رسالت سے افضل ہے؟

میں تمہیں ایک علمی بات کی طرف لے جاتا ہوں۔ ارشاد پاک ہے، وہ ذات جو

لے گئی اپنے بندے کو، وہاں بلایا تو کہا بندے کو لے گیا۔ اس لفظ بندے پر لوگوں کو بڑا دھوکا ہوگیا۔ سوچنے لگے کہ رسول کو بھی بندہ کہا اور ہم بھی بندے ہیں، لہٰذا ہم نفس عبدیت میں رسولِ کریم جیسے ہوگئے۔ اس باطل خیال کو دور کرنے کے لیے آؤ اور سمجھو کہ رسولِ کریم کی شانِ عبدیت کیا ہے۔ بڑے اطمینان سے آپ سماعت فرمائیں۔ ارشاد ہوتا ہے کہ لے گیا اپنے بندے کو اور وہاں پر جب دیا تو کہہ کے دیا فَاَوْحٰۤی اِلٰی عَبْدِہٖ مَاۤ اَوْحٰی۔ اپنے بندے کو دیا جو دیا۔ الغرض اپنے بندے کو لے گیا، اپنے بندے کو دیا۔ یہ سب اس وقت ارشاد ہوتا ہے جب رسول کو اوپر بلاتا ہے، مگر اسی بندہ کو جب بھیجتا ہے تو کیا کہتا ہے: هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ۔ اللہ وہ ہے جس نے اپنے رسول کو بھیجا۔ تو بھیجتا ہے تو رسول کہہ کے بھیجتا ہے اور بلاتا ہے تو بندہ کہہ کے بلاتا ہے۔

فرق کو محسوس کیجئے بھیج رہا ہے تو رسول کہہ کر بھیج رہا ہے اور بلا رہا ہے تو بندہ کہہ کے بلا رہا ہے۔

اب مجھے کہنے دو، یہاں ذمہ دار علمائے کرام بیٹھے ہوتے ہیں اور میں پوری ذمہ داری کے ساتھ عرض کر رہا ہوں۔ بات ہے صوفیاء کی، بات ہے عارفین کی۔ اس لیے اس کو میں کہہ کر تھوڑی دیر آپ کی خاص توجہ چاہوں گا تاکہ میں اس کو آپ کے ذہن میں اتار سکوں۔ فرماتے ہیں: اَلْعُبُوْدِيَّةُ اَفْضَلُ مِنَ الرِّسَالَةِ۔ عبدیت رسالت سے افضل ہے۔ مگر یاد رکھنا یہاں ہماری تمہاری عبدیت کا ذکر نہیں ہو رہا ہے، بلکہ رسول کی عبدیت کا ذکر ہو رہا ہے۔ اس کو یوں سمجھو کہ جو رسول ہے، وہ عبد بھی ہے اور رسول بھی۔ الغرض رسول میں عبدیت بھی ہے اور رسالت بھی ہے، مگر رسول کی عبدیت خود ان کی صفت رسالت سے افضل ہے۔ یاد رکھنا ہماری تمہاری عبدیت کا سوال نہیں ہے، بلکہ بات یہ ہے کہ خود رسول کی صفت عبدیت اسی رسول کی صفتِ رسالت پر افضل ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ عبد ہوتا ہے معبود کا۔ رسول ہوتا ہے مخلوق کا۔ عبدیت چاہتی ہے ادھر جانا رسالت چاہتی ہے ادھر آنا۔

عبدیت چاہتی ہے وصال، رسالت چاہتی ہے فراق۔ عبدیت چاہتی ہے کہ وہ مقام قرب ملے۔ رسالت چاہتی ہے کہ مکّے کی گلی ملے۔ رسالت زمین پر اترنا چاہتی ہے اور عبدیت مقام

دَنیٰ فَتَدَلّٰی پر پہنچنا چاہتی ہے۔ اسی لیے میرا خدا جب بلاتا ہے تو کہتا ہے کہ بندے کو لے گیا اور جب بھیجتا ہے تو کہتا ہے کہ رسول کو بھیجا۔ معلوم یہ ہوا کہ رسول کی صفت عبدیت کا جو مقام ہے وہ اور ہے۔ وہ رسول کی صفت رسالت سے افضل ہے۔ بتاؤ جی مجھے انصاف سے بتاؤ۔ کیا کوئی اپنی ذات وصفات اور تمام کمالات کے شمولیت کے ساتھ رسول کی صفتِ رسالت کے برابر نہیں ہو سکتا، تو رسول کی اس عبدیت کے برابر کیا ہو گا۔ جو اس رسالت سے افضل ہے۔ تو صرف لفظوں کے اشتراک سے دھوکہ مت کھاؤ کہ تم اپنے کو بھی بندہ کہہ رہے ہو اور رسول نے بھی اپنے کو بندہ کہا۔ بلکہ یہ سمجھنے کی کوشش کرو کہ رسول کی عبدیت کی حقیقت اور ہے اور تمہاری عبدیت کی حقیقت اور ہے۔ رسول کی بشریت کی حقیقت اور ہے۔ تمہاری بشریت کی حقیقت اور ہے۔ تمہاری حقیقت میں بشریت داخل ہے، مگر رسول کا صرف لباس بشری ہے۔

اسی لیے علماء نے صاف صاف لفظوں میں کہہ دیا: اِنَّ الْبَشَرِیَّۃَ فِیْ نَبِیِّہٖ اِضَافِیَّۃٌ وَعَارِضِیَّۃٌ لَا حَقِیْقِیَّۃٌ۔ بشریت حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے اندر اضافی ہے اور عارضی ہے حقیقی نہیں ہے۔ رسول کی تو بشریت کی شان کیا ہے؟ ہم سے مت پوچھو۔ سیدنا جبرئیل علیہ السلام سے پوچھو کہ حضور آپ تو ملکوتی صفات والے ہیں؛ ذرا کچھ رسول کے بشری حالات تو بتائیں۔ تو کہیں گے نہیں سنا۔ ہم تو ٹھہر گئے تھے سدرہ ہی پر۔ تم نے غور نہیں کیا کہ ملکوتی صفات والا ٹھہر گیا اور بشری صفات والا آگے پہنچ گیا، تو ہماری ملکوتیت ان کی بشریت کا جواب نہیں ہے۔

دیکھ لیا آپ نے حضرت خلیل علیہ السلام کہتے ہیں اِنِّیْ ذَاھِبٌ۔ میں جانے والا ہوں اور خدا کہہ رہا ہے کہ نہیں محبوب نہیں جا رہے ہیں، میں لے جانے والا ہوں اور یہاں پر تو ہم کو ایک جانے والا اور یاد آگیا۔ حضرت کلیم علیہ السلام، یہ بھی گئے تھے طور پر۔ بڑا فضل ان پر اللہ تعالیٰ کا ہوا۔ بڑی رحمتیں ان پر برسیں، مگر خود گئے تھے طور پر اور اسی لیے ہم نے دیکھا کہ جلوے کی کتنی تڑپ ہے، کتنی طلب ہے۔ مگر جلوے ہیں کہ لن ترانیاں سنا رہے ہیں۔ آپ نے

غور کیا کہ جانے والا جب خود جاتا ہے، تو جلوے کی طلب کیا کرتا ہے اور جب کسی کو بلایا جاتا ہے تو گویا خود جلوے اسے طلب کرتے ہیں۔ اس منظر کو دیکھ کر مجھے کلیم اور حبیب میں یہی فرق محسوس ہوا کہ کلیم وہ ہے جو کہے اے خدا دکھا دے اپنا جلوہ۔ اور حبیب وہ ہے کہ خدا خود کہے کہ اے محبوب! آ دیکھ جا۔

بُلانے کا اہتمام

اس سلسلے میں ایک بات اور بھی عرض کردوں۔ یاد رکھو، خود کا جانا اور ہے اور کسی کا بلانا اور ہے۔ اور اگر میں خود سے یہاں آتا، تو کیا کوئی میرے لیے سواری کا اہتمام کرتا۔ ہرگز نہیں، بلکہ دریا سے سفر کرنا پڑتا اور جگہ جگہ بسوں کو بدلنا پڑتا اور ہوتے ہوتے آپ کے شہر ڈیوزبری آتا۔ نہ جانے کتنے لوگوں سے پوچھتے ہوتے آدم بھائی کے مکان پر جاتا اور ممکن تھا کہ مکان پر تالا لگا ہوا پاتا۔ اس کے بعد گر دروازہ کھٹکھٹاتا اور اندر سے آواز آتی اور پھر دروازہ کھلتا تو یہ دیکھتا کہ ساری چیزیں بے ترتیبی سے پڑی ہوتی ہیں اور کوئی انتظام نہیں ہے۔ اس کے بعد یہ بھی پریشان ہوتے کہ آتے بھی تو ٹھیک بارہ بجے آتے۔ اب بہت مشکل ہے کہ جلدی جلدی بڑا انتظام کرنا پڑے گا۔ مگر یقین جانو دوستو کہ جب میں یہاں خود سے نہیں آیا، بلکہ بلایا گیا ہے، تو اہتمام کا عالم یہ ہے کہ جہاں میں تھا، وہیں سواری پہنچ گئی تھی۔ ایک آدمی منتظر رہا۔ نیلسن کے اجلاس کو خطاب کرکے جب میں اسٹیج سے اتر کر ہال کے باہر آیا تو گاڑی لگی ہوئی ملی۔ اور بڑے اطمینان سے سفر کرتا ہوا جب میں اپنی منزل پر پہنچا تو دیکھا کہ یہاں پر سب تیار ہے۔ سارے بستر لگے ہوئے ہیں۔ سارا انتظام ہے۔ ذہن سے سمجھ میں آیا کہ اپنا جانا اور ہے کسی کا بلانا اور ہے۔ جب کوئی بلائے گا تو سواری بھی بھیجے گا۔ حضرت کلیم خود سے گئے تھے نا تو سواری کی کیا ضرورت تھی، مگر حبیب کو جب بلانا ہے تو اے جبرائیل جاؤ براق لے کر جاؤ۔ حضرت میکائیل بھی ہیں، ساتھ ستر ہزار ملائکہ ہیں۔ بڑے اہتمام سے یہ معاملہ ہو رہا ہے اور بلانے والا بُلا رہا ہے اور بڑے اہتمام سے بلا رہا ہے۔ ادھر بھی بیت المقدس میں استقبال کرنے والوں کو پہلے ہی بھیج دیا گیا ہے۔ انبیاء کرام وہاں موجود ہیں۔ اس لیے کہ یہ خود سے نہیں جا رہے ہیں، بُلایا جا رہا ہے اور اس کے

بعد جب یہاں سے اوپر اٹھایا گیا، تو وہاں پر بھی انتظام تیار ہے۔ سب معاملہ تیار ہے۔ دروازے پر ملائکہ لگے ہوئے ہیں۔ استقبال کرنے والے کھڑے ہوئے ہیں۔

جب حضرت جبرئیل نے ساتھ چھوڑ دیا

اور یہاں سے وہاں تک حضرت جبرئیل بھی ساتھ ہیں اور سدرہ پر انہوں نے بھی کہا بس اب آگے میں نہیں جا سکتا۔ یہ تو عجیب بات ہے کہ کوئی ہم کو لنکاسٹر سے لے چلے اور کہے کہ لندن لے جا رہے ہیں، مگر لے جا کر کہیں بیچ میں چھوڑ دے کہ اب آپ آگے جائیے ہم نہیں جاتے اور حال یہ ہے کہ ہم کو راستہ نہیں معلوم تو اگر بیچ میں چھوڑ دے گا تو ہم کہیں گے کہ تم کو جب یہیں چھوڑنا تھا تو لنکاسٹر سے لے کر کیوں چلے؟ لہٰذا بہتر یہی تھا کہ تم وہیں چھوڑ دیتے۔ یہ کوئی ساتھ ہے؟ یہ کوئی رفاقت ہے۔ ایسی جگہ چھوڑ دیا۔ رات کا وقت ہے اور اندھیرا ہے۔ راستہ جانا پہچانا نہیں ہے۔ ایسے وقت میں ایسی جگہ چھوڑ دیا۔ یہ کیسی بات ہے؟ مگر دوستو نہیں! رسول یہ بات نہیں کہہ رہے ہیں کہ اے جبرئیل تم یہیں سدرہ پر کیوں چھوڑ رہے ہو؟ ادھر کا راستہ میرا دیکھا بھالا نہیں ہے۔ جانا بوجھا نہیں ہے۔ جب یہاں ہی چھوڑنا تھا، تو مکہ ہی میں کیوں نہیں چھوڑ دیا۔ اگر بیت المقدس ہی میں چھوڑ دیا ہوتا تو کسی نہ کسی طور پر میں مکے پہنچ جاتا۔ یہ کیا ہے کہ یہاں آ کے چھوڑ دیا؟

واقعی دوستو! اگر رسول کریم بھی ایسے ہی ہوتے کہ ان کا راستہ دیکھا بھالا نہ ہوتا تو یقیناً وہ یہی کہتے۔ مگر نہیں۔ رسول کہہ رہے ہیں کہ اے جبرئیل تم جو ہمارے ساتھ آئے ہو، اس میں ہماری کوئی غرض نہیں ہے۔ اس میں تمہاری ہی کوئی غرض ہو سکتی ہے۔ یہ رسالت مآب کی زبانِ حال کی بولی ہے۔ سرکار گویا زبان حال سے کہہ رہے ہیں۔ ٹھہر جا اے ٹھہرنے والے میرا قدم رکنے والا نہیں ہے اور جہاں میں جا رہا ہوں یہ تو میرا دیکھا بھالا راستہ ہے۔ جب وہیں سے آیا ہوں تو میرا وہاں جانا کیا مشکل ہے۔ غیب کی کوئی ایسی گلی نہیں ہے جو مجھ سے چھپی ہوئی ہو۔ اگر خدا تعالیٰ کو غیب کی کوئی گلی، غیب کی کوئی محفل، غیب کا کوئی گوشہ، غیب کا کوئی ذرہ، غیب کا کوئی قطرہ مجھ سے چھپانا ہوتا تو اپنے آپ کو مجھ پر کیوں ظاہر کرتا۔

حضرت ابراہیم کی میزبانی

حضرت خلیل علیہ السلام ہی سے متعلق ایک واقعہ قرآن کریم میں ہے ؛ ھَلْ اَتٰکَ حَدِیْثُ ضَیْفِ اِبْرَاھِیْمَ الْمُکْرَمِیْنَ ۔ اے رسول! کیا آپ کو ابراہیم کے برگزیدہ مہمانوں کی بات پہنچی ؟ ۔ قصہ یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بارگاہ میں رب تبارک وتعالیٰ نے فرشتوں کو مہمان بنا کر بھیجا ۔ ایک بات بتاؤ مہمان چاہے مفضول ہو چاہے مرتبہ میں کم ہو، مگر میزبان اس کی دل جوئی کرتا ہے، اس کی خاطر مدارات کرتا ہے ۔ مہمان جب پہنچ گیا تو میزبان یہ نہیں دیکھتا کہ یہ مرتبے میں چھوٹا ہے ۔ اپنے بزرگوں کی بارگاہ میں جب میں مہمان بن کر گیا تو انہوں نے ایسی خدمت کی، ایسی نوازش کی کہ مسلسل دل جوئی کرتے رہے اور خاطر مدارات کرتے رہے، تو یہ ان کی فضیلت کے منافی چیز نہیں ہے ۔ تو ملائکہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بارگاہ میں مہمان بنا کے بھیجا گیا ۔ تو جب مہمان بنایا تو حضرت خلیل ان کی خاطر مدارات تو کریں گے ہی، دلجوئی ہی تو کریں گے ۔ وہ مہمان نوازی ہی تو کریں گے ۔ تو حضرت ابراہیم کے یہاں مہمان بنا کے بھیجا گیا اور میرے رسول کی بارگاہ میں وَیُمْدِدْکُمْ رَبُّکُمْ بِخَمْسَةِ اٰلَافٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِیْنَ ۔ ذرا سا غور تو کرو کہ پانچ ہزار نشان والے فرشتوں کو بارگاہِ رسالت میں مہمان بنا کے نہیں بھیجا گیا؛ سپاہی بنا کے نہیں بھیجا گیا ؟ نیز ارشاد باری تعالیٰ ہے؛ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ۔ ایسے ہی فرمایا گیا ؛ وَاَیَّدَہٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْھَا ۔ میرے رسول کی تائید کی گئی ۔ ایک ایسے لشکر سے جسے تم نہیں دیکھ سکتے ۔ تو فرشتوں کو رسول کی بارگاہ میں لشکری سپاہ بنا کر بھیجا گیا ۔ اور سنو جی ! سپاہی محکوم ہوتا ہے ۔ سپہ سالار حاکم ہوا کرتا ہے ۔ تو رسول کے پاس بھیجا تو محکوم بنا کے بھیجا ۔ حضرت ابراہیم کے پاس بھیجا تو مہمان بنا کے بھیجا ؎

فرش والے تیری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

حبیب کی رضا

سیدنا کلیم کی شانِ جلالت کو کون نہیں جانتا؛ یہی حضرت سیدنا کلیم علیہ السّلام بارگاہِ خداوندی میں عرض کرتے ہیں:

عَجِلْتُ اِلَیْکَ رَبِّ لِتَرْضٰی۔ اے رب تعالیٰ! ہم تیری بارگاہ میں بعجلت حاضر ہوئے ہیں ہم نے آنے میں سرعت کی ہے۔ تیری بارگاہِ اقدس میں حاضر ہوئے ہیں۔ لِتَرْضٰی۔ اے رب تاکہ تو راضی ہو جائے۔ عَجِلْتُ اِلَیْکَ رَبِّ لِتَرْضٰی۔ اے رب ہم تیری بارگاہ میں اس لیے آئے ہیں تاکہ تو راضی ہو جائے۔ اور اپنے حبیب کے لیے رب تعالیٰ فرماتا ہے:

وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی۔ اے محبوب ہم تجھے اتنا دیں گے کہ تو راضی ہو جائے فَلَنُوَلِّیَنَّکَ قِبْلَۃً تَرْضٰہَا۔ عنقریب ہم تجھے اس قبلے کی طرف پھیر دیں گے جس سے تو راضی ہو جائے۔ تو حضرت کلیم کہہ رہے ہیں اے رب تو راضی ہو جا اور رب کہہ رہا ہے: اے حبیب! تو راضی ہو جا ؎

فرش والے تیری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

سنو! میں اپنا عقیدہ بھی بیان کرتا چلوں۔ رب کے اوپر واجب نہیں کہ وہ کسی کی رضا چاہے۔ فرض نہیں، لازم نہیں۔ مگر اپنے کرم سے، اپنی عنایت سے، اپنے فضل سے، اپنی بخشش سے، اپنی رحمت سے، اگر وہ کسی کی رضا چاہے تو کسی کے سینے پر سانپ بھی تو نہیں لوٹنا چاہیے۔

وَلَسَوْفَ یُعْطِیْکَ رَبُّکَ فَتَرْضٰی۔ میں تمہیں خوشخبری سنا رہا ہوں کہ جب رب تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا کہ عنقریب تجھے اتنا دیا جائے گا کہ تو راضی ہو جائے گا تو میرے رسول نے کہا تھا کہ اب میں اس وقت تک راضی نہیں ہو سکتا، جب تک میرا ایک بھی چاہنے والا جہنم میں ہوگا ؎

فرش والے تری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

یہی حضرت کلیم جلیل ہیں۔ ان پر بھی وحی نازل فرمائی گئی۔ تو ان سے کیا کیا ارشاد فرمایا گیا، قرآن نے سب بیان کر دیا کہ ہم نے کیا کیا نازل کیا۔ اَنَا اخْتَرْتُکَ فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰی اِنَّنِیْ اَنَا اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ۔ الغرض حضرت کلیم کو جو دیا، وہ سب پر ظاہر کر دیا، مگر جب حبیب کو دینے کا وقت آیا تو فرمایا: فَاَوْحٰٓی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ اے محبوب یہ سننے والے کیا سنیں گے اور یہ راز کی بات کیا سمجھیں گے؟ یہ اس لائق ہی نہیں ہیں کہ جو دیا ہے ان کو بتا دیا جاتے ؎

فرش والے تیری شوکت کا عُلو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

حضرت داؤد کو حکم

سیدنا داؤد علیہ السلام سے کون واقف نہیں ہے؟ کیسے جلیل القدر نبی تھے۔ اچھی طرح یاد رکھنا کہ نبی معصوم ہوتا ہے۔ نبی کے ساتھ ہر وقت تائیدِ الٰہی سایہ گستر رہتی ہے اور نبی کبھی اپنی خواہش نفسانی سے کچھ نہیں کہتا۔ اس کے باوجود سیدنا داؤد علیہ السلام سے کہا گیا لَا تَتَّبِعِ الْھَوٰی فَیُضِلَّکَ عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ۔ اے داؤد اپنی خواہش کی پیروی نہ کرنا کہ وہ تمہیں اللہ کے راستے سے ہٹا دے۔ اپنی خواہش کی پیروی حضرت داؤد علیہ السلام کریں یہ ناممکن۔ نبی ہیں معصوم ہیں بتانا ہے ان کے ماننے والوں کو اور مخاطب کیا گیا ہے نبی کو اے نبی اپنی خواہش کی پیروی نہ کرنا۔ رب تبارک و تعالیٰ اُمت کو بتا رہا ہے اور نبی کو مخاطب فرما رہا ہے، مگر مخاطب تو نبی سے ہے۔ لَا تَتَّبِعِ الْھَوٰی اپنی خواہش کی پیروی نہ کرنا۔ جس رب نے حضرت داؤد سے یہ کہا، وہی رب کہہ رہا ہے مَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی ۝ اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی ۝ میرا محبوب اپنی خواہش سے کچھ نہیں بولتا۔ یعنی اپنی خواہشِ نفسانی سے کچھ کرنا تو بڑی بات ہے۔ میرا نبی تو اپنی خواہش سے کچھ بولتا بھی نہیں، وہ وہی کہتا ہے جو وحیِ الٰہی ہوتی ہے۔ تو جس خدا نے حضرت داؤد سے کہا کہ خواہش کی پیروی نہ کرنا۔ وہی خدا حبیب کے لیے کہہ رہا ہے کہ یہ خواہش کی پیروی کیا کریں گے یہ تو اپنی

خواہش سے کچھ بولتے بھی نہیں۔ الغرض وہاں حکم دیا جارہا ہے ایسا مت کرو اور یہاں وکالت کی جارہی ہے کہ حبیب ایسا نہیں کرتا ؎

فرش والے تیری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

انبیاء کرام کی دعائیں

حضرت نوح اور حضرت خلیل علیہما السلام دونوں سے مختلف مقامات پر یہ دعا منقول ہے ؛ رَبَّنَا اغْفِرْلِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ ط اے رب جو ہمارے خاص ہیں اور ہمارے قریب ہیں نیز ان کی اور ہمارے والدین اور مومنین کی مغفرت فرما۔ دعا فرما رہے ہیں ، اے رب تو مغفرت فرما۔ یہ دعا حضرت خلیل سے بھی منقول ہے اور حضرت نوح سے بھی۔ یہ حضرات خود دعا فرما رہے ہیں اے رب معاف فرمادے۔ مغفرت فرمادے۔

دوستو سوچنے کی بات ہے کہ حضرت خلیل خود پڑھ کر سوال کر رہے ہیں اے رب معاف فرمادے۔ مغفرت فرمادے۔ حضرت کلیم پڑھ کر عرض کر رہے ہیں اے رب مغفرت فرمادے۔ اور حبیب سے رب ارشاد فرما رہا ہے وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ۔ اے محبوب! تم اپنے اور مومنین اور مومنات کے لیے دُعائے مغفرت کرو۔ حضرت کلیم خود دُعا کر رہے ہیں اور محبوب سے رب ارشاد فرما رہا ہے کہ اے محبوب تم دُعا کرو۔ مجھے بتاؤ میرا رسول دُعا کرے گا تو کس سے کرے گا؟ رب ہی سے تو کرے گا۔ تو جس سے دعا کرنی ہے، وہی کہہ رہا ہے کہ اے محبوب! تم دعا کرو یہ کیا بات ہے؟ معلوم یہ ہوا کہ رب تعالیٰ مغفرت دینا چاہتا ہے مگر کہتا ہے کہ اے محبوب پہلے اپنے ہونٹ ہلا دو۔ پہلے تم دعا کرو، ورنہ مغفرت نازل نہ کروں گا۔ اے محبوب! مغفرت تو مجھے نازل کرنی ہے۔ رحمت تو مجھے نازل کرنی ہے، مگر ہونٹ ہلا دو۔ کم سے کم مغفرت پانے والے اتنا تو سمجھ لیں کہ حصولِ مغفرت میں وہ تیرے لبوں کی حرکت کے محتاج ہیں۔

رسول کے ذنب کا مطلب

مگر یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ دیکھو رسول کے لیے کیا کہا گیا وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ اے رسول اپنے ذنب کے لیے مغفرت چاہو۔ ذنب کے معنی جانتے ہو کیا کرتے ہیں؟ گناہ۔ یہاں پر کچھ لوگ اسی تلاش میں ہیں کہ وہ کون سی آیت ہے جس میں رسول کی شان گھٹتی ہوئی نظر آئے، حالانکہ کسی آیت سے بھی رسول کی شان نہیں گھٹتی۔ مگر اپنے خیال میں اپنی سمجھ کے مطابق کہتے ہیں کہ رسول سے کہا گیا کہ اپنے گناہ کی معافی مانگو۔ اس سے پتہ چلا کہ رسول نے بھی گناہ کیا۔ (نعوذ باللہ) میں پوچھتا ہوں اچھا آؤ اور شمار کراؤ کہ رسول نے کتنے گناہ کیے۔ اگر کوئی گناہ ثابت نہیں، تو کس گناہ کی معافی طلب کریں؟ سمجھ کی بات کرو۔ رسول کے مقام کو سمجھو۔ مقامِ نبوت کو سمجھو۔ یہ رسول کا ذنب ہے۔ لذنبك سے متعلق دو گوشے میں آپ کے سامنے رکھوں گا۔ دیکھو یہ پیچھے چلنے والے جو ہوتے ہیں ان کو اتباع اور اذناب کہا جاتا ہے کہ یہ فلاں کے اتباع اور اذناب ہیں جس کو دُم چھلا بھی کہتے ہیں۔ تو اے محبوب اپنے ذنب کے لیے تم دُعائے مغفرت کرو۔ اس سلسلے میں علماء کا ایک ارشاد ہے کہ یہاں ذنب سے مراد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع کرنے والے پیچھے چلنے والے ہیں۔ پھر سوال ہوگا کہ یہ مومنین بھی تو اتباع کرنے والے ہیں، رسول کے ماننے والے ہیں تو مومنین و مومنات کو الگ کیوں کر دیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ رسول پر ایمان لانے والے دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ ہیں جو نیکوکار ہیں اور ایک وہ ہیں جو گنہ گار ہیں اور رسول دونوں کی شفاعت کرنے والے ہیں۔ دونوں کی مغفرت حضور کی شفاعت سے ہوگی تو جو نیکوکار ہیں، ان کو علیحدہ کر دیا اور جو گنہ گار ہیں، ان کو رسول کی کالی کملی میں چھپا دیا۔ اے رسول یہی تو آپ کے ہیں۔ اب اس کو ایسا سمجھو کہ نیکوکار کے پاس تو کچھ اعمالِ صالحہ ہیں، مگر گنہ گاروں کے پاس سوائے رسول کریم کی نظرِ عنایت کے اور کیا ہے؟ سوائے رسولِ اکرم کے کرم کے اور کیا ہے؟ تو کالی کملی کے اندر چھپا دیا گیا ہے ان گنہ گاروں کو اور کہا یہ تمہارے ذنب اور دم چھلے ہیں دیکھو اس کو ایسا سمجھو۔

پتنگ کی دُم

ہماری طرف بچے پتنگ اڑاتے ہیں۔ پتنگ کیا ہے؟ اسے آپ بھی جانتے ہیں اور پہچانتے ہیں، اس لیے کہ جس علاقے سے آپ آئے ہیں۔ وہاں بھی پتنگ اڑائی جاتی ہے۔ اچھا تو پتنگ اڑانے والے کیا کرتے ہیں۔ اس کے پیچھے اتنا بڑا ڈورا یا کوئی چیز لٹکا دیا کرتے ہیں۔ اس کو دم چھلا کہتے ہیں جس کو پتنگ ہی میں باندھ دیا کرتے ہیں۔ اور پھر اس کو اڑاتے ہیں تو جدھر جدھر پتنگ اڑتی ہے ادھر ادھر وہ پیچھے والا دُم چھلا بھی جاتا ہے۔ وہ بھی پیچھے پیچھے اڑتا ہے، جدھر پتنگ کا رُخ ہوتا ہے، ادھر اس کا بھی رُخ ہو جاتا ہے، حالانکہ تنہا اس دم چھلے کو اڑاؤ تو یوں اڑنے کی صلاحیت ہی نہیں ہے۔ مگر اڑنے والے کے دامن کو اس نے تھام لیا ہے تو جیسے جیسے وہ اڑنے والا اڑتا ہے۔ ویسے ویسے پیچھے پیچھے یہ بھی اڑتا ہے۔ مگر سُنو جی! یہ پیچھے پیچھے اڑنے والے پیچھے ہی رہتے ہیں، آگے نہیں جاتے اور نہ برابر ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ پیچھے پیچھے رہتے ہیں اور پیچھے پیچھے ہی اڑتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تمہارے اندر اپنے سے اڑنے کی طاقت نہ ہو تو کم سے کم اڑنے والے کا دامن تو تھام لو۔ جیسے جیسے وہ اڑیں گے، ویسے ویسے تم اڑو گے۔

اب ارشاد کا حاصل یہ ہوا کہ اے رسول جو صرف آپ کی نظر کے محتاج ہیں اور آپ کی کالی کملی کے سوا ان کا کوئی سہارا نہیں ہے، آپ ان کے لیے دعائے مغفرت فرمائیں اور ان کے علاوہ دوسرے مومنین اور مومنات کے لیے بھی دعا کریں۔

وکیل اور موکل کا رشتہ

ایک دوسرے نکتے کی طرف آپ کے ذہن کو لے جاؤں۔ دیکھو ایک ہوتا ہے وکیل اور ایک ہوتا ہے مؤکل۔ ہر وکیل اپنے موکل کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ آپ کورٹ میں جا کر دیکھیں۔ جب دو وکیل لڑتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ دونوں میں ازلی دشمنی ہے۔ یہ اس کی کاٹ کر رہا ہے۔ وہ اس کی کاٹ کر رہا ہے اور ہر وکیل اپنے مؤکل کے جرم کو اپنا جُرم نہ سمجھے تو وکالت میں اخلاص ختم ہو جائے۔ مگر سنو اگر ایک وکیل ہار گیا تو سزا ملتی ہے اس کے موکل کو، وکیل کو سزا نہیں ملتی۔ الغرض وکیل مجرم نہیں ہوتا، بلکہ ذمہ دار ہوتا ہے۔ یہ ذمہ داری ہی کا احساس ہے کہ وہ دوسرے کے

جُرم کو اپنا جُرم سمجھ رہا ہے اور یہی سمجھ کر اس کی وکالت کر رہا ہے۔ سنو جی یہ میرے رسول کا کرم ہے۔ یہ میرے رسول کی رحمت ہے کہ امت کے جُرم کو اپنا جُرم قرار دے رہے ہیں۔ اس لیے کہ وہ ذمہ دار ہیں، نگہبان ہیں۔ امّت کے جُرم کو انہوں نے اپنا جُرم قرار دے کر ان مجرمین کو رحمت کا مستحق بنا دیا ہے ؎

فرش والے تیری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

حضرتِ ابراہیم اور قومِ لُوط

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کو لو۔ سیدنا ابراہیم کی جلالتِ شان سے کون ناواقف ہے؟ میں ایک واقعہ سناؤں، رب تبارک وتعالیٰ نے اس واقعے کو قرآن کریم میں نقل کیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے: وَيُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ۔ حضرت ابراہیم نے قومِ لوط کے بارے میں مجھ سے مجادلہ کیا۔ یُجَادِلُنَا مجادلے کا لفظ ہے۔ حضرت ابراہیم نے عرض ومعروض اور درخواست پیش کرنے میں اتنا مبالغہ فرمایا کہ قرآن کریم نے کہا کہ ابراہیم (علیہ السلام) نے مجھ سے مجادلہ کیا وَيُجَادِلُنَا فِيْ قَوْمِ لُوْطٍ۔ قوم لوط کی نجات کے سلسلے میں ابراہیم نے مجھ سے مجادلہ کیا۔ بے پناہ گزارش۔ بے پناہ درخواست۔ بے پناہ عرض ومعروض تو رب نے کیا کہا: يَا اِبْرَاهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا۔ "اے ابراہیم اس معاملے سے الگ ہو جاؤ۔" میں نے ارادہ کر لیا ہے عذاب نازل ہو کے رہے گا۔ الگ ہو جاؤ اس معاملے سے۔ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا۔ اس سے الگ ہو جاؤ۔ حضرت ابراہیم نے پھر معروضہ پیش کیا: اِنَّ فِيْهَا لُوْطًا۔ اے رب جس قوم پر تو عذاب نازل فرما رہا ہے، اس میں تیرا نبی لوط بھی ہے۔ رب تبارک وتعالیٰ ارشاد فرما رہا ہے: نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَنْ فِيْهَا۔ یہ بتانے کی ضرورت نہیں میں جانتا ہوں کہ اس میں کون ہے میں لوط کو بچا لوں گا، مگر قوم پر ضرور عذاب نازل کروں گا۔ دیکھا آپ نے عذاب آنے والا ہے اور نبی عرض ومعروض پیش کر رہا ہے، مگر جو چیز قضائے مبرم بن چکی ہے، وہ ہو کے رہے گی۔ معروضہ پیش کرنے والا ازراہِ رحمت پیش کرے، یہ اس کی رحمت کا تقاضا ہے۔ یہ اس کی

چشمِ عنایت کا تقاضا ہے۔ نبی قوم میں موجود ہے، مگر عذاب آکے رہے گا۔ ایک نبی سفارش پر سفارش کر رہا ہے، مگر عذاب آکے رہے گا۔ مگر حبیبِ پاک کی بارگاہ میں کیا معاملہ ہے: مَا کَانَ اللّٰہُ لِیُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِیْهِمْ۔ اے محبوب! اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہی نہیں کہ تم ان میں رہو اور وہ عذاب نازل کر دے۔

اے محبوب تمہیں کچھ کہنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ تمہیں کچھ عرض و معروض پیش کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ تمہیں بہت کا فی التجا کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کو تو یہ منظور نہیں کہ تم ان میں رہو اور عذاب آجائے ؎

فرش والے تیری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

یہی سیدنا ابراہیم علیہ السلام ہیں جو بارگاہِ خداوندی میں عرض کرتے ہیں وَاجْعَلْ لِّیْ لِسَانَ صِدْقٍ فِی الْاٰخِرِیْنَ۔ اے اللہ ہمارے ذکرِ خیر کو آخرین میں قائم رکھ، میرے ذکر کو بلند رکھ، میرا ذکر آخرین میں ہوتا رہے۔ یہ دُعا کر رہے ہیں اور حبیب کے لیے خوشخبری سُنائی جا رہی ہے۔ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ۔ وہ مانگنے کے لیے گئے اور میں بے مانگے تجھے دے رہا ہوں۔ وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ۔ اے محبوب! ہم نے تیرے ذکر کو بلند کر دیا اور آگے آؤ دیکھو یہ حضرت کلیم جلیل ہیں، وہ بارگاہِ رب میں عرض کرتے ہیں۔ وَیَضِیْقُ صَدْرِیْ وَلَا یَنْطَلِقُ لِسَانِیْ فَاَرْسِلْ اِلٰی هٰرُوْنَ۔ یعنی اے رب! میں اپنے سینے میں کچھ تنگی محسوس کرتا ہوں اور میری زبان میں لکنت ہے۔ تو حضرت ہارون کو میرا شریکِ کار کر دے۔ نیز دعا فرماتے ہیں: رَبِّ اشْرَحْ لِیْ صَدْرِیْ وَیَسِّرْ لِیْ اَمْرِیْ۔ اے رب! میرے سینے کو کھول دے، میرے معاملے کو آسان کر دے۔ دُعا کرنے والا دُعا کر رہا ہے، مگر رسول سے کیا کہا تھا: اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ۔ اے محبوب! وہاں تو مانگ کر کے سینہ کھلوایا۔ ہم نے تو بے مانگے تمہارا سینہ کھول دیا۔ اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ۔ اے محبوب! کیا ہم نے

تیرے سینے کو نہیں کھول دیا۔ ذرا غور تو کرو۔ ذرا سوچو۔ وہاں عرض و معروض پیش کر کے کوئی اپنا مقصد حاصل کر رہا ہے اور یہاں خاموش ہونے والا خاموش ہے اور رحمتیں ہیں کہ برستی ہی چلی جا رہی ہیں ؎

فرش والے تیری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

حضرت کلیم اور فرعون

اور آگے آؤ اور دیکھو کہ جب حضرت کلیم کو فرعون کے دربار میں بھیجا جانے لگا۔ تو انہوں نے ایک بات کہی تھی اِنَّنَا نَخَافُ اَنْ یُّفْرِطَ عَلَیْنَا اَوْ اَنْ یَّطْغٰی۔ ہمیں اس بات کا ڈر ہے۔ ہمیں اس بات کا خوف ہے کہ کہیں ہم پر فرعون زیادتی نہ کرے۔ کہیں وہ ہمارے ساتھ سرکشی نہ کرے۔ جب اپنے خوف کا حضرت کلیم نے اظہار کیا تھا، تو رب تبارک و تعالیٰ نے اطمینان دیا تھا، لَا تَخَافَا اِنَّنِیْ مَعَکُمَا اَسْمَعُ وَاَرٰی ۔ اے کلیم جاؤ ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم سن رہے ہیں اور دیکھ رہے ہیں۔ الغرض انہوں نے اپنے خوف کا اظہار کیا اور پھر تسلی ہو گئی۔ مگر تم مجھے یہ بتاؤ کہ جب رسول سے کہا گیا تھا، وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ۔ اور اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈراؤ۔ جب رسول سے کہا گیا تھا بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ۔ جو پیغام تم پر اُتر رہا ہے سب کو پہنچاؤ۔ تو کیا رسول نے عرض کیا تھا کہ اے الٰہ العالمین! حضرت کلیم کو تو ایک ہی فرعون سے سابقہ تھا، مجھے نہ جانے کتنے فرعونوں سے سابقہ ہے۔ کتنی فرعونیت رکھنے والوں سے مقابلہ ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں وہ مجھ پر زیادتی نہ کریں؟ نہیں حضور نے ایسا نہیں عرض کیا، بلکہ حکم ملا اور آپ نکل پڑے، مگر چاہنے والوں کا اندازا اور ہے۔ رسول نے کبھی بھی یہ حکم نہیں دیا تھا، مگر کچھ چاہنے والے رسول کے ساتھ ہر وقت رہتے تھے کہ کہیں کوئی رسول کو ایذا نہ پہنچائے، اذیت نہ دے۔ ایسا کہ جیسے باڈی گارڈ ہوا کرتے ہیں۔ وہ اپنی محبت سے، اپنی طبیعت سے آپ کے ساتھ رہا کرتے تھے، مگر رب تبارک و تعالیٰ کو یہ پسند

نہیں تھا کہ کوئی یہ کہہ سکے کہ رسول اپنے دوستوں کے سہارے پروان چڑھ رہے ہیں۔

سرکارِ دو عالم اور چچا

سنو جی! یہ پروان چڑھنے والا اپنی ماں کی آغوش میں پروان چڑھتا ہے۔ باپ کی شفقتوں کے سائے میں پروان چڑھتا ہے۔ دادا کی مہربانیوں کے سہارے پروان چڑھتا ہے۔ مگر تم نے نہیں دیکھا کہ یہ وہ رسول ہے کہ جب اس نے آنکھ کھولی تو باپ کا سایہ اٹھ چکا تھا۔ یہ وہ رسول ہے کہ ماں نے بھی زیادہ ساتھ نہ دیا، اور ساتھ دینے والا چچا ایک مرتبہ بول پڑا تھا اے بھتیجے اب مجھ پر زیادہ بوجھ نہ ڈالو۔ یہ کفارِ قریش آئے تھے۔ مصالحت کی کچھ صورتیں لے کے آئے تھے۔ مان جاؤ، مجھ پر زیادہ بوجھ نہ ڈالو۔ اس وقت میرے رسول نے کیا کہا تھا کہ اگر یہ ایک ہاتھ میں سورج لاکر رکھ دیں اور ایک ہاتھ میں چاند لاکر رکھ دیں، تب بھی میں اپنے مشن سے باز نہیں آسکتا۔ اے ساتھ دینے والے چچا یہ ارادے آپ کے مضمحل کیوں ہو گئے۔ آپ کا بازو شل کیوں ہو گیا؟ آپ نے تو مصیبت اختیار کرنے میں بھتیجے کا ہر وقت ساتھ دینا تھا، یہ کیا معاملہ تھا؟ نہیں، ضرورت تھی کہ چچا کے ارادے مضمحل ہو جائیں۔ ضرورت تھی کہ چچا کا بازو شل ہو جائے۔ ضرورت تھی کہ چچا کے ارادے ٹوٹ جائیں تاکہ دنیا یہ سمجھ لے کہ یہ وہ رسول ہیں جو چچا کے سہارے نہیں پروان چڑھ رہے ہیں، بلکہ خدا کے سہارے پروان چڑھ رہا ہے۔ جانتے ہو کافروں نے کیا شرط رکھی تھی؟ کافروں نے یہ شرط نہیں رکھی تھی کہ اے رسول! تم اپنا دین بدل دو، بلکہ ان کا کہنا تھا کہ تم جس چیز کو مانتے ہو مانو۔ جس دین کو مانتے ہو، مانو۔ جس لائن پہ چلتے ہو، چلو۔ بس اتنی بات سن لو کہ ہمارے معبودوں کو بُرا نہ کہو اور اگر اتنا مان لو تو کہو تمہاری سرداری بھی ہم قبول کرلیں۔ کہو تو ساری دنیا کی دولت تمہارے سامنے ڈھیر کردیں۔ یہ کردیں وہ کردیں۔ اتنا مان لو کہ ہمارے معبودوں کو بُرا نہ کہو۔ رسول نے کہا نہیں، یہ ہم نہیں مان سکتے۔ اس لیے کہ تم چاہتے ہو کہ صرف اثبات ہو نفی نہ ہو پھر ہم کلمہ کیسے پڑھیں گے لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه۔ نہیں ہے کوئی معبود اللہ کے سوا۔ تو پہلے انکار ہے، پھر اثبات ہے، لہٰذا ایسا نہیں ہو سکتا کہ "باغباں بھی خوش رہے راضی رہے صیاد بھی"۔

کیا مولوی بہک سکتا ہے؟

آج بھی کچھ لوگ ایسا مطالبہ کرتے ہیں کہ رسول کی گستاخی کرنے والے مولوی ہیں ان کو بُرا نہ کہو۔ اس موقع پر میں اتنی بات کہے بغیر نہ رہوں گا۔ لوگ کہیں گے ایسے صاحب بتاؤ، جب علم ان کے پاس تھا، تو وہ ایسی بات کہہ سکتے ہیں؟ رات و دن عبادت کرنے والے کہیں ایسی بات کہہ سکتے ہیں۔ کوئی تم سے یہ سوال کرے تو کہو جی ہاں، کہہ سکتے ہیں۔ دیکھو یہ شیطان جاہل نہیں تھا۔ یہ بھی علم والا تھا اور اس کی عبادت کو بھی تم شمار نہیں کر سکتے۔ بے شمار عبادت والا، مگر اس کے باوجود شیطان نے بہک کر بتا دیا کہ علم والے بھی بہکتے ہیں۔ شیطان نے بہک کر بتا دیا کہ عبادت والے بھی بہکتے ہیں۔ شیطان نے بتا دیا کہ ہم فرشتوں کو سبق دے رہے تھے تو جب فرشتوں کو سبق دینے والا بہک سکتا ہے تو دو چار بچوں کو سبق دینے والا اگر بہک جاتے تو تعجب نہیں ہے سہ

فرش والے تیری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

اسلام کی حفاظت

تو رب نے رسول کے لیے کیا کہا۔ الغرض رب کریم کو اپنے رسول کے ارد گرد صحابہ کی حفاظتی تدبیر پسند آئی تو اس نے ارشاد فرمایا کہ اے محبوب! وَاللّٰہُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ۔ اللہ تعالیٰ آپ کو لوگوں سے بچائے گا۔ یعنی یہ باڈی گارڈ رکھنے کی ضرورت نہیں، اپنے چاہنے والوں کو سمجھا دو کہ تمہیں آگے پیچھے رہنے کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ بچائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے جب بچانا شروع کیا، تو ایسا بچایا کہ آج تک بچا رہا ہے۔ یہاں میں ایک نکتے کی طرف آپ کے ذہن کو لے جاؤں گا۔ آج تک بچا رہا ہے۔ دیکھو! کسی بھی نبی کی زندگی کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ان کی حیاتِ جسمانی۔ زندگی کا لفظ ہے جو آپ سمجھتے ہیں وہی۔ اور ایک ہے اس کے پیغام کی زندگی۔ تو دیکھو حضرت عیسیٰ، حضرت موسیٰ، حضرت ابراہیم علیہم السلام۔ یہ اپنے حیاتِ جسمانی کے ساتھ زندہ ہیں، مگر ان کا پیغام آج موجود نہیں۔ ہماری شریعت نے جتنا بتا دیا، اس سے زیادہ کوئی نہیں جانتا۔

مت کہو تو اس سے کہو کہ پہلے تم کلمہ پڑھنا ہی چھوڑ دو۔ کون ہے جو کسی کو بُرا نہیں کہتا۔ ہر دین والا، ہر مذہب والا، ہر ازم والا اپنے عقیدۂ و نظریے کی روشنی میں اپنے سوا کو باطل کہتا ہے۔ اپنے سوا کو باطل سمجھتا ہے۔ دوسرے کو تو یہ حق ہے کہ وہ آپ کو باطل سمجھے اور آپ کو حق نہیں ہے کہ آپ اس کو باطل سمجھیں۔ دوسرے کو تو حق ہے کہ وہ آپ کے کردار پر تنقید کرے۔ دوسرے کو تو یہ حق ہے کہ وہ آپ پر فتوے لگاتے۔ یہاں تک کہ جب آپ اس کو باطل کہتے ہیں، اس پر وہ چڑھتا ہے۔ اس پر وہ اعتراض کرتا ہے۔ یہ بھی تو ایک اعتراض ہے۔ یہ بھی تو انکار ہے۔ یعنی آپ کے اس کہنے کو وہ قبول نہیں کر رہا ہے۔ جب کسی کو برا نہ کہو، تو ہمارے باطل کہنے کو منظور کر لو۔ ہم تمہیں باطل کہتے ہیں ہمارے اس باطل کہنے کو باطل مت کہو تو ہم سمجھ لیں گے کہ تم بڑے صلح کُل ہو۔

بُرا کہنا ہی پڑے گا

دوستو! اگر تم مسلمان ہو تو تمہیں بُرا کہنا ہی پڑے گا۔ اصنام کو بُرا کہنا ہی پڑے گا۔ شیاطین کو بُرا کہنا ہی پڑے گا۔ طواغیت کو بُرا کہنا ہی پڑے گا۔ اللہ و رسول نے جس کو بُرا کہا ہے، اسے بُرا کہنا پڑے گا اور اگر ایسا کہو کہ نہیں نہیں۔ ہمیں ایک ایسا اسلام چاہیئے جس میں کسی کو بُرا نہ کہا گیا ہو۔ کبھی کبھی لوگ خواہش ظاہر کر دیتے ہیں کہ کبھی آپ ایسی تقریر فرمائیں مولانا صاحب کہ جس میں کسی کو بُرا نہ کہا گیا ہو۔ اس میں کسی کو کچھ نہ کہا گیا ہو، تو ہم سوچ میں پڑ جاتے ہیں، ایسے وقت میں ایک مرتبہ ایسے ہی ایک موقع پر میں نے عنوان مانگ ہی لیا تھا۔ بڑے اہلِ علم آپ کے اندر بیٹھے ہوتے ہیں۔ ہم کو ایک ایسا عنوان بیان دو کہ ہم تقریر کریں تو کسی کو تکلیف نہ ہو۔ ہم بھی یہی چاہتے ہیں ہم بھی ایسے ہی مضمون بنائیں کہ دنیا میں کسی انسان کو تکلیف ہی نہ ہو، مگر مشکل ہے۔ ہم بہت غور کرتے ہیں۔ ایسا عنوان ہمیں نہیں ملتا۔ لاؤ ہمیں عنوان دو۔ سوچو غور کرو۔ کبھی بھی عنوان دو گے۔ تو ہم کوشش کریں گے کہ ہم اس عنوان پر اپنے خیالات کا اظہار کریں۔

ذرا غور کرو، کونسا عنوان تم دو گے۔ کونسی بات ہم کہیں کہ رسول کی سیرت بھی بیان ہوتی چلی جاتے۔ رسول کے اوصاف بھی بیان ہوتے جائیں اور کسی کو تکلیف نہ ہو۔ ایسا عنوان

دیکھا آپ نے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وہ زندگی جو ان کے جسم سے متعلق ہے وہ تو ہے، مگر پیغام کی زندگی ختم ہو گئی، مگر میرے رسول کو خدا تعالیٰ نے بچایا اور میرے رسول کو ایسا بچایا کہ وہ تو خیر حیاتِ جسمانی کے ساتھ ہی ہیں، ان کے پیغام کو بھی پہنچایا۔ ہمیشہ رسول کے اسلام پر حملے ہوتے رہے ہمیشہ رسول کے اسلام کو مٹانے کی کوششیں ہوتی رہیں، مگر میرے خدا نے بچایا اور آج تک بچا رہا ہے۔ دیکھو کبھی کوئی انکارِ زکوٰۃ کر رہا ہے۔ آگے چلو خارجیت و قادیانیت کا وبال آیا۔ آگے چلو باطنیوں اور معتزلہ کا طوفان آیا۔ رسول کے اسلام کو مٹانے کے لیے کیسی کیسی سازشیں ہوتی رہیں۔ مگر رب تعالیٰ بچاتا رہا اور اسلام بچتا رہا۔ خدا تعالیٰ نے بچانے کا عہد کر لیا ہے۔ اے رسول! تیرا پیغام ہم پہنچائیں گے۔ تیرے قرآن کی حفاظت ہم کریں گے۔ آج بھی دوستو! وہی دور ہے کہ مختلف جماعتیں رسول کے پیغام کی صورت کو مٹانا چاہتی ہیں اور کچھ بیوقوفوں نے ایک نبی بنا کے کھڑا کر دیا ہے۔ فرضی نبی بنا کے کھڑا کر دیا ہے۔ رسول کی شریعت کو مٹانے کے لیے۔ رسول کے اسلام کی صورت کو بدلنے کے لیے۔ مگر سنو یاد رکھو رسول کے اسلام کو بچانے کی ذمہ داری ہمارے تمہارے سر پہ نہیں ہے۔ رسول کے اسلام کو بچانے کی ذمہ داری اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمۂ کرم میں رکھی ہے۔ اگر آج تم رسول کے مخالف کے مقابلے میں نہیں کھڑے ہوگے تو خدا دوسری قوم پیدا کرے گا جو مخالفت کرے گی۔ اگر تم رسول کے دشمنوں کا ساتھ دوگے تو خدا دوسری قوم پیدا کرے گا جو رسول کے اسلام کو سربلند کرے گی۔ دیکھو ہر دور میں اسلام کو جب مٹانے کی کوشش کی گئی تو کبھی حسین ابن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوتے، تو کبھی امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوتے۔ کبھی امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیدا ہوئے۔ ہر دور میں دین کی حفاظت کے لیے پیدا ہونے والا پیدا ہوتا رہا۔ تم چاہے رسول کے دین کا ساتھ دو یا نہ دو، مگر خدا بچائے گا۔ ہم تم سے یہ کہتے ہیں کہ تم آگے بڑھو تاکہ یہ سعادت تمہیں بھی مل جائے ؎

فرش والے تیری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

ہمیں چاہیے۔ ارے دوستو! بہت مشکل ہے۔ اگر تم دن کا عنوان دوگے، تو رات کو تکلیف ہوگی۔ اگر رات کا ذکر ہم نے چھیڑ دیا، تو دن کو تکلیف ہوگی۔ اگر جناب آگ کی بات ہوئی تو پانی پہ کیا گزرے گی اور پانی کی بات ہوتی تو آگ پر کیا گزرے گی۔ ذرا غور تو کرو حضرت آدم علیہ السلام کی بات ہوتی تو شیطان پر کیا گزرے گی اور اگر شیطان کی بات ہوتی تو حضرت آدم پر کیا گزرے گی۔ ہم سوچ میں پڑ گئے کہ آخر وہ کونسا عنوان ہے جس کو ہم بیان کرتے جائیں اور دنیا میں کسی انسان کو اختلاف نہ ہو۔

اے سیرتِ رسولِ عربی کے بیان کرنے والو! کیا غزوۂ بدر کا بیان نہ ہوگا؟ کیا غزوۂ احد کا بیان نہ ہوگا؟ کیا غزوۂ خندق کا بیان نہ ہوگا؟ اور جب تم غزوۂ بدر کا بیان کروگے، تو یہی تو دکھاؤ گے کہ دیکھو یہ رسول کی جماعت ہے۔ دیکھو یہ ابوجہل کی جماعت ہے اور جہاں تم نے یہ تفریق کی، وہیں تکلیف شروع ہوگئی۔ میں سمجھ ہی نہیں سکتا کہ وہ کونسا عنوان ہے کہ مصطفٰے کا ذکر بھی ہو اور ابوجہل بھی خوش ہو جائے۔

کلمہ پڑھنا مشکل ہو جائے گا

وہ کونسا عنوان ہے کہ ہمارے رسول کی سیرت بھی بیان ہو جائے اور عتبہ و شیبہ کو بھی فرحت ہو۔ عقبہ ابن ابی معیط کو بھی کوئی اعتراض نہ ہو۔ ولید ابن مغیرہ کو بھی کوئی دکھ نہ ہو۔ عبداللہ ابن ابی —— کو بھی کوئی تکلیف نہ ہو۔ ابوجہل اور ابولہب کو بھی کوئی رنج نہ ہو۔ آخر وہ کونسا عنوان ہے کہ رسول کا ذکر ہوتا ہی چلا جائے اور کسی کو تکلیف نہ ہو۔ دوستو! اگر ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو عنوان بنایا تو نمرود کیا سوچے گا اور اگر نمرود کو ہم نے عنوان بنایا تو ابراہیمی کیا کہیں گے اور اگر ہم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عنوان بنایا تو فرعونیوں پہ کیا گزرے گی اور اگر ہم نے فرعون کی تعریف شروع کی، تو موسویوں پر کیا گزرے گی؟ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ کونسا عنوان ہے اور میں تو کہہ رہا ہوں کہ عنوان تو بعد میں متعین کرنا کلمہ پڑھنا مشکل ہو جائے گا، اس لیے کہ اس کلمے کے اندر ہی پہلے انکار کیا گیا ہے، پھر اثبات کیا گیا ہے۔

حضرتِ عیسیٰ سے سوال

اور آگے آؤ۔ دیکھو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا جائے گا قیامت میں۔ کب کیا جائے گا؟

الفاظ پر غور کرو یَا عِیسَیٰ ابنَ مَرْیَمَ أَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰهَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اے عیسیٰ ابنِ مریم کیا تو نے کہا تھا، لوگوں سے کہ مجھے اور میری ماں کو اللہ تعالیٰ کے سوا معبود بنا لو۔ حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام نے نہیں کہا تھا، مگر سوال کتنا پُرجلال ہے۔ تفسیر معالم کے اندر ہے کہ اس سوال کو سن کر حضرت عیسیٰ کے جسمِ مبارک کے ہر بال کی جڑ سے خون کے فوارے جاری ہو جائیں گے۔ یہ جلال ہے پھر حضرتِ عیسیٰ اپنا معروضہ پیش کریں گے۔ رب تبارک و تعالیٰ اس کی تصدیق فرمائے گا۔ مگر میں ایک بات بتاؤں۔ ایک مرتبہ بہانہ بنا کر کچھ لوگوں نے ایک جنگ میں ایک غزوہ میں شریک نہ ہونے کی اجازت رسول سے لی تھی۔ اس پر رسول سے بھی سوال ہوا تھا، مگر سوال کا انداز دیکھو۔ حضرت عیسیٰ جنہوں نے قوم سے نہیں کہا تھا۔ ان سے سوال ہوتا ہے کس قدر پر جلال انداز سے یا عیسیٰ ابن مریم أانت قلت للناس اتخذونی و امی الٰہین۔ اور رسول سے سوال ہوا عَفَا اللّٰہُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَہٗ۔ اللہ تمہیں معاف کرے، کیوں حکم دے دیا۔ دیکھا آپ نے محبت کا کلمہ پہلے رکھ دیا۔ سوال بعد میں کیا ؎

فرش والے تیری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

یہی سیدنا عیسیٰ ہیں، انہیں بھی اپنے مددگاروں کی ضرورت ہوتی تھی، تو انہوں نے کیا کہا تھا مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ۔ مَنْ اَنْصَارِیْ اِلَی اللّٰہِ۔ کون ہے جو میرا مددگار رہے۔ قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰہِ۔ ہم ہیں اللہ کے دین میں مددگار۔

ذرا غور کرو اپنے مددگار کو حضرت عیسیٰ بلا رہے ہیں۔ یہ خدا کو بلا رہے ہیں کہ غیر خدا کو؟ ظاہر ہے کہ حواریین غیر خدا ہی تو تھے۔ معلوم ہوا کہ غیر خدا کو مدد کے لیے بلانا حضرت عیسیٰ کی سنت ہوئی۔ اب اگر کوئی اس کو شرک کہہ دے تو فتویٰ یہاں سے پہلے ادھر لگے گا۔

سمجھ ہی میں نہیں آتا کہ چھیڑیں داستاں کیسے
رُلائیں تو بغاوت ہے ہنسائیں تو بغاوت ہے
حریفانِ چمن کے تلخ نعرے مژدۂ راحت
اگر ہم اتفاقاً گنگنائیں تو بغاوت ہے

ذرا غور تو کرو، وہ سب کچھ کریں، ان کو کرنے دو، تم کچھ مت کرو۔ وہ کتاب لکھتے جائیں لکھنے دو۔ وہ رسول کی اہانت کرتے جائیں، ان کو کرنے دو۔ وہ دین اسلام کے اندر، عقیدے کے اندر بدعتیں نکالتے جائیں، نکالنے دو۔ تم اعتراض مت کرو۔ مطلب یہ ہے کہ اقدام کرنے والا کرتا جائے تم مدافعت بھی نہ کرو۔ ذرا غور تو کرو۔ ذرا سوچو، یہ کیسا انصاف ہوگا؟ کیا اس کو انصاف کہا جائے گا؟ بہر حال میں صرف اتنی بات کہہ رہا ہوں رسول نے اس بات کو منظور نہیں کیا۔ ساری دنیا کی دولت لا کر رسول کے قدموں پر رکھ دو، مگر نہیں، وہ خدا تعالیٰ کے دشمنوں سے کوئی میل و مراسم نہیں رکھ سکتے۔ نہیں سے سمجھ میں آ گیا۔ اگر تم ایک خدا تعالیٰ کو ماننا چاہتے ہو تو لاکھوں کروڑوں جتنے معبودانِ باطل ہیں۔ سب کا انکار کرنا ہوگا، یاد رکھنا اب تم محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اگر ماننا چاہتے ہو۔ تو ان کے سارے دشمنوں سے پرہیز کرنا ہوگا۔ ان کے سارے دشمنوں سے اجتناب کرنا ہوگا۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ تم رسول کے بھی رہو۔ رسول کے دشمن کے بھی رہو۔ یا مثال تمہیں دینی ہوگی کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بھی رہے اور عتبہ کے بھی رہے۔ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول کے بھی رہے اور ولید ابن مغیرہ کے بھی رہے۔ لاؤ صحابہ کرام کی زندگی کا کوئی واقعہ۔ لاؤ تابعین کی زندگی کا کوئی واقعہ۔ لاؤ تبع تابعین کی زندگی کا کوئی واقعہ، کہ وہ رسول کے ماننے والے تھے۔ تو رسول کے دشمنوں سے بھی ان کا کوئی رابطہ تھا اور اگر خیر القرون کے اندر ایسی کوئی مثال نہیں مل سکتی۔ تو ہمارے اتباع کے لائق وہی عہد ہے۔ وہی زمانہ ہے۔

رسول نے سرمایہ ٹھکرا دیا

میرے رسول نے مطالبہ رکھنے والوں سے صاف صاف کہہ دیا تھا نہیں، ہمیں یہ نہیں چاہیئے۔ معلوم

تو حضرت عیسیٰ نے اپنے مددگار کو خود آواز دی۔ اور رسول کے لیے کہا گیا؛ انبیاء سے یہ نہیں کہا گیا تھا کہ دیکھو وہ جب بلائیں تب جانا، بلکہ یہ فرمایا گیا کہ جب میرا حبیب تمہارے زمانے میں آئے تو لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ۔ ان پر ایمان ضرور لانا اور ان کی مدد ضرور کرنا۔ یہ انتظار مت کرنا کہ وہ بلائیں تو جاؤ۔ بلانے کا انتظار نہ کرنا۔ بغیر بلائے ایمان و نصرت کے لیے حاضر دربار ہونا ؎

فرش والے تیری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا

حضرت مریم و حضرت عائشہ کی پاکی کی گواہی

آخر میں چلتے چلتے آپ کی توجہ ایک خاص بات کی طرف لے جانا چاہتا ہوں۔ بتاؤ حضرت مریم پر تہمت لگی؟ یہ واقعہ اکثر بیان کیا جاتا ہے۔ اس لیے میں ادھر ٹھہر کر اطمینان سے آپ کی خاص توجہ چاہوں گا۔ اچھا تو حضرت مریم پر تہمت لگی۔ پاکی کی گواہی کس نے دی؟ حضرت عیسیٰ نے ایام شیر خوارگی میں۔ حضرت یوسف پر تہمت لگی۔ پاکی کی گواہی کس نے دی؟ وہ بھی شیر خوار بچے نے۔ رب کتنا بڑا قادر مطلق ہے کہ پاکی کی گواہی وہ شیر خوار بچوں سے دلا رہا ہے اور آگے آؤ دیکھو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پر بھی تہمت لگی۔ سنو جی۔ اگر میرا رب چاہتا تو شیر خوار بچے پاکی کی گواہی دیتے۔ اگر میرا رب چاہتا تو مکے کی کنکریاں پاکی کی گواہی دیتیں۔ اگر میرا رب چاہتا تو درخت کے پتے پاکی کی گواہی دیتے۔ اگر میرا رب چاہتا تو دریا کے قطرے پاکی کی گواہی دیتے۔ اگر میرا رب چاہتا تو فلک کے ستارے پاکی کی گواہی دیتے۔ مگر میرے خدا نے فیصلہ عجیب فرمایا۔ اے محبوب! یہاں کا معاملہ عجیب ہے، وہاں بچوں نے گواہی دی تھی، مگر یہاں تو انتظام یہ ہے کہ سب کو حکم مل چکا کہ اے ستارو خاموش رہو۔ اے ذرّو خاموش رہو۔ اے دریا کے قطرو خاموش رہو۔ اے پتھرو خاموش رہو۔ اے سنگریزو خاموش رہو۔ اے درخت کے پتو خاموش رہو اور اے میرے محبوب تم بھی خاموش رہو۔ یہ تمہاری زوجہ محترمہ کی بات ہے۔ میں گواہی دوں گا۔ میں بچوں سے گواہی نہیں دلواؤں گا، بلکہ دنیا کی کسی بھی چیز سے گواہی نہیں دلواؤں گا۔ لہٰذا اے محبوب! حکمت یہی ہے تم بھی خاموش

ہوا کہ رسول دولت نہیں چاہتے تھے۔ رسول سرمایہ نہیں چاہتے تھے۔ ورنہ سرداری کا تو بہت ہی اچھا چانس تھا۔ بہت اچھا موقعہ تھا اور ایک بات اور بھی دیکھو۔ سرکار اپنے مقصد پر کیسی گہری نظر فرماتے تھے۔ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی دولت سرکار کے ہاتھ آئی۔ تو انہوں نے اس کو اس لیے نہیں رکھا کہ کسی وقت بڑے امیر کبیر کہلائیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ دین کی ضروریات پر سب مال صرف کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کر دیا الفقر فخری فرماتے رہے۔ چٹائی پر بیٹھتے رہے۔ کمبل اوڑھتے رہے۔ اے اللہ کے رسول آپ نے چٹائی پر بیٹھ کر، چٹائی پر بیٹھنے والوں کو سرفراز کر دیا۔ آپ نے کمبل اوڑھ کر کمبل اوڑھنے والوں کو سربلند کر دیا۔

ذرا سا غور تو کرو دوستو! ایسے رسول کی خدمات کا کوئی عوض دے سکتا ہے۔ کوئی معاوضہ دے سکتا ہے۔ کوئی بدلہ دے سکتا ہے۔ کوئی صلہ دے سکتا ہے۔ اغنیاء زمانہ کا دامن خالی ہے۔ اس بات سے کہ رسول کے خدماتِ عالیہ کا کوئی بدلہ دیں۔ مگر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بعض لوگوں کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی جیسا کہ کچھ شانِ نزول سے بھی اشارہ ملتا ہے کہ کہ بعض لوگوں کے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ کاش ایسا ہوتا کہ رسول کی خدمات اور رسول نے جو بڑی مشقتیں بڑی محنتیں اٹھائیں ہیں۔ ان کا ہم کچھ عوض دے سکتے۔ ہم کچھ بدلہ دے سکتے۔ ان کے دل میں اگر یہ خیال پیدا ہوا تو اس کا صاف جواب یہی تھا کہ نہیں۔ رسول اپنی خدمات کا بدلہ لینے نہیں آتا۔ یہ تبلیغ یہ فریضۂ دعوت کا ادا کرنا یہ رسول کے فرائض منصبی میں سے ہے۔ اپنے فرض کے ادا کرنے میں کوئی بدلہ نہیں چاہتا، کوئی صلہ نہیں چاہتا۔

رسول کے گھرانے کا مزاج

اور دوستو! رسول کا گھرانا تو عظیم گھرانا ہے۔ رسول کی بات تو جانے دو۔ ان کے گھرانے میں آؤ۔ یہ اہل بیت کی مقدس نفوسِ قدسیہ ہیں، ان کو بھی دیکھو۔ قرآن کریم میں

رہو، میں گواہی دوں گا۔ واقعی بڑا اچھا ہوگیا کہ رب تبارک و تعالیٰ نے گواہی دی، ورنہ اگر رسول کریم گواہی دیتے اور بات رسول کی گواہی تک ہوتی۔ تو وہ رسول جو کہتے وہ حدیث بنتی اور جب حدیث یہاں تک پہنچتی تو نہ جانے راویوں کا کیا حال ہوتا اور دشمنِ رسول حضرتِ عائشہ کی شانِ عظمت کے اوپر نہ جانے کیسے کیسے داغ لگاتا۔ حدیث میں جرح کرتا۔ راویوں سے ٹکراتا۔ متن سے الجھتا۔ کیا کرتا معلوم نہیں۔ لہذا اہتمام یہ فرمایا گیا کہ اے محبوب! تم نہ بولو۔ تم بولوگے تو حدیث بنے گی۔ میں گواہی دوں گا تو وہ قرآن کا جزو ہوگی۔ اب یہ قرآن ہے، لہذا اب جو پاکی پر ایمان نہ لاتے۔ اس کا کفر اظہر من الشمس ہے۔

بیوقوف لوگ یہ سوچتے ہیں کہ رسول کو اگر معلوم ہوتا تو کیوں نہ بول دیتے؟ پاکی کی گواہی خود ہی دے دیتے؟ معلوم ہوتا ہے کہ رسول کو خبر نہیں تھی۔ ارے نادانو! رسول کو معلوم ہے جبھی تو خاموش ہیں کہ ادھر سے آیت آنے والی ہے میں کیوں بولوں ؎

فرش والے تیری شوکت کا علو کیا جانیں
خسروا عرش پہ اڑتا ہے پھریرا تیرا
میں تو مالک ہی کہوں گا کہ ہو مالک کے حبیب
یعنی محبوب و محب میں نہیں میرا تیرا
اگر خموش رہوں میں تو تو ہی سب کچھ ہے　　جو کچھ کہا تو تیرا حسن ہوگیا محدود

حضور پر صلوٰۃ و سلام عرض کرنے کے لیے ادب سے کھڑے ہو جایئے۔

پاکیزہ اور ستھری تحریریں جو تمام ڈائجسٹوں سے بے نیاز کر دیں
زلف زنجیر میں پڑھیے

ان کی بھی ادائیں محفوظ نظر آتی ہیں، لَا نُرِیْدُ مِنْکُمْ جَزَاءً وَّلَا شُکُوْرًا۔ یہ بولنے والے کون تھے؟ دیکھو ہم تم سے کوئی جزا نہیں چاہتے۔ جزا چاہنا تو اور بات۔ دولت تو بڑی چیز سرمایہ تو بڑی چیز۔ ہم تو تم سے یہ بھی نہیں چاہتے کہ تم لفظوں میں ہمارا شکریہ ادا کرو۔ مسکینوں کو اپنے آگے کا کھانا اٹھا کر دینے والے۔ اسیروں کو اپنے آگے کا کھانا اٹھا کر کھلا دینے والے۔ قیدیوں کو اپنے اوپر ترجیح دینے والے۔ مسلسل تین دن فاقے سے رہ کر حاجت مندوں کی حاجت کو پوری کرنے والے۔ ایک طرف تو دوسروں کی حاجت پوری کر رہے ہیں۔ اپنے مفاد پر دوسرے کے مفاد کو ترجیح دے رہے ہیں اور دوسری طرف یہ بھی کہہ رہے ہیں ہم تم سے کوئی بدلہ نہیں چاہتے۔ ہم تم سے شکریے کا ایک کلمہ بھی نہیں چاہتے۔ ہم تم سے کلماتِ تشکر بھی نہیں چاہتے۔ تو بتاؤ جب رسول کریم کے گھر کا یہ مزاج ہے۔ جب اہل بیت کا یہ مزاج ہے۔ جب رسول کے گھر میں آغوشِ نبوت کے پروردہ کا یہ مزاج ہے، تو پھر ماننے والے کا کیا مزاج ہوگا؟ تربیت دینے والے کا مزاج کیا ہوگا؟

رسول کا امت سے مطالبہ کیوں؟

ہم تو دیکھتے ہیں قرآن کریم میں انبیاء کرام کی ایک بولی محفوظ ہے

لَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ مِنْ اَجْرٍ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ۔

اے لوگو! سنو ہم تم سے کوئی بدلہ نہیں چاہتے۔ ہمیں جو کچھ لینا ہے، ہم اپنے رب سے لیں گے۔

تو انبیاء کرام تو قوم سے کوئی بدلہ نہ مانگیں۔ کوئی معاوضہ نہ مانگیں، تو پھر سید المرسلین رحمۃ للعالمین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے یہ بات کیسے زیب دیتی ہے کہ وہ رسول اپنے فرائض اور خدماتِ عالیہ کا بدلہ لیں۔ معاوضہ طلب کریں۔ مگر دوستو! ہم دیکھ رہے ہیں۔ قرآن صاف لفظوں میں حکم دے رہا ہے۔ اے محبوب! مانگو۔ اے محبوب! بدلہ مانگو۔ ان سے اجر مانگو۔ وہ قرآن، جو یہ کہے نبی کسی سے کوئی اجر نہیں چاہتے۔ انبیاء بول چکے۔ رسول کے گھر والے بول چکے۔ ہمیں کوئی بدلہ نہیں چاہیے۔ مگر قرآن کریم کہتا ہے اے محبوب! بدلہ مانگو، اجر

خطبہ ٨

محبّتِ اہلِ بیت

قُلْ لَّآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّۃَ فِی الْقُرْبٰی

مَنَّ عَلَیْنَا رَبُّنَا اِذْ بَعَثَ مُحَمَّدًا   اَیَّدَہٗ بِاَیْدِہٖ اَیَّدَنَا بِاَحْمَدًا
اَرْسَلَہٗ مُبَشِّرًا اَرْسَلَہٗ مُمَجَّدًا   صَلُّوْا عَلَیْہِ دَائِمًا صَلُّوْا عَلَیْہِ سَرْمَدًا
ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر   نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید ایں جا
بمصطفٰے برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست   اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی ست
محمد یعنی وہ حرفِ تحسیں کلکِ فطرت کا   محمد یعنی وہ انضباطِ توقیعاتِ ربانی
کہاں کا دشتِ ایمن طور کیا، برقِ تجلّی کیا   وہ سب کچھ تھی جمالِ مصطفٰےؐ کی پرتو افشانی
وہ ناطق جس کے آگے مہر بلب بلبلِ سدرہ   وہ امّی جس کے آگے عقلِ کل طفلِ دبستانی
نمودِ شانِ ربانی، ظہورِ نورِ یزدانی   خدا کا دوسرا کوئی نہ کوئی آپ کا ثانی
ہمارے دین کی حقانیت کے دونوں شاہد ہیں   معین الدین اجمیری محی الدین جیلانی

اگر خموش رہوں میں تو تو ہی سب کچھ ہے
جو کچھ کہا تو تیرا حُسن ہو گیا محدود

درود پاک تین بار: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ
کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی وَاَنْ تُصَلِّیَ عَلَیْہِ۔

امت سے رسول کا مطالبہ

اے محبوب! تم ان سے کہہ دو کہ میں نے جو کارِ ہدایت انجام دیا ہے۔ میں نے جو تمہیں نجات کا راستہ دکھایا ہے

مانگو۔ اجر جانتے ہو کسے کہتے ہیں؟ اجر، کام کرنے والے کا ایک حق امتیازی ہوتا ہے۔ آپ نے کوئی کام دو گھنٹے کیا۔ ہم نے آپ کو اس کا معاوضہ دیا۔ تو معاوضہ لینا کوئی جرم نہیں۔ معاوضہ لینا کوئی بُری بات نہیں۔ معاوضہ لینا کوئی شریعتِ اسلامیہ میں حرام نہیں کوئی ناجائز نہیں۔ کوئی ناپسندیدہ نہیں۔ مگر سنو جی! ہم آپ کے معاوضے کے مستحق ہو جائیں اور معاوضہ مانگ لیں تو کچھ خاص بُری بات نہیں، لیکن اگر آپ مستحق ہونے کے بعد یہ کہہ دیں کہ ہمیں کوئی معاوضہ نہیں چاہیئے۔ ہمیں کوئی بدلہ نہیں چاہیئے۔ ہمیں کوئی جزا نہیں چاہیئے، تو آپ کے اعلیٰ کردار ہونے کی دلیل ہے۔ آپ کا چرچا ہو گا۔ آپ کی شہرت ہو گی کہ دیکھو اس نے آٹھ گھنٹے کام کیا، مگر کہتا ہے ہمیں کوئی بدلہ نہیں چاہیے۔ ہمیں کوئی جزا نہیں چاہیئے۔ ہمیں کوئی صلہ نہیں چاہیے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ انسان اخلاقی قدروں کی بلندیوں پر فائز ہے۔ یہ انسان نہایت ہی رحیم و کریم ہے۔ یہ انسان تہایت ہی سخی ہے۔ یہ انسان اپنے اندر مروّت کا ایک بحرِ بے کراں رکھتا ہے۔ تو کتنی خوبی کی بات ہے۔ معلوم یہ ہوا کہ بدلہ مانگنے میں اتنی خوبی نہیں ہے جیسا کہ نہ مانگنے میں۔ بلکہ یہ کہہ دینے میں ہے کہ ہمیں کوئی اجر نہیں چاہیئے۔ اجر سے اپنے آپ کو الگ کر لینے میں جو خوبی ہے، وہ مانگنے میں تہیں ہے۔ چاہیے تو یہ تھا کہ رسول سے یہ کہلایا جاتا کہ اے رسول کہہ دو ہمیں کوئی اجر نہیں چاہیئے ہمیں کوئی بدلہ نہیں چاہیئے، مگر ہم دیکھتے ہیں کہ رسول کو یہ حکم دیا جا رہا ہے۔ نہیں مانگو۔ مانگو، اور اپنی امت سے مانگو۔ اپنے چاہنے والوں سے مانگو۔ سوال کرو، مانگو۔ دینے والے تو بعد میں دیں گے مگر مانگنا پہلے فرض ہو گیا۔

قُلْ اے محبوب! کہو ان سے لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبٰى۔ کا کیا مطلب؟ اس میں رسول کا کیا فائدہ؟ جب ہم تمام تشریحات و تفصیلات کو سامنے رکھ کر آپ کے سامنے خلاصہ پیش کرتے ہیں، تو معلوم ہوتا ہے کہ رسول جو بدلہ مانگ رہے ہیں، اس میں کچھ رسول کا فائدہ نہیں۔ دو گھنٹے کام کرنے والے انسان نے کہا ہمیں بدلہ نہیں چاہیے۔

میں نے جو تمہارے سامنے ہدایت کی روشنی پیش کی ہے اور فریضۂ دعوت و تبلیغ ادا کیا ہے میں تم سے اس کا کوئی بدلہ نہیں چاہتا۔ اپنی اہلِ بیت، اپنی قرابت۔ اپنی ذریات کی محبت کے سوا۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم میری آل سے محبت کرو۔ یہ ایک اعلان ہے جو حضورِ اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان رسالت مآب سے کرایا جا رہا ہے۔ وہ رسول جس نے ہمارے لیے نہ جانے کتنی مشقتیں برداشت کیں، کتنی تکلیفیں اٹھائیں۔ وہ رسول جو ہماری فلاح و بہبود کے لیے کس قدر پریشانیوں سے دوچار ہوئے۔ کیسی کیسی اذیتیں آپ کو پہنچائی گئیں۔ کبھی درّۂ کوہ میں محصور کیا گیا، آب و دانہ نہ پہنچانے کی قسمیں کھائی گئیں۔ راہ میں کانٹے بچھائے گئے۔ جسم مبارک پر پتھر برسائے گئے۔ دندانِ مبارک کو شہید کیا گیا۔ تاریخ اسلام کا مطالعہ کرنے والو! رسول کی اس زندگی کو دیکھو جس کا منشا صرف تمہاری صلاح و فلاح تھی۔ کیا رسول کی ان خدمات کا کوئی اجر ہو سکتا ہے؟ کیا تم اس کا کوئی بدلہ دے سکتے ہو؟ کیا اس کا کوئی معاوضہ پیش کیا جا سکتا ہے؟ کیا رسول یہ سب اس لیے کر رہے تھے کہ اس کا کوئی صلہ ملے گا؟ کیا رسول اس دنیا میں کسی اجر کے امیدوار تھے؟ کیا رسول کو دولت کی ضرورت تھی؟

مشرکین عرب کی پیشکش

اگر میرا رسول دولت چاہتا تو مشرکین کی اس پیشکش کو نہ ٹھکراتا۔ جب وہ ابوطالب کی وساطت سے آ کر یہ کہہ رہے تھے۔ اے محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) تمہیں کیا چاہیے۔ اگر سرداری چاہیے تو ہم اپنا سردار مان لیں۔ اگر دولت چاہیے تو ہم قدموں پر سرمایہ کا انبار لگا دیں۔ اگر حسن و جمال چاہیے تو عرب کا منتخب حسن آپ تک پہنچا دیں اور کیا چاہیے۔ کس لیے یہ سب کچھ آپ کر رہے ہیں۔ مصالحت اور صلح کی اس منزل پر یہ آئے تھے۔ کفار و مشرکین نے یہ نہیں کہا تھا ہم یہ ساری چیزیں آپ کو اس شرط پر دیں گے کہ آپ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنا چھوڑ دیں۔ آپ اپنے دین اسلام سے باز آ جائیں۔ نہیں۔ مصالحت تو اس بات پر ہو رہی تھی کہ آپ ہمارے معبودوں کو برا نہ کہیں۔ خود کسی راستے پر رہیں۔ ہزار بار آپ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھتے رہیں۔

ہم کہتے ہیں بہت اچھا انسان اجر نہیں چاہتا۔ کیوں؟ اس لیے کہ اس بدلے سے صرف اس کی ذات کو فائدہ تھا۔ اگر وہ لے جاتا تو اس کی ذات کو فائدہ تھا۔ اس نے اس فائدے سے اپنے آپ کو ہٹا لیا۔ کہا جاتا ہے یہ اچھا انسان ہے، مگر یہاں معاملہ کچھ اور ہے کہ رسول جو اجر مانگ رہے ہیں وہ ایسا اجر ہے کہ جس میں رسول کا کوئی فائدہ نہیں ہے جس سے مانگ رہے ہیں اسی کا کوئی فائدہ ہے۔ اسی کی اس میں فلاح ہے۔ اسی کا مستقبل سنور رہا ہے۔

اہل بیت کی محبت کا اصرار کیوں؟

ذرا غور کرو تمہاری مستقبل کی فیروزمندی کے لیے تمہارے مستقبل کو درخشاں کرنے کے لیے رسول کیسا پیارا انداز اختیار فرما رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں سنو! ہمیں بدلہ چاہیے۔ ایسا بدلہ نہیں چاہیئے جس کی ہمیں ضرورت ہے۔ ایسا بدلہ جس کی تمہیں ضرورت ہے اور سنو ہم جو بدلہ مانگتے ہیں ہمارے لیے اس کا مانگنا اس لیے ضروری ہے کہ اس میں سراسر تمہارا فائدہ ہے۔

ذرا غور تو کرو کونسا بدلہ؟ میرے اہل بیت سے محبت کرو۔ اس میں امت کا کیا فائدہ؟ یہ اہل بیت کی محبت پر اس قدر اصرار کیوں؟ یہ سوچنے کی بات ہے۔ دیکھو اگر رسول کی قرابت والے اگر رسول کی اہل بیت عام انسانوں کی طرح ہوتے تو کوئی وجہ نہیں تھی کہ ان کی محبت کو رسول اپنی رسالت کا اجر قرار دیں۔ اس لیے کہ آپ قرآن کریم کے مزاج کو پہچانتے ہیں، وہاں قرابت پر اطاعت و اتباع کو ہمیشہ ترجیح حاصل ہے جو اطاعت کرنے والے ہیں، وہ اور ہیں۔ اور اطاعت و اتباع کو ہمیشہ ذاتی تعلقات پر ترجیح حاصل رہی ہے۔ قرآن کریم کے اندر اس مفہوم کی آیت آپ کو ملے گی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے حقدار وہی ہیں جو ان کی پیروی کریں۔ قرآن کریم کے اندر یہ واقعہ ملے گا کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے ڈوبتے ہوئے بچے کو دیکھ کر جب یہ بات کہی تھی، الہ العالمین تیرا وعدہ سچا ہے۔ رب تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا تھا: اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ ۔ اے نوح! وہ تمہارا اہل ہے ہی نہیں۔ میں نے اہل کو بچانے کا وعدہ

ہم یہ نہیں کہتے کہ آپ اپنے دین کو چھوڑ دیں، مگر اتنی بات ہماری مان لیں کہ ہمارے معبودوں کو بُرا نہ کہیں۔ اگر آپ ہماری اتنی بات مان لیں، تو پھر تمہیں کیا چاہیے کہ ہم تمام شرائط کو منظور کرتے ہیں ہم اپنا سردار بنانے کے لیے تیار ہیں۔ ہم دولت و سرمایہ آپ کے قدموں پر لانے کے لیے تیار ہیں، مگر سرکارِ عربی نے کیا پیارا جواب دیا تھا۔ تاریخ کے صفحات پر سنہرے نقوش سے یہ الفاظ آج تک ثبت اور نمایاں ہیں کہ "ایک ہاتھ میں تم سورج لا کر رکھ دو اور دوسرے ہاتھ میں تم چاند لا کر رکھ دو، پھر بھی میں اپنے مشن سے باز نہیں آسکتا۔

منافقت کی بدترین صورت

ذرا غور تو کرو جس کا کلمہ ہو لا الٰہ الا اللّٰہ نہیں ہے کوئی معبود اللہ کے سوا۔ وہ کافروں کی احمقانہ پیش کش کو کیسے قبول کر سکتا تھا۔ یاد رکھو، صرف اثبات سے کوئی مومن نہیں بنتا۔ اثبات سے پہلے نفی کی ضرورت ہوتی ہے۔ تم خدا کو ہزار مانو، مگر اگر معبودانِ باطل کا انکار نہ کرو، تم کبھی مومن نہیں ہو سکتے۔ تم خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں لاکھ سجدے کرو، اگر تم لا الٰہ کا اقرار نہ کرو تو بھی مسلمان نہیں ہو سکتے۔ اسلام اس وقت آپ کو ملے گا، جب پہلے لا الٰہ کہہ لیں پھر الا اللّٰہ کہیں۔ پہلے نفی پھر اثبات، پہلے انکار پھر تصدیق۔ ایک خدا کو ماننے کے لیے یہ ضروری ہے جتنے باطل معبود ہیں، ان کا انکار کیا جائے۔ ایک خدا کو ماننے کے لیے ضروری ہے کہ جتنے دشمنانِ خدا ہیں، ان سے اجتناب کیا جائے۔ ان سے کنارہ کشی کی جائے۔ ماننے کا طریقہ یہی ہوا کرتا ہے۔ یہ کوئی ماننے کا طریقہ نہیں کہ ہم آپ کو بھی مانیں اور آپ کے دشمن کو بھی مانیں۔ آپ کے دشمنوں سے بھی سازباز رکھیں، "باغباں بھی خوش رہے، راضی رہے صیاد بھی" یہ ماننا نہیں ہے۔ یہ منافقت کی بدترین صورت ہے کہ ہم آپ کے بھی بنے رہیں اور آپ کے دشمنوں کے بھی بنے رہیں۔ اسلام ایک ستھرا دین ہے، وہ ہمیں فریب نہیں دے سکتا۔ وہ ہمیں ایسی تعلیم نہیں دے سکتا کہ جس میں انسان مومن کے بجائے منافق ہوتے۔ اسی لیے اسلام کا کلمہ پہلے یہی ہے لا الٰہ الا اللّٰہ پہلے انکار پھر اثبات۔ جب کوئی یہ کہے کہ نہیں بھئی کسی کو برا مت کہو۔ کسی کو ایسا ویسا

کیا اور جو ڈوب رہا ہے، وہ تمہارے اہل سے نہیں ہے۔ کیا مطلب؟ یعنی وہ بہت ہی بے عمل بدعمل، بدکار انسان ہے، وہ تمہارے اہل میں سے نہیں۔ تو یہاں اہل کا ایک خاص مفہوم متعین کیا گیا کہ دیکھو نبی کا بیٹا ہے، وہ بھی ایمان و عمل سے اگر دور ہے تو نبی کا بیٹا ہونا اس کے کام نہیں آسکتا ہے۔

پسرِ نوح بابداں بنشست　　　خاندانِ نبوتش گم شد

صرف نبی کے بیٹے ہونے سے کچھ نہیں ہوتا۔ معلوم ہوا کہ اگر اطاعت و اتباع کا رشتہ مضبوط نہیں ہے۔ تو صرف ظاہری بیٹے ہونے سے کچھ نہیں ہوتا۔ نالائق بیٹا، بیٹا نہیں ہوا کرتا۔ ناخلف بیٹا اس لائق نہیں ہوتا کہ اس کی نسبت اس کی طرف کی جائے جس کا وہ بیٹا ہے۔ معلوم ہوا کہ اطاعت کی بڑی اہمیت ہے۔ اتباع کی بڑی اہمیت ہے تو میرے رسول قرابت والوں کی محبت پر اصرار کیوں کر رہے ہیں؟ اگر یہ رسول یہ کہتے کہ دیکھو جو میری اطاعت کرتے ہیں، ان سے محبت کرو۔ جو میری اتباع کرتے ہیں ان سے محبت کرو۔

تو بات سمجھ میں آتی؟ مگر رسول تو اجرِ رسالت ان تمام باتوں کو قرار نہیں دے رہے ہیں۔ ٹھیک ہے خلفائے راشدین کی اتباع کو بھی ضروری قرار دیا۔ صحابہ کرام کی پیروی کو بھی ضروری قرار دیا، مگر اجرِ رسالت کے طور پر جس چیز کو رسولِ کریم مانگ رہے ہیں، وہ اپنے قرابت داروں کی محبت مانگ رہے ہیں۔ اس محبت سے امت کو فائدہ کیا ہے؟ اس محبت میں امت کے لیے رکھا کیا ہے؟ دوستو محبت کے اندر ایک جذبہ وکشش ہوتی ہے۔ محبت کرنے والے اس حقیقت کو سمجھتے ہیں۔ یہ کوئی عقلی استدلالی چیز نہیں ہے کہ ہم عقل و استدلال کی روشنی میں سمجھائیں کہ محبت کے جذب وکشش کا عالم کیا ہوتا ہے۔ یہ ایک وجدانی چیز ہے۔ یہ ایک ایسی چیز ہے کہ جو محبت کرتا ہے، وہی سمجھتا ہے کہ محبت کیا ہے؟ اسی لیے کسی کہنے والے نے کہا ع

فیضانِ محبت عام تو ہے، عرفانِ محبت عام نہیں

اہلِ محبت کی کیفیت

محبت کا فیضان ضرور عام ہے، مگر محبت کا عرفان محبت کی معرفت محبت کی پہچان یہ بہت مشکل ہے۔ ایسا شخص محبت کو نہیں پہچان سکتا۔ جو خود جذبِ محبت سے خالی ہو۔ یہ ایک کیفیت ہے۔ کیفیت دور سے پہچانی نہیں جا سکتی۔ مثال کے طور پر یوں سمجھیے۔ یہ آگ کا شعلہ جل رہا ہے۔ یہ آتش کدہ بھڑک رہا ہے۔ اس میں ایک انسان جل رہا ہے۔ اس کے جلنے کی جو تکلیف ہے، اس کے جلنے کی جو کیفیت ہے کنارے رہنے والے کیسے محسوس کر سکیں گے۔ اس کا تڑپنا ضرور دیکھیں گے۔ اس کی بے چینی ضرور دیکھیں گے۔ اس کی آواز کی پکار ضرور سنیں گے۔ مگر جو جلن اسے محسوس رہی ہے۔ باہر رہنے والو تم اس کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ اب وہ کہہ رہا ہے کہ میری حرارت کا عالم یہ ہے۔ اب اس کے کہنے پر تمہیں ماننا ہوگا۔ نہیں مانوگے تو اس کے انداز سے تم یہی سمجھوگے یہ کوئی دیوانہ نظر آرہا ہے۔ اتنے سرخ سرخ خوبصورت سے انگارے اُٹھ رہے ہیں۔ اس میں یہ چلا رہا ہے۔ اس میں یہ چیخ رہا ہے۔ اس میں یہ تڑپ رہا ہے۔ یہاں سے دیکھو کہ کتنے اچھے لگتے ہیں یہ انگارے۔ کتنی اچھی لگتی ہیں یہ چنگاریاں، مگر پوچھو اس سے جو اس میں جل رہا ہو تو کنارے رہ کر کے تم طوفان کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ تم کنارے رہ کر کے آگ کی حرارت کا عرفان نہیں حاصل کر سکتے۔ یہی دوستو محبت کا معاملہ ہے جن کو محبت کی کوئی دولت نہیں ملی۔ محبت کا کوئی حصہ نہیں ملا۔ وہ اہلِ محبت کو کیا جانیں۔ وہ کیا جانیں کہ حضرت بلال حبشی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دل میں وہ کونسی آگ روشن تھی؟ وہ کیا جانیں کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مقام کیا تھا؟ وہ کیا جانیں کہ حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کیا عالم تھا؟ وہ کیا جانیں صحابہ کرام کے عشقِ رسول کا عالم کیا تھا؟ واقعی دوستو! میں کہتا ہوں، میرا ضمیر کہتا ہے۔ اگر ہم اس دور کے انسان صحابہ کو دیکھتے تو مجنون سمجھتے۔ دیوانہ سمجھتے۔ نہ جانے کیا کیا سمجھتے اور دوستو اگر وہ ہم کو دیکھ لیتے تو ہم نہیں سمجھتے ہیں کہ وہ ہمیں کیا سمجھتے۔ اگر وہ ہمیں دیکھ لیتے تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ ان کے پاس ہمارے لیے استعمال کرنے کے لیے کوئی لفظ ہوتا بھی کہ نہیں ہوتا۔

محبت کی فطرت

دوستو! ذرا سوچو۔ محبت محتاج دلیل نہیں ہوا کرتی۔ محبت اپنے محبوب کے فضائل کو دلیل سے نہیں سمجھتی۔ محبت اپنے محبوب کے کمالات کے لیے بُرہان نہیں چاہتی۔ محبت اپنے محبوب کے مقام کو سمجھنے کے لیے حجت نہیں چاہتی۔ یہ کیسے اہلِ محبت ہیں؟ جو رسول کے مقام کو سمجھنے کے لیے دلیل مانگ رہے ہیں۔ بُرہان چاہتے ہیں۔ میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ محبت کا مزاج کچھ ایسا ہے کہ اگر عیبی محبوب ہو تو اس کے عیب کو چھپایا جاتا ہے۔ اگر کمی ہے تو اس کی کمی کو ختم کیا جاتا ہے۔ رسول کے دشمنوں کو ہم خوب جانتے ہیں کہ تم کو جس سے محبت ہے، تم بھی اس کے عیب کو چھپاتے ہو۔ ہم جانتے ہیں کہ محبت کی فطرت یہی ہے، جو جس کا ہوتا ہے، اس کو ماننے کے لیے دلیل تلاش نہیں کرتا۔

تو محبت کے اندر جذب و کشش ہوتی ہے۔ محبت میں یہ تڑپ ہوتی ہے کہ محبوب کی صورت سے ہماری صورت ملے۔ محبوب کے کردار سے ہمارا کردار ملے۔ محبوب کی چال سے ہماری چال ملے۔ محبوب کی رفتار سے ہماری رفتار ملے۔ محبوب کی گفتار سے ہماری گفتار ملے۔ کوئی دیکھے تو اسے ہمارا محبوب یاد آجاتے۔ دیکھا آپ نے یہ مزاج ہوتا ہے محبت کا۔ تو رسول نے دیکھا اپنے اہلِ بیت کی رفتار کو، اپنے اہلِ بیت کی گفتار کو، اپنے اہل بیت کے کردار کو، بڑا بھروسہ تھا رسول کو اپنے اہل بیت پر، تو سوچا کہ جب امت ان کی محبت میں گرفتار ہو جائے گی تو ہم اس امت سے جو چاہتے ہیں، وہی چیز حاصل ہو گی۔ واقعی یہ امت صحیح اسلام والی امت بن جائے گی، لہٰذا رسول نے سوچا کہ اپنی امت سے صاف لفظوں میں کہہ دیا جائے کہ تم میرا اگر کچھ بھی احسان مانتے ہو تو اس کے بدلے میں مجھے یہی دو کہ میری اہل بیت سے محبت کرو۔

حسنین کریمین کو ٹریننگ

رسول کو علم ہے کہ یہ میری ذریات عام ذریات جیسی نہیں ہیں۔ ان کو دیکھو تو خدا یاد آتے۔ ان کے قریب بیٹھو تو خدا تعالیٰ نزدیک ہو جائے۔ ان سے دور ہو جاؤ تو خدا تعالیٰ سے دور ہو جاؤ۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے ان کی تربیت کی ہے۔ ہم نے ان کو آغوش میں پالا ہے۔ ہم نے

ان کو کاندھے پر چڑھایا ہے۔ ہم نے ان کو اپنی پشتِ مبارک پر بٹھا کر تربیت دی ہے۔ بتاؤ انصاف سے بتاؤ سیدنا امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کاندھے پر ہیں اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ دوسرے کاندھے پر ہیں۔ کاندھے پر دو بچوں کو چڑھا لینا یہ کوئی عیب کی بات نہیں ہے۔ یہ کوئی بُری بات نہیں ہے۔ محبت میں رسول نے حسنین کو کاندھوں پر بٹھا لیا اور اس کے بعد حضرات حسنین ایک مطالبہ کر رہے ہیں کہ یہ اونٹوں پر بیٹھنے والے اپنے اونٹوں کی لگام پکڑے ہوئے ہیں، حضور ہمارے لیے تو کوئی لگام نہیں ہے، تو سرکار نے اپنے سرِ مبارک کے مُوئے مبارک کی طرف اشارہ کیا کہ اس کو تم پکڑ لو۔ اب ذرا غور کرو۔ آپ کہیں گے کہ بچوں کے بہلانے کی بات ہے۔ مگر سنو یہ رسول کا فعل ہے۔ یہ نبی کا کردار ہے فِعْلُ الْحَكِيْمِ لَا يَخْلُوْا عَنِ الْحِكْمَةِ۔ (حکیم کا فعل حکمت سے خالی نہیں ہوتا)، یہ رسول ٹریننگ دے رہے ہیں۔ یہ رسول مشق کرا رہے ہیں کہ اے میرے نورِ چشمو! اے میرے دل کے ٹکڑو! آج میرے مُوئے مبارک کو مضبوطی سے تھام لو، کل میری امت کی لگام تمہیں تھامنی ہے۔ کل میری امت کی ہدایت کا ذریعہ تمہیں بننا ہے۔ تو میرے رسول یہ سب کچھ سکھا رہے ہیں۔

تم اس پیارے واقعے کو یاد کرو میرے رسول سجدے میں ہیں۔ حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ پُشتِ مبارک پر آئے اور آنے کے بعد رسول نے اپنے سجدے کو طویل کر دیا۔ جب حضرت حسن اتر گئے تو سر اٹھایا۔ کیا سکھایا۔ اس میں اے حسن: اسی عمر میں دیکھ لو کہ مجھے تم سے محبت ہے اگر تیری محبت نے مجھے غافل نہیں بنایا تو میری پیٹھ پر آیا تو میرا نقصان نہیں ہوا۔ بلکہ خدا تعالیٰ کا سجدہ طویل ہو گیا۔ ذکرِ الٰہی اور تسبیحِ ربانی کی تعداد بڑھ گئی۔ معلوم یہ ہوا کہ اے بچوں سے محبت کرنے والو! اگر کرو تو ایسی محبت کرو کہ خدا تعالیٰ سے غافل نہ ہو۔ خدا کا ذکر اور بڑھ جائے۔ خدا کا سجدہ اور طویل ہو جائے۔ تسبیح و تہلیل کی مدت اور دراز ہو جائے۔ رسول کو اپنے تربیت یافتہ افراد پر اعتماد ہے۔ بھروسہ ہے اور سمجھ رہے ہیں کہ ساری دنیا ایک طرف ہو جائے گی، مگر یہ میرے مشن کو چھوڑ نہیں سکتے۔ یہ میرے پیغام کو پہنچانا چھوڑ نہیں سکتے اور واقعی نہیں چھوڑا۔ حضرت خواجہ اجمیری علیہ الرحمہ

۱ جن کے عرس کی مقدس محفل میں آج ہم آپ شریک ہو کر اپنے آپ کو انوار و تجلیات سے فیضیاب کر رہے ہیں۔ انہوں نے کیا پیاری بات کہی تھی ؎

شاہ است حسین بادشاہ است حسین
دین است حسین دیں پناہ است حسین
سر داد نہ داد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الٰہ است حسین

اہل بیت کے لیے ارشاداتِ نبوی

تو لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی بنیاد حضرت امام عالی مقام کیسے بنے؟ یہ رسول کی تربیت تھی۔ اسی لیے رسول نے اجرِ رسالت کے طور پر ان کی محبت کو مانگ لیا اور واقعی دوستو! دشمنی چاہے ان کی کرو، چاہے دوستی کرو۔ ان کی محبت کو اپنی محبت قرار دیا۔ ان کی عداوت کو اپنی عداوت قرار دیا۔ یہ سب الفاظ کیوں احادیث میں ہیں؟ الفاظِ حدیث اس طرح ہیں: اَلْحَسَنُ وَالْحُسَیْنُ سَیِّدَا شَبَابِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ (حسن اور حسین جنتی جوانوں کے سردار ہیں) یہ کیوں کہا جا رہا ہے؟ اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَعَلِیٌّ بَابُھَا (میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہیں) یہ کیوں کہا جا رہا ہے؟ یَا عَلِیُّ حُبُّکَ اِیْمَانٌ وَبُغْضُکَ نِفَاقٌ (اے علی تمہاری محبت ایمان ہے اور تمہارا بغض نفاق ہے) یہ کیوں کہا جا رہا ہے؟ اَحَبَّ اللّٰہُ مَنْ اَحَبَّ حُسَیْنًا وَاَبْغَضَ اللّٰہُ مَنْ اَبْغَضَ حُسَیْنًا۔ (جس نے حسین سے محبت کی، اللہ نے اس کو اپنا محبوب بنا لیا اور جس نے حسین سے عداوت کی، اس نے اللہ کو اپنا دشمن بنا لیا۔

ذرا غور تو کرو دوستو! ایسی باتیں کیوں فرمائی جا رہی ہیں؟ یہ کیوں کہا جا رہا ہے؟ یہ میرے دونوں دُنیا کے پھول ہیں۔ یہ سارے مقامات کیوں بتائے جا رہے ہیں۔ یہ منزل کیوں دکھائی جا رہی ہے؟ اس لیے کہ ان کو ماننے میں ان کو چاہنے میں ہمارا فائدہ ہے؛ ان سے جب ہم محبت کریں گے، تو ہدایت پر رہیں گے۔ واقعی دوستو! کیا پیاری بات کہی ہے میری سرکار نے:

حُبُّ عَلِیٍّ یَاکُلُ الذُّنُوبَ کَمَا تَاکُلُ النَّارُ الْحَطَبَ۔ (یعنی علی کی محبت گناہوں کو ایسے کھا جاتی ہے جیسے آگ لکڑی کو کھا جاتی ہے) مگر دوستو! اتنا سمجھ لینا محبت کے لفظ سے الجھ کے مت رہ جانا۔ یہ نہ سمجھ لینا، یہ ٹھیک ہے اب محبت کر لیں گے، حج کی کیا ضرورت ہے؟ نہیں دوستو! اگر تم علی سے محبت کرو گے تو تم نماز پر بھی مجبور ہو گے۔ روزے پر بھی مجبور ہو گے۔ ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ ان کی محبت دل میں ہو اور ان کی اداؤں سے محبت نہ ہو۔ ان کی عبادت سے محبت نہ ہو۔ ان کے کردار سے محبت نہ ہو۔ ان کی رفتار اور گفتار سے محبت نہ ہو۔ لفظ محبت سے الجھنا نہیں ہے۔

محبّت کی تشریحیں

ہمیں محبت کی حقیقت میں ڈوب کر بات سمجھنی ہے محبت کے عجیب مزاج ہوتے ہیں کتنی تشریحیں عرض کروں لفظ محبت کی۔ چند باتیں سامنے کی عرض کرتا ہوں۔ میں نے یہاں کسی جمعہ پر اس کی تھوڑی سی تشریح کی تھی اور یہاں کچھ نئے چہرے دکھائی پڑ رہے ہیں۔ تو میں چاہتا ہوں کہ وہ آپ حضرات بھی سماعت فرمائیں۔ دیکھو، بہت گہرے درجات کی طرف تو میں نہیں لے جاؤں گا کہ محبت کے کتنے درجے ہیں اور وہ فناء الفناء کا درجہ کیا ہے کہ انسان اپنے آپ کو محبوب کی ذات وصفات میں ایسا فنا کر دے کہ اس فنا ہونے کا بھی عرفان نہ ہو۔ اپنے کو فانی کہنے کی بھی اس میں سکت نہ ہو۔ ایسا فنا کر دے تو یہ فناء الفناء کی منزل ہے۔ دیکھو دوستو! مٹنے کو وہ بھی مٹ گیا، وہ بھی فنا ہو گیا۔ وہ قطرہ بھی فنا ہو گیا جو دریا میں گیا۔ وہ قطرہ بھی فنا ہو گیا جو ساحل پہ آکر سر پٹک کر رہ گیا، مگر دونوں کے فنا ہونے میں فرق ہے کہ وہ قطرہ جو جا کے پانی سے ملا، وہ فنا ہو کے ایسا باقی ہوا کہ اب اس کو مٹانے کے لیے پورے دریا کو مٹاؤ اور وہ قطرہ جو ساحل پہ آگیا، اس کا وجود ہی ختم ہو گیا۔ تو مطلب یہ ہوا کہ جب حق حق سے ملتا ہے تو فنا بھی ہوتا ہے، اور باقی بھی رہتا ہے اور جب حق باطل سے ملتا ہے تو بالکل فنا ہو جاتا ہے۔ اس کا وجود ہی ختم ہو جاتا ہے۔ قطرہ قطرے سے ملا تو دریا بنا۔ دریا سمندر میں گیا تو سمندر ہو گیا۔ سارے دریا

ساری بہنے والی ندیاں سمندر میں جا کے فنا ہو جاتی ہیں، مگر دوستو! فنا ہو کے بھی باقی رہتی ہیں، سمندر تو نہیں بنتیں، مگر فنا ہو کے بھی باقی رہتی ہیں۔ ان کے فنا ہونے کا بھی کوئی ادراک نہیں ہوتا۔ تو یہ ایک وجدانی کیفیت ہے کہ اس کی تشریحات کو سمجھانا اور سمجھانا دونوں دشوار ہے۔ میں ایک اور ہلکی بات آپ کے سامنے عرض کردوں کہ دیکھو میاں محبّت کے لیے جو کم سے کم درجات ہیں، وہ یہ ہیں کہ تم اپنے محبوب کے ساتھ زیادہ سے زیادہ سلوک کرو اور سمجھو کہ بہت کم کیا اور محبوب اگر تمہارے ساتھ تھوڑا کردے تو سمجھو، بہت زیادہ کیا۔ غور کرو صحابہ کرام کی زندگی کا مطالعہ کرو کہ انہوں نے اپنی زندگی کو اللہ کے رسول کے قدموں پر قربان کردیا۔ سرکار نے اگر کسی کے لیے کوئی اچھا فقرہ استعمال کیا، تو وہ اسی پر فخر کرتے رہے۔

علی ولی

سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جا کر پوچھو کہ کیا کچھ لٹایا۔ انہوں نے سرکار کے قدموں پر اور سیدنا علی المرتضیٰ جن کا نام علی ہے اور علی نام کے اندر کتنی خوبی ہے۔ اتنا ستھرا نام ہم تو دیکھتے ہیں کہ یہ ایسا نام ہے کہ اس نام کو بگاڑو تو بنتا ہے۔ بعض نام بگاڑیں تو بگڑ جاتے ہیں۔ مگر علی کا نام ایسا ہے کہ بگاڑو تو بنتا ہے، مثال کے طور پر ایک چیز ہے جس کو تابع مہمل کہتے ہیں۔ آپ کہتے ہیں چلیے چائے وائے پی لیجیے۔ تو چائے تو سمجھ میں آگئی۔ یہ وائے کیا چیز ہے؟ کھانا وانا، پانی وانی بولنے کا عام رواج ہو گیا ہے۔ اس کو تابع مہمل کہتے ہیں۔ لفظ کا وہ تابع ہوتا ہے۔ مگر مہمل ہوتا ہے اور طریقہ بہت آسان ہے۔ پانی کو مہمل کرنا ہے تو "پ" کو ہٹا کر واؤ لگا دو۔ وانی۔ کھانا کو مہمل کرنا ہے تو کھ کو ہٹا کر واؤ لگا دو وانا، مہمل ہو گیا۔ چائے وائے چ کو ہٹایا واؤ لگا دیا۔ مہمل ہو گیا۔ یہی طریقہ ہے، مگر کتنا پاکیزہ اور کتنا ستھرا نام ہے، سیدنا علی مرتضیٰ کا کہ اگر آپ علی ولی کہیں، یہی تو کہیں گے نا علی ولی۔ آپ تابع مہمل بنانے چلے تھے۔ مہمل بنانے چلے تو ولی بنے۔ یہ بگڑنے والے نہیں، اس لیے کہ رسول نے ان کو بنا دیا۔ رسول نے ان کو سنوار دیا ہے، تو ان کے نام کا بگاڑنا مشکل ہے۔ ان کی ذات کو کوئی کیا بگاڑ سکے گا۔ تو کتنا پاکیزہ نام کتنا ستھرا نام، مگر یقین جانو ایک مرتبہ سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ

خاک پر لیٹے ہوتے ہیں اور جسم مبارک پر خاک کا کچھ حصّہ لگ گیا ہے۔ میرے رسول نے دیکھا اور کہا یَا اَبَا تُرَاب کنیت رکھ دی۔ تُراب کہتے ہیں مٹّی کو اور اب کہتے ہیں باپ کو۔ اے مٹّی کے باپ یَا اَبَا تُرَاب۔ اے مٹّی کے باپ یہ کون سا اچھا نام تھا۔ یہ کون سی خوبی والی بات تھی۔ مگر سیّدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کو جب کوئی ابوتراب کہتا تھا تو وہ اتنا مسرور ہوا کرتے تھے جیسے دارین کی انہیں نعمت مل گئی ہے، اس لیے کہ یہ محبوب کے منہ کا نکلا ہوا فقرہ ہے۔ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آپ ابوہریرہ کہہ رہے ہو۔ یہ ابوہریرہ کیوں؟ نام جانتے تہیں ہو۔ ان کے نام کے اندر تو اتنا اختلاف ہے کہ پتہ ہی نہیں کہ ان کا صحیح نام کیا ہے۔ لوگ فراموش کر گئے نام۔ بلّیوں سے ان کو محبت تھی اور وہ ایک بلّی اپنی آستین میں چھپا کر کہیں جا رہے تھے۔ سرکار نے دیکھ لیا۔ عربی میں ہرہ بلّی کو کہتے ہیں۔ ہریرہ بلّی کے بچّوں کو کہتے ہیں۔ کہا یَا اَبَا هُرَیْرَةَ۔ یَا اَبَا هُرَیْرَةً۔ مطلب یہ ہے کہ اے بلّیوں والے۔ اے بلّیوں کے باپ۔ اتنا کہنا تھا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ بات اتنی پسند آئی کہ بس وہ اپنے آپ کو یہی بتاتے رہتے کہ ہم ابوہریرہ ہیں۔ اتنا بتایا، اتنا بتایا کہ لوگ ان کا نام ہی بھول گئے کہ ان کا نام کیا ہے؟ تم محبوب کے ساتھ کوئی بھی سلوک کرو، سمجھو کچھ بھی نہیں کیا اور وہ ایک فقرہ دے دے، تو سمجھو ساری کائنات مل گئی۔

محبت کا تقاضا

محبت کا تقاضا یہ ہے کہ اگر محبوب کی زندگی بھر تم اطاعت کرو تو سمجھو کچھ بھی نہیں کیا اور اگر ایک نافرمانی ہو جائے، سمجھو بہت کچھ ہو گیا۔ زندگی بھر اطاعت کرو، زندگی بھر فرمانبرداری کرو، سمجھو کہ ہم نے کچھ کیا ہی نہیں۔ ایک نافرمانی ہو جائے تو سمجھو کہ ایک عظیم بات ہو گئی جو نہیں ہونی چاہیے۔ یہ محبت کی علامتیں ہیں۔ یہ محبت کی نشانیاں ہیں۔ نیز محبت کا یہ بھی تقاضہ ہے کہ محبوب کی موافقت کرو۔ محبوب کی اطاعت کو اپنے اوپر لازم کر لو۔ یعنی وہ جس بات کا حکم دے، اس کی بھی اطاعت کرو اور جس بات کا وہ حکم نہ دے، وہ بھی کرو۔ الغرض جس کی وہ خواہش کرے اسے ضرور کرو، چاہے وہ کہے یا نہ کہے۔ یہ موافقت نہیں کہ جب محبوب موجود ہو، تبھی اطاعت ہو، بلکہ موجود ہو۔ جب بھی وہی عالم ہو۔ غیوبت میں ہو۔

غائب ہو۔ جب بھی وہی عالم ہو، یعنی صرف محبوب کے سامنے ہی نہ اطاعت شعار بنو، بلکہ اس کی اطاعت اس کے سامنے بھی کرو اور جب اس سے ہٹ جاؤ۔ اس کے سامنے سے کہیں باہر چلے جاؤ، تب بھی محبوب کی اطاعت کرو۔ ایک بڑی پیاری بات اس سلسلے میں کہی گئی ہے کہ محبوب کے اوپر اپنی جان و مال اپنی پوری کائنات، اپنے خواطر، اپنے عزائم، اپنے دلی ارادے، اپنی کیفیات سب کو ایسا قربان کردو کہ سب کا لسے سمجھ لو اور سب کچھ اس پر قربان کرنے کے بعد بھی سمجھو کہ ابھی ہم نے کچھ کیا ہی نہیں، ابھی ہم کچھ کر ہی نہیں سکے۔

محبت کی تشریح کرتے ہوئے ایک عجیب پیاری بات کہی گئی ہے۔ وہ اہلِ فہم حضرات کے لیے بہت ہی اونچی اور گہری بات ہے۔ کہا دیکھو محبوب سے محبت کرو تو تمہاری کیفیت یہ ہو کہ تم کو اپنے اوپر شرم آئے۔ محبوب کو اتنا عظیم، اتنا بلند سمجھو، اتنا برتر سمجھو کہ اپنی محبت کی وجہ سے تمہیں شرم آئے کہ میں اتنا نیچا میں اتنا کم، اس کے باوجود اتنے اونچے اور عظیم المرتبت محبوب کو چاہتا ہوں۔ تو میں نے محبت کر کے گویا اپنے محبوب کی توہین کر دی۔ اس لیے کہ کہاں میں اس لائق کہ میرا وہ محبوب بنے تو مجھے غیرت آتی ہے کہ میں اسے اپنا محبوب کہوں۔ مجھے شرم آتی ہے کہ میں اسے اپنا محبوب ظاہر کردوں۔ الغرض محبوب کو عظیم سے عظیم سمجھو اور اپنے کو حقیر سے حقیر شمار کرو۔ دوستو یہ ہے محبت کی بات۔

عجیب محبت

مگر یہ عجیب حیرت کی بات ہے کہ لوگ رسول سے محبت بھی کریں اور رسول کو اپنی طرح سمجھیں۔ رسول سے محبت بھی کریں اور رسول کی عظمت کا تصور بھی ذہن میں نہ ہو، حالانکہ محبت کا مزاج یہ ہے کہ محبوب کو عظیم سمجھا جائے۔ اس کے مقابلے میں اپنے آپ کو حقیر تصور کیا جائے اور پھر یہ سوچا جائے کہ ہم نے اس کو اپنا محبوب بنا کر کچھ اس کی شان نہیں بڑھائی، بلکہ ہمیں تو شرم آنی چاہیے کہ ہم چھوٹے اور اتنے عظیم کی محبت کو اختیار کر کے ہم نے اپنی طرف سے ان کو اپنا محبوب کہہ دیا۔ تو یہ گویا ان کی ایک طرح کی توہین ہوگئی۔

دوستو! یہ سب وجدانی کیفیات ہیں جو محبت کے جس درجے پر فائز تھا، اس نے محبت کی وہی تشریح کر دی۔ تو میرے رسول اس لیے تمہیں اپنی اہلِ بیت اور اپنی آل کی محبت

کا پابند کر رہے ہیں؛ اپنے آل کے فضائل اور اپنے آلِ اطہار کے اوصاف اس لیے بیان کر رہے ہیں کہ جب تم ان سے محبت کرو گے، تو اس وقت ان کی اطاعت کرنے پر مجبور ہو گے اور جب تم ان کی اطاعت کرو گے تو اسلام کا جو مقصد ہے، وہ حاصل ہو جائے گا۔ دیکھو کتنا بڑا کرم ہے کہ ہم ان کی اطاعت کریں۔ ہمارا جو اطاعت کا فریضہ ہے، وہ ادا ہو، خدا کا فرض ادا ہو، رسول اسے اپنا اجر قرار دیں۔ ذرا غور تو کرو، ذرا سوچو، سراسر فائدہ ہمارا، سراسر نفع ہمارا اور سرکار کہیں کہ تم نے ہمارا صلہ دے دیا۔ تم نے ہمارا بدلہ دے دیا۔

محبت کی آزمائش

مگر دوستو! صرف محبت کا پیغام پہنچا کر بات ختم نہیں ہوتی۔ محبت کی آزمائش بھی ہوتی۔ فرمائشوں کی تکمیل پر محبت کی آزمائش ہوتی ہے۔ سنتِ الٰہیہ دیکھو، تو کیا جب محبت کرنے والوں نے کہا ہمیں محبت ہے تو انہیں چھوڑ دیا گیا؟ نہیں۔ اے خلیل! محبت ہے تو دیکھو آتش کدہ تیار کیا جا رہا ہے۔ محبت ہے، تو اپنے بیٹے کو اپنے ہاتھ سے ذبح کر دو۔ محبت ہے تو اے زکریا! سر پہ آرا چل جائے، مگر اُف نہ کرنا۔ محبت ہے تو اے یحییٰ! گلے پر تلوار گزر جائے، اُف نہ کرنا۔ محبت ہے تو اے نوح! پتھروں سے تمہارے سر لہولہان ہوں، اُف نہ کرنا۔ ذرا غور تو کرو محبت کا جس نے جتنا بڑا دعویٰ کیا، وہ اتنی ہی بڑی آزمائش میں مبتلا کیا گیا۔

الغرض محبت قربانیوں سے آزمائی جاتی ہے، ورنہ یہ دسترخوان والی محبت، ایسے تو چاہنے والے بہت ملیں گے، مگر گردن کٹانے والی محبت، ایسے بہت کم ملیں گے۔ میرے رسول کے پاس جو قوم جمع ہوئی تھی۔ وہ قوم دسترخوان والی محبت والی نہیں تھی، بلکہ اپنے پیٹ کے اوپر پتھر باندھ کر رسول کے اوپر اپنی متاعِ کائنات کو لٹانے والی قوم تھی۔ یاد رہے کہ آزمائش کا پتہ چلے گا اطاعت سے۔ جب آپ کسی سے محبت کریں اور اطاعت نہ کریں۔ محبت کریں اور اتباع نہ کریں اور پیروی نہ کریں، تو ہم سمجھ لیں گے کہ جس کو آپ محبت کہتے ہیں۔ یہ نفاق کا دوسرا نام ہے جس کو آپ محبت کہتے ہیں یہ نافرمانی کی سنگین علامت ہے معلوم یہ ہوا کہ محبت کا مزاج ہی کچھ اور ہوتا ہے —

صحابہ کرام رسولِ کریم کی سب سے زیادہ اطاعت کرنے والے تھے۔ مولیٰ تعالیٰ ہمارے اور آپ کے دلوں کو رسول کی محبت کا مدینہ بنا دے اور ہمارے اور آپ کے دلوں میں رسول کی محبّت کو ایسی جگہ دے کہ ہم بھی اس محبّت کا کچھ عرفان حاصل کریں اور اس محبت کے صدقے میں ہم بھی اطاعت و اتباع کی منزلیں طے کر سکیں۔

الغرض محبت کوئی مذاق نہیں ہے ہمیں تو حضرت امام رضا یاد آگئے۔

محبّت کی آزمائش بارگاہ امام رضا میں

حضرت امام رضا کے سامنے ابو سہل خراسانی بیٹھے ہوئے تھے۔ انہوں نے دوستوں کی کثرت کی بات چیت کی کہ اے امام آپ کے چاہنے والے تو بہت ہیں، آپ پر جان چھڑکنے والے تو بہت ہیں۔ آپ کے پروانے بہت ہیں۔ حضرت امام رضا علیہ الرحمہ نے ان کی بات سنی اور اس کے بعد حکم دیا، ذرا شعلے بلند کرو جب انگارے روشن ہو گئے تو ان سے کہا میں حکم دیتا ہوں کہ تم انگارے میں چلے جاؤ۔ وہ معذرت کرنے لگے۔ امام آپ مجھے معاف کر دیں۔ مجھ سے یہ نہیں ہوگا۔ حضرت امام خاموش رہے۔ اتنے میں حضرت امام کے چاہنے والے حضرت ہارون مکی علیہ الرحمہ دور سے آتے ہوئے نظر آئے۔ اور جب وہ آئے۔ آتے ہی حضرت امام نے کہا ہارون! اس آگ میں داخل ہو جاؤ۔ انہوں نے پوچھا بھی نہیں کہ حضرت معاملہ کیا ہے؟ بات کیا ہے حضرت امام نے کہا اور وہ داخل ہو گئے۔ جب داخل ہو گئے تو اس کے اندر آگ نے ان کو کچھ نہیں کہا۔ مگر وہ تو چلے گئے۔ یہ اور بات ہے کہ جو داخل ہونے کا حکم دیتا ہے، وہ آگ کو بجھانا بھی جانتا ہے اس کو ٹھنڈا کرنا بھی جانتا ہے مگر پہلے تمہارا امتحان ہو گیا۔ آزمائش تو ہو گئی دوستو! جہاں تک نعمتوں کے ملنے کی بات ہے، جہاں انعام و اکرام کی بات ہے۔ اگر اس کے لیے محبت کرنے والوں کی لسٹ بنائی جائے، تو لسٹ اتنی بڑی ہوگی کہ دو چار لائبریریاں تیار ہو جائیں گی اور اگر یہ یقین ہو جائے کہ تمہیں خدا کی راہ میں جان و مال خرچ کرنا ہے تو پھر شاید ہی کوئی نظر آئے۔ پھر تو آپ کو بہت بڑے کاغذ کی ضرورت نہیں ہے، ایک پوسٹ کارڈ سے کام چل جائے گا۔

محبّت کی آزمائش میدانِ کربلا میں

دوستو! محبّت والے ہمیشہ آزمائے گئے۔ حضرت امام عالی مقام سے محبّت کرنے والوں کی جو آزمائش ہوئی ہے۔ تاریخ نے وہ آزمائش نہ دیکھی ہوگی۔ چشمِ کائنات نے ایسا عالم نہ دیکھا ہوگا۔ کیا تم فراموش کر سکتے ہو سرزمین کربلا کو؟ کیا تم عاشورہ کی رات کو فراموش کر سکتے ہو؟ محبّت کرنے والوں کی کتنی بڑی آزمائش ہوتی ہے۔ ذرا غور کرو، یہاں حضرت امام عالی مقام مصیبتوں میں گھرے ہوتے ہیں۔ تین دن سے بھوکے اور پیاسے ہیں اور ان کے اصحاب اور اعوان ان کے حضور بیٹھے ہوتے ہیں۔ حضرت امام مشورہ دے رہے ہیں کہ سنو! ہم تمہیں اپنی بیعت سے آزاد کررہے ہیں۔ حضرت امام رضا نے تو حکم دیا تھا۔ یہاں حکم کا بھی سوال نہیں ہے۔ یہاں تو بیعت سے بھی آزاد کردیا اور آزاد کر کے کہا سنو! تم سے جھگڑا نہیں ہے۔ تم جاؤ گے تو راستہ کھلا ہوا ملے گا۔ ہماری مدد کے لیے آنے والوں کے لیے راستہ بند ہے، مگر ہمیں چھوڑ کر جانے والوں کے لیے راستہ کھلا ہوا ہے تم جاؤ اور ہم کوئی مواخذہ نہ کریں گے، مگر دوستو! یہ سن کر سب خاموش ہیں۔ کچھ نہیں بول رہے ہیں۔ کچھ نہیں کہہ رہے ہیں۔ حضرت امام نے سوچا کہ ان کے دل میں خیال آتا ہوگا کہ ہم جب رسول کے نواسے کو چھوڑ جائیں گے تو قیامت کو ہم رسول کو منہ کیا دکھائیں گے۔ تو حضرت امام نے خود ہی فیصلہ فرما کر کہا کہ سنو فکر مت کرنا قیامت کی۔ چلے جاؤ بخشوانے کی میں ذمّہ داری لیتا ہوں۔ میں بخشواؤں گا تم چلے جاؤ۔ تمہیں کوئی ضرورت نہیں ہے کہ تم اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالو۔ پھر دیکھتے ہیں کہ وہ سب بدستور اپنی جگہ پر خاموش ہیں تو حضرت امام نے سوچا کہ لاؤ کوئی بہانہ تلاش کیا جائے۔ کہا کہ دیکھو ایسا کرو کہ تم لوگ جاؤ اور ایک ایک میرے گھر کے بچّوں کو بھی لیتے جاؤ تاکہ باہر والا تم سے کبھی کچھ پوچھے کہ تم امام کو کیوں چھوڑ کر چلے آئے تو کہہ دینا کہ امام نے ہمیں اپنے کام سے بھیجا ہے۔ ہم امام کو چھوڑ کر نہیں آئے بلکہ امام نے ہمیں اپنے کام سے بھیجا تھا۔ ہم ان کے بچّوں کو لے کر آئے ہیں۔ مگر نہیں اس وقت بھی سب خاموش ہیں تو امام سوچتے ہیں کہ چراغ جل رہا ہے۔ روشنی ہے ہم ان کو دیکھ رہے ہیں۔ یہ ہمیں دیکھ رہے ہیں۔ لاؤ چراغ

کو گل کر دیا جائے کہ تاریکی ہو جائے گی تو ہو سکتا ہے اندھیرے میں کوئی چلا جائے۔ ابھی جاتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے حیا آتی ہے تو حضرت امام نے چراغ کو گل کر دیا تو گل کرنے کے تھوڑی دیر بعد جب چراغ روشن کیا تو دیکھا کہ سارے اصحاب ویسے ہی بیٹھے ہوئے ہیں اور ان کے بیٹھنے کا انداز بتا رہا ہے کہ اے امام اگر ہم اس شمع کے پروانے ہوتے تو اس کے گل ہوتے ہی یہاں سے چلے جاتے ہیں، مگر ہم تو اس شمع امامت کے پروانے ہیں، یہ شمع جل رہی ہے اور پروانہ چلا جائے یہ پروانے کے مزاج کے خلاف ہے۔ ہم اس شمع کے بجھنے سے پہلے ہی اپنے آپ کو بجھا دیں گے، مگر اپنی زندگی میں اس شمع کو بجھنے نہ دیں گے۔ کمر خمیدہ حضرت مسلم ابن عوسجہ کھڑے ہوئے ہیں اور اس کے بعد کہتے ہیں کہ اے امام! آپ ہم سے جانے کی بات کرتے ہیں۔ خدا کی قسم ہم اپنے نیزوں سے ان کا مقابلہ کریں گے اور اگر ہمارے نیزے ٹوٹ گئے تو ہم اپنی تلواروں سے ان کا مقابلہ کریں گے اور اگر ہمارے ہاتھ میں تلواروں کا دستہ نہ رہا تو ہم پتھروں سے ان کا مقابلہ کریں گے اور اگر میں اس قابل بھی نہ رہا کہ پتھر چلا سکوں، تو آپ کے قدمِ ناز میں اپنی جان کو قربان کر دوں گا مگر جا نہیں سکتا۔ ایک صاحب کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے کہا کہ اے امام! آپ کیا بات کریں گے؟ کیا کہہ رہے ہیں؟ اگر ہمیں بار بار جلایا جائے۔ زندہ کیا جائے، جلایا جائے، زندہ کیا جائے پھر بھی ہم آپ کی اطاعت و رفاقت نہیں چھوڑ سکتے۔

ذرا سا غور تو کرو، یہ امتحان ہو رہا ہے محبت کرنے والوں کا۔ یہ آزمائش ہو رہی ہے محبت کرنے والوں کی اور یقیناً ان محبت کرنے والوں نے یہ ثابت کر دیا کہ امام کے چاہنے والے کیسے ہوتے ہیں۔ واقعی رسول نے جو اجرِ رسالت مانگا تھا کربلا والوں نے دے دیا اور ان کی وفاداری کی مثال اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتی ہے کہ جب تک ان میں ایک بھی زندہ رہا۔ بنی ہاشم کے دامن پر آنچ نہ لگ سکی جب تک ان میں ایک بھی زندہ رہا آلِ امام اور آلِ رسول پر ایک خراش تک نہ آ سکی۔ جب تک ان میں ایک بھی زندہ رہا تو آلِ امام اور آلِ رسول کا دامن نہ بھیگ سکا۔ تو بہادروں نے جو وعدہ کیا تھا رات کو، دن میں اسے سچ کر کے دکھا دیا۔ میں اس کی تفصیلات میں آپ کو کہاں تک لے جاؤں۔ مجھے تو صرف یہ

دکھانا ہے کہ محبت بغیر آزمائش کے سمجھی نہیں جا سکتی۔ تو اے خدا و رسول کے چاہنے والو اور اے اولیائے کرام اور بزرگانِ دین کی محبت کرنے والو نہ جانے کیسی کیسی آزمائشیں تمہاری ہو سکتی ہیں۔ نہ جانے کیسے کیسے امتحانات تمہارے ہو سکتے ہیں۔ ہر امتحان اور ہر آزمائش کے لیے تمہیں تیار ہونا چاہیے۔ یہ ہم جانتے ہیں کہ ہمارے اندر کوئی حسین ابن علی نہیں۔ یہ ہم جانتے ہیں کہ ہم میں کوئی خالد ابن ولید نہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ ہم میں کوئی ابو عبیدہ نہیں۔ کوئی صدیق نہیں، کوئی فاروق نہیں، کوئی عثمان نہیں، کوئی حیدرِ کرّار نہیں۔ مگر ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ ہمارا خدا رحیم و کریم ہے۔ ان کے ساتھ جو امتحان کی صورت ہے، وہ ہمارے ساتھ نہیں ہے۔ ہمارے لیے تو کچھ نہیں۔ ہمارے لیے تو یہ پانچ وقت کا نماز پڑھنا ہی آزمائش بن گیا ہے۔ اللہ اللہ اس دور میں پانچ وقت کا نماز پڑھنا آزمائش کی بات ہو گئی ہے

مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے　　یعنی وہ صاحبِ اوصافِ حجازی نہ رہے

مسجد تو بنا لی شب بھر میں ایماں کی حرارت والوں نے

مَن اپنا پرانا پاپی ہے برسوں میں نمازی بن نہ سکا

اللہ تعالیٰ ذوقِ سجدہ عطا فرمائے

آج ہم سے کہاں مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ پہاڑ سے چھلانگ لگا دو۔ ہم سے تو یہی کہا جا رہا ہے فجر کی نماز کو فراموش نہ کرو۔ ہم سے یہی کہا جا رہا ہے ظہر کی نماز تم پر فرض ہے۔ ہم سے یہی کہا جا رہا ہے، دیکھو یہ صلوٰۃ وسطیٰ بڑی اہم ہے اس کو نہ بھولنا۔ ہم سے تو صرف پانچ وقت کی نماز کی بات کی جا رہی ہے۔ ایمان والو! تم پانچ وقت کی نماز کی پابندی کر کے دیکھو۔ حساب لگاؤ دنیاداری کے انداز سے سوچو اور پھر بتاؤ اس نماز کے پڑھنے سے تمہارا کیا نقصان ہوا؟ روزہ رکھنے سے تمہارا نقصان کیا ہوا؟ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی تعمیل کرنے سے تمہیں کیا خسارہ ہوا؟ آپ دیکھیں گے، تو کوئی نقصان نہیں پائیں گے، اس لیے کہ جتنا نماز پڑھنے میں وقت لگتا ہے اس سے کہیں زیادہ فضولیات میں گزر جاتا ہے۔ اس سے زیادہ تو لایعنی باتوں میں وقت گزر جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور آپ سب کو نماز پڑھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ ہمیں اور آپ کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرماتے۔ ہمیں

زندہ رکھے تو مسلمان کی زندگی عطا فرمائے۔ موت دے تو مسلمان کی موت عطا فرمائے۔ ہمیں ایمان و اسلام پر ثابت قدم رکھے۔ الٰہ العالمین ہمیں زندہ رکھ تو ایسی زندگی دے جو رکوع کرنے والوں کی زندگی ہو، ہمیں موت دے تو ایسی موت دے جو رکوع کرنے والوں کی موت ہو۔ ہمیں زندگی دے تو ایسی زندگی دے جو سجدہ کرنے والوں کی زندگی ہو۔ ہمیں موت دے تو ایسی موت دے کہ ساجدین کے ساتھ ہمارا حشر ہو۔ راکعین کے ساتھ ہمارا حشر ہو۔ سالکین کے ساتھ ہمارا حشر ہو۔ عارفین کے ساتھ ہمارا حشر ہو اور تیرے فضل و کرم سے انبیاء و مرسلین کے ساتھ ہمارا حشر ہو۔ اولیائے مقربین کے ساتھ ہمارا حشر ہو۔ بزرگانِ دین کے ساتھ ہمارا حشر ہو۔ یہاں دل میں ان کی محبت ہو۔ سر میں ان کا سودا ہو اور دل میں ان کی اطاعت کا جذبہ ہو۔

آج ہم بہت ساری مصیبتوں میں گھرے ہوئے ہیں اور سب سے بڑی مصیبت یہ بے دینی، بد مذہبی، الحاد کے حملے ہیں جو ہر طرف سے ہمارے اوپر ہو رہے ہیں۔ ہمیں دل کی گہرائیوں سے دُعا کرنی چاہیے کہ اے خدا تعالیٰ! رب تبارک و تعالیٰ زمانہ کی تمام آفتوں سے ہم تمام مسلمانوں کو بچا۔ آشوبِ روزگار سے تمام مسلمانوں کو بچا اور بد مذہبوں اور بے دینوں کی ریاکاریوں سے بچا۔ اور ان کے دامِ فریب میں جانے سے بچا۔

ہمارے کتنے ایسے بھائی ہیں جو اپنے دل میں نیک خواہشات رکھتے ہیں۔ مولیٰ تعالیٰ ان کی نیک خواہشات اور ان کی نیک تمناؤں کو پورا فرمادے۔ مولیٰ تعالیٰ جو بیمار ہیں ان کو صحت کاملہ عاجلہ عطا فرما اور جو بے اولاد ہیں مولیٰ تعالیٰ ان کی گود کو آباد فرما۔

اب آپ حضرات مؤدب کھڑے ہو جائیے اور بارگاہِ رسالت میں صلوٰۃ و سلام کا نذرانہ عقیدت پیش کیجئے۔

خطبہ ۹

بَشریت

اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْہَا
مِصْبَاح. اَلْمِصْبَاح فِیْ زُجَاجَۃ۔

ذرے ذرے سے نمایاں ہے مگر پنہاں ہے
میرے معبود تیری پردہ نشینی ہے عجیب
دور اتنا کہ تخیل کی رسائی سے محال
اور قربت کا یہ عالم کہ رگِ جاں سے قریب

چشمِ اعمٰی میں خورشید و یجور ہے
دیدۂ صاحب دید میں نور ہے
آنکھ والوں سے لے بے بصر پوچھ لے
میری سرکار نورٌ علیٰ نور ہے

اگر خموش رہوں میں تو تو ہی سب کچھ ہے!
جو کچھ کہا تو تیرا حسن ہوگیا محدود

درود پاک تین بار: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ
کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی، اَنْ نُّصَلِّیَ عَلَیْہِ۔

ذمہ دار اسٹیج فاضلِ جلیل حضرت مولانا عبدالوہاب صاحب نے جو مدلل بیان پیش کیا ہے جس میں ذرا بھی سعادت کی روح ہے۔ اس کے لیے اتنا بہت کافی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس ذمہ دار اسٹیج سے جو بات کہی جائے گی، وہ پوری ذمہ داری کے ساتھ کہی جائے گی۔ مرزا کے متعلق جو کچھ انہوں نے کہا اگر ہمارے دل و دماغ میں اتنا ہی اُتر جائے اور ہم اس کو ہضم کرلیں تو بفضلہٖ تعالیٰ وہ بہت کافی ہے۔ جہاں تک مرزا کا معاملہ ہے تو مَا تَرَکَ الْاَوَّلُ لِلْاٰخِرِ شَیْئًا۔ (پہلے نے دوسرے کے لیے کچھ چھوڑا ہی نہیں)

خیر، میں نے جس آیۂ کریمہ کو عنوانِ بیان قرار دیا ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے اللہ تمام آسمانوں اور تمام زمین کا نور ہے اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ اللہ تمام آسمانوں اور تمام زمین کا نور ہے۔ اس کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے طاق اور اس میں چراغ اور وہ چراغ فانوس میں ہے۔ اللہ کریم کے نور کی مثال کا نام سن کر یقیناً آپ چونک گئے ہوں گے۔ اس لیے کہ قرآن کریم ہی میں ہے لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْئٌ۔ اللہ تعالیٰ کی تو کوئی مثال ہی نہیں۔ کوئی چیز خدا تعالیٰ کی مثال نہیں اور یہاں اسی بے مثال کے نور کی مثال پیش کی جا رہی ہے۔ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ۔ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ۔ اللہ تعالیٰ کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے طاق اور اس میں چراغ اور وہ چراغ بھی کسی فانوس کے اندر کچھ عرض کرنے سے پہلے ایک ضابطے کی بات میں آپ کے سامنے عرض کروں۔ قرآن کریم کی تلاوت کرنے والے بخوبی اس بات کو جانتے ہیں کہ قرآن میں کچھ ہیں مرکبات اور کچھ ہیں مفردات الٓمٓ۔ کٓھٰیٰعٓصٓ۔ حٰمٓ۔ عٓسٓقٓ۔ الٓرٰ یہ کیا ہیں؟ یہ مفردات ہیں جن کو اصطلاحی زبان میں حروفِ مقطعات کہا جاتا ہے۔ ان کے سوا جو ہیں، وہ سب مرکبات ہیں، جس میں چند کلمے ملنے سے ایک مضمون تیار ہوا وہ مرکبات ہیں۔ مرکبات کے اندر بھی ہم دیکھتے ہیں کہ کچھ آیتیں ایسی ہیں جن کو قرآن کریم نے اپنی اصطلاح میں محکمات کہا ہے اور کچھ آیتیں ایسی ہیں جن کو قرآن کریم نے اپنی اصطلاح میں متشابہات کہا ہے۔ محکمات بھی ہیں اس میں اور متشابہات بھی اس میں۔

علماء کا عقیدہ

میں ہر ایک کے متعلق جو کہ علماء کا خیال ہے جو علماء کا عقیدہ ہے، وہ بھی عرض کرتا چلوں۔ پھر آپ کسی نتیجے پر پہنچیں گے۔ متشابہات کے بارے میں علماء کا فیصلہ ہے کہ متشابہات کو مان لو۔ اس کی تاویل کے چکر میں نہ پڑو۔ اس کا معنیٰ کیا ہے؟ اس کا مفہوم کیا ہے؟ جب کوئی پوچھے تو کہہ دو کہ خدا جانے اور اس کا رسول جانے۔ جس نے نازل کیا وہ جانے جس پر نازل کیا گیا وہ جانے۔ ہم مانتے ہیں کہ یہ حق ہے اور ہم مانتے ہیں کہ یہ خدا کا کلام ہے۔ الغرض مقطعات کو بے سمجھے مان لو، متشابہات کو بے سمجھے مان لو۔ یہ ہے اسلم راستہ۔ آپ کہیں گے کہ جب ہمیں سمجھانا نہیں تھا تو اتارا ہی کیوں؟ کم سے کم قرآن کریم

میں مقطعات تو نہ ہوتے، متشابہات نہ ہوتے۔ ہمیں جو کچھ سمجھانا تھا اسی کو اتارا جاتا۔ جس کو صرف مان لینا ہے، اس کو اتارنے سے کیا فائدہ؟ تو میں عرض کروں گا دوستو! اس میں تمہارے ایمان اور عقیدے کا امتحان ہے کہ کیا تم خدا تعالیٰ کو اسی وقت مانو گے جب اس کے کلام کو سمجھو گے کیا خدا کی وہی بات مانو گے جسے سمجھو گے۔ خدا تمہارے ایمان کا امتحان لے رہا ہے کہ اگر مجھے مانتے ہو تو وہ بھی مانو جو میرا ہو، مگر تمہاری سمجھ میں نہ آئے تو بھی مانو۔ جو سمجھ میں آئے وہ بھی مانو اور جو سمجھ میں نہ آئے وہ بھی مانو۔ اگر تم کہتے ہو نہیں، جب تک ہم نہیں سمجھیں گے نہیں مانیں گے۔ تو تم خدا کو نہیں مانتے اپنی سمجھ کو مانتے ہو کہ تمہاری سمجھ میں جو آیا مان گئے۔ تمہاری عقل میں جو آیا مان گئے۔ تمہاری دانائی میں جو آیا مان گئے۔ تو ابھی تم خدا کو نہ مان سکے۔ تم نے تو اپنی فراست کو مانا۔ تم اپنے ادراک کو مان رہے ہو۔ تم اپنے شعور کو مان رہے ہو۔ مومن تو تم اس وقت ہو گے جب خدا کے کلام کو مانو۔ چاہے سمجھو چاہے نہ سمجھو، تب یہ خدا کا ماننا ہوا۔

الغرض خدا کا ماننا یہی ہے کہ ہم خدا تعالیٰ کی ذات کو سمجھیں یا نہ سمجھیں، مگر مان لیں اس کی صفات کی تہ تک پہنچیں یا نہ پہنچیں مگر مان لیں۔ اگر اپنی سمجھ کو آپ معیار بنا لیں گے تو جگہ جگہ آپ کو دشواریوں سے سابقہ پڑے گا۔ المختصر رب تبارک و تعالیٰ نے اپنے قرآن کریم کے اندر ایسی چیزیں رکھ دی ہیں تاکہ تمہارے عقیدے اور تمہارے ایمان کا بھی امتحان ہو سکے۔ اس مقام پر اچھی طرح سمجھ لو کہ اسلم راستہ کیا ہے؟ محتاط راستہ کیا ہے؟ متشابہات کے بارے میں اگر کوئی سوال کرے تو تم فوراً یہ کہہ دو اس کا علم خدا کو ہے اور اس کے رسول کو ہے۔

متشابہ اور محکم کی تعریف

ابھی بات صاف نہیں ہوئی، اس لیے کہ بات بڑی پیچیدہ ہے۔ یہ محکم کیا ہے؟ یہ متشابہ کیا ہے؟ میں ایک ایسی تعریف کردوں تاکہ سب کی سمجھ میں آجائے کہ متشابہ کیا ہے؟ نیز واضح ہو جائے کہ محکم کیا ہے؟ ایسی تعریف کروں جو آپ کے ذہن میں اتر جائے۔ اب میں اپنے اسلوب کو بدل کر اور علماء کے بھاری بھاری الفاظ کو ہلکا کر کے آپ کے سامنے عرض کروں گا۔ دیکھو

متشابہ اسے کہتے ہیں جس کے ظاہر کو اگر مراد لے لیا جائے تو کسی شان والے کی شان گھٹ جائے یا کسی محکم آیت سے ٹکراؤ ہو جائے۔ مثال کے طور پر مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ۔ اللہ تعالیٰ کے نور کی مثال ایسی ہے جیسے ایک طاق اور اس میں چراغ۔ تو اس آیت سے جو ظاہر ہو رہا ہے۔ اگر وہی مراد لے لو، تو یہ آیت لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْئٌ سے ٹکرا گئی۔ ایک محکم آیت سے ٹکرا گئی۔ یَدُ اللّٰہِ فَوْقَ اَیْدِیْھِمْ اللہ کا ہاتھ ہے ان کے ہاتھ پر تو اب اس لفظ سے جو ظاہر ہوتا ہے، وہ مراد لے لو کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہیں تو جسم ہے جب جسم ہے تو شکل و صورت ہے۔ جب شکل و صورت ہے تو کوئی مکان ہے اور جب مکان ہے تو کوئی زمان ہے۔ لو ظاہر مراد لیا تو خدا نہیں ملا صنم تیار ہو گیا۔ خدا نہیں ملا اور بُت تیار ہو گیا۔ ہاتھ پیر والا، جسم والا، مکان والا، زمان والا۔ دیکھا میاں ظاہر مراد لے لیا، تو کتنا بڑا غضب ہو گیا، تو متشابہ وہ ہے جس کے ظاہر کو مراد لے لو اور ظاہر ہی کو مان لو تو کسی شان والے کی شان گھٹ جائے یا کسی محکم آیت سے ٹکراؤ ہو جائے اور میں صاف صاف کہہ دوں جس میں ذرا بھی پیچیدگی نہ ہو تو سنو۔ متشابہ وہ ہے کہ اس سے جو ظاہر ہو، وہ مراد نہ ہو اور جو مراد ہو، وہ ظاہر نہ ہو تو جب کوئی تم سے کسی متشابہ آیت کو سامنے رکھ کر سوال کرے تو کہہ دینا اس سے جو ظاہر ہے وہ مراد نہیں۔ جو مراد ہے وہ ظاہر نہیں۔ یہ بہترین راستہ ہے۔ یہ اسلم راستہ ہے۔

اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ کے مخاطب کون ہیں؟

قرآن کریم میں ہے: قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ۔ اے محبوب! تم ان سے کہہ دو۔ کن سے کہہ دو؟ کافروں سے۔ مخاطب کون تھے؟ صدیق اکبر سے کہہ دوں؟ نہیں۔ فاروقِ اعظم سے؟ نہیں۔ عثمان غنی سے؟ نہیں۔ علی مرتضیٰ سے؟ نہیں۔ صہیب رومی سے؟ نہیں۔ سلمان فارسی سے؟ نہیں۔ بلال حبشی سے؟ ایمان والوں سے؟ نہیں۔ کلمہ پڑھنے والوں سے؟ نہیں۔ دامن سے وابستہ ہونے والوں سے؟ نہیں۔ کالی کملی کے اندر چھپ جانے والوں سے؟ نہیں۔ اے محبوب! باہر رہنے والوں

سے کہہ دو۔

اے محبوب! ان سے نہ کہو جو تمہارے قدموں پر اپنے گلے کٹا رہے ہیں۔ اے محبوب! ان سے کہو جو کانٹے بچھا رہے ہیں۔ اے محبوب! ان سے کہو جو پتھر برسا رہے ہیں۔ اے محبوب! ان سے کہو جو گالیاں دے رہے ہیں قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ۔

اب ترجمہ کرو۔ سامنے رکھ لینا مخاطب کو۔ رسول کہہ رہے ہیں سامنے کفار ہیں۔ ابوجہل، ابولہب، عتبہ وشیبہ۔ عقبہ ابن ابی معیط۔ ولید ابن مغیرہ۔ جتنے کفار ومشرکین ہیں، ایک طرف کھڑے ہیں اور ادھر رسول کہہ رہے ہیں اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ۔ اے سننے والو! سُن لو، میں تمہاری طرح بشر ہوں۔ ترجمہ میں اتنا سیدھا کردوں گا کہ یہ نہ کہہ سکو کہ یہ کس لفظ کا ترجمہ ہے؟ یہ ظاہری صورتِ بشری کہاں لائے۔ دیکھو اے محبوب! تم ان سے کہہ دو کہ میں تمہاری طرح بشر ہوں۔ اب میں تم سے پوچھتا ہوں کہ کُمْ کے مخاطب کون ہیں؟ جواب ہوگا کافر ہیں۔ اس چیز کو ذہن میں جمالیجئے کُمْ کے مخاطب کون ہیں؟ مشرکین۔ کُمْ کے مخاطب کون ہیں؟ کفار۔ رسول نے کس سے خطاب کیا تھا؟ کافروں سے۔ اب اس کا جو ظاہر ہے، وہی تم مراد لے لو۔ اب میں ایمان والوں سے بات کر رہا ہوں۔ تو کیا تم میں سے کسی کی جرأت ہے کہ رسول کو ابوجہل کی طرح کہہ سکے؟ ہے کوئی ایسا مردِ میدان جو اسی آیت کو پڑھ کر رسول کو کفار ومشرکین کی طرح کہے۔ رسول جس کو مخاطب بنا کر کہہ رہے ہیں اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ۔ میں تمہاری طرح بشر ہوں۔ تو کیا آپ کے اندر اتنی جرات ہے اس بات کی کہ اپنے رسول کو کفار ومشرکین کی طرح کہہ سکو۔ اچھا اگر ابوجہل کھڑا ہوجاتے۔ یا ابوجہل نہ سہی کوئی ابوجہلی آجاتے اور آنے کے بعد کہے کہ مسلمانو! تمہارا رسول ہماری طرح ہے۔ اے ایمان والو! اے مسلمانو! اے رسول کا کلمہ پڑھنے والو تمہارا رسول ہماری طرح ہے۔ کیسے تم نے کہا؟ ارے ہم قرآن کریم سے ثابت کریں گے۔ قرآن کریم کونسی آیت؟ کہا یہی آیت۔ رسول نے تو ہمیں سے خطاب کیا تھا۔ رسول کی بات تو مانو گے نا۔ تو جب رسول کی بات مانو گے تو رسول نے تو ہمیں سے خطاب کیا تھا قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ۔

تو جب تمہارے رسول ہمیں اپنی طرح کہہ رہے ہیں، تو کیا ہم تمہارے رسول کی طرح نہیں ہوتے۔؟ اے ایمان والو! کیا تم اس دلیل کو مانو گے؟

بظاہر دیکھو کتنی وزنی دلیل معلوم ہوتی ہے۔ ہم اگر آپ سے کہیں کہ ہم آپ کی طرح ہیں تو کیا آپ کو حق نہیں ہے کہ آپ اپنے آپ کو ہماری طرح کہیں۔ تو جب کافروں مشرکوں سے میرے رسول نے کہا کہ ہم تمہاری طرح بشر ہیں۔ تو اب اگر کوئی کافر و مشرک، کوئی ابوجہلی، ابولہبی کوئی عتبہ و شیبہ کا شیدائی، کوئی ولید ابن مغیرہ کی ذریات میں سے آجائے اور آکر یہ کہے مسلمانو! تم جس رسول کا کلمہ پڑھتے ہو، وہ تو ہماری ہی طرح ہے۔ تمہارا قرآن بول رہا ہے۔ تمہارا رسول ہمیں مخاطب کر کے بول رہا ہے۔ بولو حق دو گے اس کو یہ کہنے کا؟ آپ کا جواب یہی ہوگا کہ نہیں ہرگز حق نہیں دیں گے۔ ارے بھئی اتنی زوردار دلیل ہے، پھر بھی آپ حق نہیں دیں گے۔ قرآن کریم سے دلیل لا رہا ہے قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ سے دلیل لا رہا ہے۔ میں سوچ رہا ہوں اس مقام پر کہ تمہاری عقلوں کو کیا ہوگیا؟ تمہارے شعور کو کیا ہوگیا؟ تمہارے ادراک کو کیا ہوگیا؟ تمہارے احساس کو کیا ہوگیا؟ تمہارے ایمان وایقان کو کیا ہوگیا؟ تم ان کو تو حق نہیں دے رہے ہو۔ جن کو رسول نے مخاطب کیا تھا اور جن کو مخاطب ہی نہیں کیا تو پھر ان کو کہاں سے حق ملے گا؟ جن سے خطاب ہی نہیں کیا، جن کو مخاطب ہی نہیں بنایا۔ ان کو اپنا جیسا کہنے کا حق کہاں سے مل گیا؟

اب اگر کوئی تم سے یہ کہے کہ رسول نے ہم سے کہا تھا قُلۡ اِنَّمَاۤ اَنَا بَشَرٌ مِّثۡلُکُمۡ اور سن لو کُمۡ کے مخاطب ہم لوگ ہیں۔ تو سمجھ لینا جو مخاطب تھے، وہیں کا یہ بھی ہوگا۔ ایمان والے نہ پہلے مخاطب تھے نہ آج مخاطب ہیں۔

قرآن کا اندازِ تخاطب

اچھا مگر بات تو اپنی جگہ پر رہی سوال کا جواب نہیں ہوا۔ وہ یہ کہ آخر رسول نے کہا تو میں کہوں گا سنو جی بس اس کا جواب یہ ہے۔ سب سے بہتر جواب یہ ہے کہ سنو یہ آیت متشابہات

ہیں سے ہے جو ظاہر ہے، وہ مراد نہیں۔ جو مراد ہے وہ ظاہر نہیں۔ شان والے کی شان گھٹتی ہے اور ظاہر مراد لے لو۔ منزل والے کی منزل میں فرق آتا ہے۔ اگر ظاہر مراد لے لو تو جو ظاہر ہے، وہ مراد نہیں۔ جو مراد ہے وہ ظاہر نہیں۔ یہ بات نہیں ہے کہ جہاں جہاں ظاہر دیکھو مراد لے لو اور میں تو ایک بات یہ سوچتا ہوں کہ قرآن کریم نے کتنے اچھے انداز میں کہا تھا۔ اے محبوب! تم کہو جس محبوب کو قرآن کریم نے رحمۃ للعالمین کہا جس محبوب کو قرآن کریم نے خاتم النبیین کہا۔ جس محبوب کو قرآن کریم نے طٰہٰ و یٰسٓ کے القاب سے یاد کیا۔ جس محبوب کو قرآن کریم نے بشیر و نذیر کہا۔ جس محبوب کو قرآن کریم نے سراج منیر کہا۔ جس محبوب کو قرآن کریم نے داعی الی اللہ کہا۔ جس محبوب کے رفعتِ ذکر کے پرچم کو لہرا دیا گیا۔ اسی محبوب سے قرآن کریم یہ کہلوا رہا ہے۔ اے محبوب تم کہو ہم سے کہا گیا تھا کہ ہم کہیں؛ محبوب سے کہا گیا تھا تم کہو، قرآن کریم نے خود کیوں نہیں کہہ دیا۔ قرآن کریم خود بھی تو کہہ سکتا ہے اے لوگو میرا رسول تمہاری طرح ہے۔ مگر نہیں اے محبوب تم کہو یہی زبان جو انا سید المرسلین کہہ چکی ہے۔ یہی زبان جو انا سیدُ ولد اٰدمَ فرما چکی ہو۔ یہی زبان ہے جو اپنے آپ کو قائد المرسلین کہہ رہی ہو۔ یہی زبان جو اپنے فضائل و کمالات کا اظہار کر چکی ہو، پھر اسی زبان سے کہلوایا جا رہا ہے، اے محبوب تم کہو۔ تو کیا آج تک جو کچھ محبوب نے کہا تھا سب غلط تھا؟

سچی بات آج کہی جا رہی ہے محبوب تم کہو۔ اے قرآن تو خود کیوں نہیں ارشاد فرماتا۔ محبوب کیوں کہے؟ جواب ملے گا سنو! ایک عزت والا، ایک رحمت والا کسی حکمت و مصلحت سے اگر یہ لفظ بولے گا تو اس کی یہ تواضع ہو گی۔ یہ اس کی انکساری ہو گی۔ تم نہیں جانتے جب یہ سیدالمرسلین (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) ہیں، تو امام المتواضعین بھی ہیں۔ اگر میرا رسول تواضع نہ کرے گا تو تمہیں تواضع کا درس کہاں سے ملے گا؟ تمہیں انکسار کا سبق کون سکھائے گا؟ کہا گیا تھا محبوب! تم کہو اور یہ بیوقوف کہنے لگے ان سے کب کہا گیا تھا کہ یہ کہیں۔

خیر میں صرف اتنا بتانا چاہتا ہوں کہ آیت میں جو ظاہر ہے، وہ مراد نہیں۔ جو مراد ہے، وہ ظاہر نہیں۔ قرآن کریم میں چھ ہزار چھ سو چھیاسٹھ آیتیں ہیں، مگر یہی آیت سب کو یاد ہے۔ ھٰکذا۔ ھٰکذا۔ ھٰکذا۔ یعنی ہر سائز کے لوگوں کو یاد ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ پورے نصاب میں صرف اسی آیت کو سمجھانے کی کوشش کی جاتی ہے عام طور پر۔ یہی آیت ہر جگہ عنوانِ بیان بنتی ہے۔ اس آیت پر ہمارا بھی ایمان ہے، مگر ہم صرف اتنا کہتے ہیں کہ دیکھو قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ۔ کا جو ظاہری معنی ہے۔ وہ ہم من وعن مراد لے لیں، تو اس سے شان والے کی شان گھٹتی ہے۔ جب شان والے کی شان گھٹتی ہے تو اب ہمارا فیصلہ یہی ہوگا کہ یہ متشابہات میں سے ہے۔ جو ظاہر ہے وہ مراد نہیں۔ جو مراد ہے، وہ ظاہر نہیں۔ یہی اسلم راستہ ہے۔ یہی صحیح راستہ ہے۔ یہ تو رہا متشابہات کے بارے میں ایک مسلک۔

رسولِ عربی کی تین صورتیں

مگر پھر وہی سوال آیا کہ اس کو نازل کیوں کیا گیا؟ مطلب نہیں سمجھنا ہے تو نازل کیوں کیا گیا؟

میں یہ پوچھتا ہوں کہ قرآن کریم کس کے اوپر نازل ہوا؟ تمہارے اوپر نازل ہوا کہ رسول عربی کے اوپر؟ اب یہاں سمجھ لو کہ سرکار رسالت کی تین صورتیں ہیں۔ دو صورتوں کا ساتھ تو سیدنا جبرئیل علیہ السلام نے دیا۔ تیسری صورت کا وہ بھی ساتھ نہ دے سکے۔

الغرض رسول عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تین صورتیں ہیں: ایک صورت بشری، ایک صورتِ ملکی اور ایک صورتِ حقی۔ صورتِ بشری تو وہ ہے جس میں وہ آپ کے سامنے آتے۔ اور صورتِ ملکی وہ ہے کہ جب میرا رسول اس صورت کو اختیار فرماتا ہے تو اس دنیاوی مادّی کھانے پینے سے بھی بے نیاز ہو جاتا ہے اور ذکرِ الٰہی اور تسبیح ربانی اس کی غذا بن جاتی ہے۔ وہ صومِ وصال کی بات یاد رکھنا۔ جب میرے رسول روزے پر روزے رکھتے رہے اور صحابہ کرام نے بھی اتباع کی۔ صحابہ کے چہروں پر نقاہت کے آثار ظاہر ہوتے۔ حضور نے پوچھا یہ کیا معاملہ ہے؟ کہا حضور، جس طرح آپ نے روزے پر روزے رکھنے شروع کر دیئے بغیر سحری

وافطار کیے۔ ہم نے بھی شروع کردیے۔ تو سرکار نے فرمایا: لَسْتُ كَاَحَدٍ مِّنْكُمْ میں تمہارے جیسا نہیں ہوں۔ اَبِيْتُ عِنْدَ رَبِّيْ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِيْ میں تو اپنے رب کے یہاں شب باشی کرتا ہوں وہ مجھے کھلاتا پلاتا ہے۔ میں تمہاری طرح نہیں ہوں۔ یہ بول کونسی بول ہے۔ یہ صورت ملکی کی بول ہے۔ رہ گئی صورتِ حقی، تو اس کی بول یہ ہے: لِيْ مَعَ اللّٰهِ وَقْتٌ لَا يَسَعُنِيْ فِيْهِ مَلَكٌ مُّقَرَّبٌ وَّلَا نَبِيٌّ مُّرْسَلٌ (میرے لیے اپنے رب کے ساتھ ایک ایسا وقت ہوتا ہے جہاں ملک مقرب کی بھی گنجائش نہیں ہے اور نبی مرسل کی بھی وہاں گنجائش نہیں ہے)

الغرض میرا رسول تین صورتیں رکھنے والا ہے۔ صورت بشری، صورتِ ملکی، صورتِ حقی۔

غور کرو کہ جب ہمارے رسول نے آسمان کی سیر کا ارادہ فرمایا۔ عرش پر جانے کا ارادہ فرمایا تو عالمِ بشریت میں لباسِ بشری کے ساتھ نظر آئے۔ عالمِ ملکوت میں لباسِ ملکی کے ساتھ دیکھے گئے۔ جہاں پہنچ رہے ہیں، وہاں کا لباس اختیار فرمارہے ہیں اور اس کے بعد آپ عالمِ لاہوت میں پہنچے تو صورتِ حقیقی میں ظاہر ہوئے۔ حقیقتِ محمدیہ جلوہ ہوگئی، بے حجاب ہوگئی۔ جہاں دیکھو ایک عالم ہے۔ تینوں عالم میں رسول کی تین صورتیں ہیں۔ جارہے ہیں تو یہاں کی چیز چھوڑے جارہے ہیں۔ آرہے ہیں تو پہنتے آرہے ہیں۔

لباس اور حقیقت میں فرق

دیکھو میں تمہیں بتاؤں یہی مولانا عبدالوہاب صاحب کو آپ جس لباس میں دیکھ رہے ہیں، کتنا اچھا لباس پہنا ہوا ہے، مگر ذرا جائیے ان کے مکان پر تو پھر آپ ان کو اس لباس میں نہیں پائیں گے۔ بلکہ ان کو پاجامے اور کرتے میں پائیں گے اور اس کے بعد جب یہ سونے کے لیے خلوت میں جائیں گے تو پھر یہ بنڈی اور لنگی میں ہوں گے۔ تو اندر جاتے ہیں تو حجاب اترتا جاتا ہے، باہر آتے ہیں تو بڑھتا جاتا ہے۔ جیسے جیسے باہر آتے جاتے ہیں، ویسے ویسے حجابات بڑھتے جاتے ہیں۔ دیکھو خواص میں آتے تو کچھ اور بن کے آئے اور عوام میں آتے تو کچھ اور بن کے آتے۔ الغرض لباس کا رنگ بدلتا رہا۔ معلوم یہ ہوا کہ لباس ان کی حقیقت نہیں ہے۔ حقیقت نہ اتاری جاسکتی ہے نہ پہنی جاسکتی ہے۔

اسی لیے مفسرین کرام نے بہت ہی صاف لفظوں میں فرمادیا اَنّه تجاوز فی تلك الليل عن عالم العناصر ثم عن عالم الطبيعة ثم عن عالم الارواح حتى وصل الى عالم الامر فانسلخ عن الكل فرای ربه بالكل۔ (اسی لیے وہ اس رات میں عالمِ عناصر سے گزرا۔ عالمِ طبیعت سے گزرا۔ عالمِ ارواح سے گزرا۔ یہاں تک کہ عالمِ امر میں پہنچ گیا تو جس عالم کے جو لوازمات تھے، وہیں چھوڑ دیئے اور وہاں اپنی حقیقت کے ساتھ نمودار ہوا تو چشمِ سر سے اس نے اپنے رب کا مشاہدہ فرمایا)

یہی ہم کہہ رہے ہیں۔ یہی ایک راز کی بات ہے کہ حضرت جبرئیل جب میرے رسول کے ساتھ چلے تھے، تو وہ سمجھ گئے کہ میری آخری منزل یہی ہے اور رسول بھی جانتے ہیں کہ بغیر حکمِ خداوندی آگے ایک قدم بھی نہیں بڑھا سکتے، مگر یہ کون سا اختیار تھا؟ یہ کون سا اقتدار تھا جو کہلا رہا ہے۔ اے جبرئیل چلو میرے ساتھ۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام نے یہ نہیں کہا کہ کیسے ساتھ چلوں؟ اے اللہ کے رسول! آپ تو جانتے ہی ہیں یہ سدرہ ہے۔ میری آخری منزل ہے۔ بھلا میں کبھی اس سے آگے گیا ہوں؟ جب میں کبھی اس سے آگے نہیں گیا، تو سرکار آپ ایسا مطالبہ مجھ سے کیوں کرتے ہیں؟ بس یہیں رہنے دیجیئے۔ آپ تو جانتے ہی ہیں پھر جان بوجھ کر ایسا سوال کرتے ہیں؟ جان بوجھ کر ایسا حکم فرماتے ہیں۔ حضرت جبرئیل نے یہ نہیں کہا۔ اس لیے کہ اگر وہ یہ کہتے کہ سدرہ میری آخری منزل ہے۔ یہاں سے آگے جانے کا دروازہ بند ہے۔ تو رسول کہتے ہیں میں بول رہا ہوں، یہ عذر کیسا؟ چلو خدا کے دیئے ہوئے اختیار سے کہہ رہا ہوں۔ خدا کے عطا کردہ اقتدار سے کہہ رہا ہوں تو حضرت جبرئیل نے یہ عذر نہیں کیا" بلکہ انہوں نے شیخ سعدی علیہ الرحمہ کے الفاظ میں یہ عرض کیا ؎

اگر یک سرِ موئے برتر پرم
فروغِ تجلّی بسوزد پرم

اے محبوب! اگر میں ایک بال کے برابر اوپر چلا، تو تجلّی کے فروغ سے میرے پر جل جائیں گے۔

رسولِ کریم نے جبرئیل کی معذرت قبول کرلی

میرے رسول نے بھی ان کے عذر کو قبول کرلیا یہاں مناسب ہے کہ میں حضرت جبرئیل کے معروضے کی تشریح کردوں۔ گویا سیدنا جبرئیل علیہ السلام اپنے انداز میں یہ کہہ رہے ہیں اے رسولِ عربی! اے فخرِ موجودات! اے سرورِ کائنات! جب آپ سفر کر رہے تھے اور عالمِ بشریت میں تھے تو لباسِ بشری آپ پر تھا، میں آپ کے ساتھ ساتھ تھا اور جب آپ عالمِ ملک سے گزر رہے تھے تو آپ پر لباس ملکی تھا۔ میں آپ کے ساتھ ساتھ تھا، مگر اب آپ کی حقیقت بے حجاب ہونے والی ہے۔ اب اگر میں چلا تو آپ کی تجلی سے میرے پَر جل جائیں گے۔

اے رسولِ عربی (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) اب میں آپ کی حقیقت کی تاب نہیں لاسکتا۔ میں حقیقتِ محمدیہ کے تجلی کے فروغ کی تاب نہیں لاسکتا۔ اے محبوب! آپ جائیے۔ مجھے یہیں رہنے دیجیے۔ عذر فرمادیا اور یہیں تقسیم کردی حضرت جبرئیل نے کہ محمد ناسوتی اور ہے اور محمد ملکوتی ہے اور محمد لاہوتی اور ہے۔ میرا رسول عالمِ لاہوت میں محمد لاہوتی کی شان لیے ہوتے ہے اور عالمِ ملکوت میں محمد ملکوتی بنا ہوا ہے اور عالمِ ناسوت میں محمد ناسوتی بنا ہوا ہے۔ تو بتاؤ اگر وہ محمد لاہوتی اپنے جلوۂ حقیقت کو عالمِ ملکوت پر ظاہر کردے تو کون ہے جو تاب لاسکے؟ تو سیدنا جبرئیل نے عرض کیا کہ حضور جہاں تک میں ساتھ رہ سکا رہا، میں نے کوئی عذر نہ کیا۔ مگر آگے مت لے جائیے، ورنہ میں آپ کی تجلی سے خاکستر ہوجاؤں گا۔

مگر دوستو! اس خاص مقام پر کچھ شبہ کرنے والے کہتے ہیں میرے مولوی صاحب نے کچھ دوسرا مطلب بتایا ہے۔ میرے مولوی صاحب نے تو یہ بتایا تھا کہ حضرت جبرئیل کے فرمان کا منشا یہ ہے کہ اگر ہم آگے گئے تو خدا کی تجلی کے فروغ سے میرے پَر جل جائیں گے۔ ہمیں کوئی اعتراض نہیں اگر کوئی یہ معنی مراد لے، مگر اتنا سوال کرنے کی پھر بھی اجازت چاہوں گا کہ خدا تعالیٰ کی تجلی سے پَر جلیں گے۔ کس کے؟ حضرت جبرئیل علیہ السلام کے۔ حضرت جبرئیل کون؟

سیدالملائکہ۔ حضرت جبرئیل کون؟ نوری مخلوق۔ حضرت جبرئیل کون؟ حاملِ وحیٔ الٰہی حضرت جبرئیل کون؟ ذوالقوۃ المتین۔ حضرت جبرئیل کون؟ طائرِ سدرہ۔ حضرت جبرئیل کون؟ معصوم فرشتہ۔ حضرت جبرئیل کون؟ سیدالملائکہ۔ سوچو سیدالملائکہ کے پر جل رہے ہیں۔ حاملِ وحیٔ الٰہی کے پر جل رہے ہیں۔ نوری فرشتے کا پَر جل رہا ہے۔ اس وقت تو حضرت جبرئیل کو کہنا چاہیئے تھا کہ اے اللہ کے پیارے رسول! میری محبت کا تقاضا ہے کہ عرض کر دوں آپ میرا معروضہ سماعت فرمایئے میں سدرہ والا، آپ مکے والے۔ جب میرے پَر جل رہے ہیں، تو آپ کیسے بچیں گے؟ آپ بھی ٹھہر جایئے کہاں جا رہے ہیں؟ بہت سفر ہوگیا، بہت دور تک آگئے ہیں۔ بس یہیں حضور آپ ٹھہر جایئے، ورنہ جب نوری فرشتہ جل رہا ہے، جب سیدالملائکہ جل رہا ہے، جب حاملِ وحیٔ الٰہی جل رہا۔ جب اللہ کا کلام لے کر اترنے والا جل رہا ہے، جب ذوالقوۃ المتین جل رہا ہے تو پھر اے اللہ کے رسول آپ کیسے بچیں گے؟ جب سدرہ والے کی خیر نہیں، تو مکے والے کی کیا خیر ہوگی۔

سیدالملائکہ نے بھی سیدالانبیاؑ کو اپنی طرح نہ سمجھا

مگر نہیں، معروضہ نہیں پیش کر رہے ہیں، بلکہ کہتے ہیں جانے والے آپ جائیں، میں یہیں رہوں گا۔ معلوم ہوا سدرہ والا اور ہے مکے والا اور ہے۔ یہیں سے یہ واضح بات ہمیں ملی کہ حضرت جبرئیل نے اپنے کو رسول کی طرح نہیں سمجھا اور رسول کو اپنی طرح نہیں سمجھا۔ اگر حضرت جبرئیل اپنے آپ کو رسول کی طرح سمجھتے تو آگے بڑھ جاتے اور اگر رسول کو اپنی طرح سمجھتے تو ٹھہرا لیتے۔ نہ اپنے آپ کو رسول کی طرح سمجھا اور نہ رسول کو اپنی طرح سمجھا۔ اے عقل والو! اے دین و دیانت والو۔ اے ایمان و ایقان والو۔ اے رسول کی محبت والو! اے رسول کا کلمہ پڑھنے والو۔ اے محشر کی تپتی ہوئی دھوپ میں رسول کی شفاعت کے امیدوارو! بتاؤ سیدالملائکہ اپنی طرح سمجھ نہ سکے۔ حاملِ وحیٔ الٰہی اپنی طرح سمجھ نہ سکے۔ نوری فرشتہ اپنی طرح نہ سمجھ سکے۔ معصوم مخلوق اپنی طرح نہ سمجھ سکی۔ طائرِ سدرہ اپنی طرح نہ سمجھ سکے۔ اب اگر دو ٹانگ کا جانور اپنی طرح کہے تو یہ دماغ کی

خرابی نہیں، تو اور کیا ہے؟

میں ایک بات عرض کر چکا ہوں کہ حضرت جبرئیل نے جب معروضہ پیش کیا تو رسول نے قبول کیا، یہ فرشتے جانتے ہو کیا ہیں؟ فرشتے عقل والے ہیں، عشق والے نہیں۔ اگر عشق والے حضرت جبرئیل ہوتے تو ساتھ چل دیتے، جل جانے کا عذر نہ کرتے۔

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق
عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

ایک عشق والی اللہ کی محبوب بندی کا وہ واقعہ ذہن میں رکھو،

کوہِ طور کی تجلیاں

جب حضرت کلیم طور کی تجلیوں کو لے کر اپنی زوجۂ محترمہ کے پاس آئے۔ پردۂ حجاب کے ساتھ آئے اور وہ بھی حجاب بڑے مخصوص صالحین کے دامنوں سے تیار کیا گیا تھا۔ اس لیے کہ پتھر، لوہا کوئی چیز بھی نگاہِ کلیمی کی تاب نہیں لا رہے تھے تو اس وقت بیوی صاحبہ نے کہا تھا۔ ذرا بتائیے کیا معاملہ ہے۔ اتنے حجاب ڈال رکھے ہیں کہا سنو! میری آنکھ سے ملاؤ گی تو پھر آنکھ ہی اڑ جائے گی۔ بینائی چلی جائے گی۔ میں بارگاہِ خداوندی سے آ رہا ہوں۔ اس کی تجلیاں ہیں جو موجیں مار رہی ہیں نگاہِ سیدنا کلیم علیہ السلام میں جانتے ہو کتنی بڑی تجلی تھی؟ میں نے جب تلاش کی تو مجھ کو ایک ایسی روایت ملی کہ سوئی کے ناکے کے برابر تجلی تھی۔ ایک اور روایت ملی کہ ناکے کے کروڑویں حصے کے برابر تھی اور اس تجلی کو حضرت کلیم بس اچٹتی ہوئی نظر سے دیکھ سکے۔ جی بھر کے دیکھ بھی نہ سکے۔ مگر اس تجلی سے حضرت کلیم کا حال جانتے ہو کیا ہوا؟ اندھیری رات میں پندرہ میل کے فاصلے پر سیاہ پتھر پر سیاہ چیونٹی اگر چلے تو حضرت کلیم دیکھ لیتے تھے۔

میں نبی کی بصارت کی بات کر رہا ہوں۔ بصیرت کا تو کیا کہنا۔ بصارت اتنی بڑھ گئی کہ پندرہ میل کے فاصلے سے سیاہ پتھر پر سیاہ رات میں سیاہ چیونٹی اگر چلے تو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ کون دیکھ لیتا ہے؟ جس نے صرف ایک جھلک دیکھی اور وہ بھی سوئی کے

کروڑویں حِصّے کے برابر یا ناکے ہی کے برابر تجلّی کی تاب نہ لاسکا۔ بایں ہمہ اس کی بصارت اتنی بڑھ گئی۔ جب ہم اس منزل پر پہنچتے ہیں، تو ہمارا دماغ کہیں اور بھی پہنچ جاتا ہے۔ ایک دیکھنے والی آنکھ وہ بھی تو تھی۔ مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی۔ آنکھ جھپکی بھی نہیں اور دیکھنے والے نے صرف ایک تجلّی نہیں دیکھی، بلکہ عینِ ذات کو دیکھا اور جی بھر کے دیکھا۔ پلک بھی نہیں جھپکی، مگر قوّتِ جذب دیکھو، سب کچھ دیکھ کر آرہے ہیں، مگر ان کو دیکھنے والے کی نظر نہیں جاتی۔ بلکہ بینائی بڑھ جاتی ہے۔

میں نے عالمِ خیال میں عرض کیا کہ اے طُور کی تجلّی دیکھنے والے! جب تیری بینائی کا یہ حال ہے تو جو عین ذات کو دیکھ کر آرہا ہے اس کی بصارت کا کیا عالم ہوگا؟ اب غیب کی کونسی چیز ہے جو اس نظر سے چھپ جائے؟ جس سے عالم الغیب نے خود اپنے آپ کو بھی نہ چھپایا۔

ہاں تو میں عرض کر رہا تھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السّلام کی زوجۂ پاک حضرت صفورا نے کہا نہیں، حجاب اٹھایئے، آنکھ جائے گی جانے دیجیے۔ اب دیکھیے یہیں عشق و عقل کی بات ہے۔ اب اگر حضرت صفورا کے پاس عشق نہ ہوتا تو وہ کہتیں کہ ٹھیک ہے نہ اٹھایئے۔ مگر عقل کے ساتھ ساتھ عشق بھی ہے، لہٰذا حضرت صفورا نے کہا پردہ اٹھایئے۔ اگر میری آنکھ جاتی ہے تو جانے دیجیے، مگر انہوں نے بھی تیاری کر لی اور سوچا کہ اگر دونوں آنکھوں سے دیکھوں تو پھر دونوں ایک ساتھ روشنی کھو بیٹھیں گی، لہٰذا ایک آنکھ ہاتھ سے بند کر لو، ایک سے دیکھو۔ جب چلی جائے تو دوسرے سے دیکھو تو دوبار لطف آئے گا۔ لہٰذا انہوں نے ایک آنکھ بند کر لی۔ حضرت کلیم نے جیسے ہی چہرے سے نقاب اٹھایا تو ان کی ایک آنکھ جاتی رہی۔ کھٹ سے اس جانے والی کو ہاتھ سے بند کر لیا اور دوسری آنکھ کھول دی۔ یہ بھی چلی گئی تو اس دوسری آنکھ پر دوسرا ہاتھ رکھ دیا اور پہلی آنکھ سے پہلا ہاتھ ہٹا دیا۔ پہلی آنکھ روشن ہو چکی تھی۔ پھر چلی گئی، مگر دوسری روشن ہو گئی۔ پھر پہلی پر ہاتھ رکھا اور دوسری سے ہاتھ ہٹایا تو دوسری بے نور ہو گئی اور پہلی روشن ہو گئی۔ المختصر حضرت کلیم کا یہ عظیم معجزہ تھا کہ آنکھ لے بھی رہے تھے اور آنکھ دے بھی رہے تھے۔

قرآن میں ہر شے کا واضح بیان ہے

الغرض قرآن کریم جس پر نازل ہوا وہ تین صورت والا ہے۔ جب تین صورت والا ہوا تو قرآن کریم میں کچھ ایسی آیتیں ہیں جو صورتِ حقی کے لیے اور کچھ ایسی آیتیں ہیں جو صورت ملکی کے لیے اور کچھ آیتیں ہیں جو صورتِ بشری کے لیے ہیں۔ اے انسانو! تمہارے لیے محکمات ہیں۔ صورتِ بشری کے لیے محکمات۔ تمہیں غور کرنا ہے تو اسی میں غور کرنا۔ باقی تو صورتِ حقی کے لیے ہے۔ صورت ملکی کے لیے ہے، اس لیے کہ قرآن کریم جس پر نازل ہو رہا ہے۔ وہ ایک ہی صورت لے کر نہیں آیا ہے۔ تین تین صورتیں لے کر آیا ہے۔ دیکھو قرآن تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ہے۔ یعنی قرآن ہر شے کا واضح بیان ہے۔ تو کیا قرآن آپ کے لیے بھی ہر شے کا واضح بیان ہے؟ نہیں، آپ کے لیے نہیں۔ یہ واضح بیان ان کے لیے ہے جن پر اتارا گیا ہے یا جن کو وہ علم دے دیں۔ الغرض قرآن کریم ہر ایک کے لیے تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ نہیں۔ قرآن کریم ہر ایک کے لیے واضح بیان نہیں ہے یہ جس پر اتارا گیا ہے، اس کے اسماء، اس کا مقام، اس کا درجہ اتنا اونچا ہے، اتنا بلند ہے کہ اس کے لیے یہ ہر شے کا واضح بیان ہے اور وہ ہیں تین صورتوں والے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ تو یہ جو تم نے سنا تھا قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ۔ اس کا معنی سمجھنا ہمارے تمہارے بس کی بات نہیں ہے۔ اس لیے کہ یہ رسول کی صورتِ بشری کی بولی ہے، مگر اے صورتِ بشری رکھنے والو! تم اس کو نہیں سمجھ سکتے، اس لیے کہ یہ متشابہات میں سے ہے جس کا جو ظاہر ہے وہ مراد نہیں۔ مراد جو ہے وہ ظاہر نہیں۔

الحاصل اسلم راستہ یہ ہے کہ تم متشابہات کے بارے میں کچھ نہ کہو۔ ہاں اگر کچھ کہنا ہی ہے تو وہ کہو جو شان والے کی شان نہ گھٹائے۔ وہ کہو جو محکم سے نہ ٹکرائے تو یہ راستہ سالم راستہ ہے اور اگر تم ایسی تاویل کرو جس سے شان والے کی شان گھٹ جائے تو یہ ہے زائغین کا راستہ۔ یہ ان کا راستہ ہے جن کے دل میں کجی ہے، جن کے دل میں ٹیڑھا پن ہے۔ زمانہ بہت پر آشوب ہوتا جا رہا ہے۔ اب تو محکم میں بھی تاویل ہو رہی ہے۔

یاد رہے کہ خاتم النبیین سید المرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے جس آیت کا ٹکراؤ ہے، وہ ایک آیتِ محکم ہے۔ مگر عجیب بات ہے کہ اتنا زمانہ بدل چکا ہے کہ جن باتوں کی دلیل کی ضرورت نہیں، اس کی بھی دلیل دینی پڑ رہی ہے۔ اب میں سوچ رہا تھا کہ دن کو دن کہوں کہ نہیں۔ اس لیے کہ ڈر لگتا ہے کہ کہیں لوگ دلیل نہ مانگنے لگیں۔ پھر کیا دلیل دوں گا۔ ایسے ہی رات کو رات کہتے ہوئے ڈر لگتا ہے کہ کہیں کوئی دلیل نہ مانگ لے۔ مولانا عبدالوہاب صاحب! آپ آج ختمِ نبوّت کی دلیلیں دے رہے ہیں۔ مجھے ڈر ہے کہ زندگی کہیں اس منزل پر نہ پہنچ جائے کہ خدا کے وجود کی دلیل طلب کی جائے۔ کہیں آپ کو خدا تعالیٰ کے توحید کی دلیل نہ دینی پڑے اور طرہ یہ ہو کہ دلیل مانگنے والا کلمہ پڑھنے والا ہو۔

خود ساختہ نبی

کیسے کیسے خود ساختہ نبی بنیں گے اور جب خود ساختہ نبیوں کی فہرست مکمل ہو جائے گی تو ایک آئے گا کبریائی کا دعویٰ لے کر۔ دجال آخر میں آئے گا نا کبریائی کا دعویٰ لیے ہوئے۔ بھلا دلائل ان طوفانوں کو کہاں تک روک سکتے ہیں۔ مجھے تو مسلمانوں سے کہنا ہے کہ ارے نادانو! کیا یہ بات بھی دلیل کی محتاج تھی۔ بعض عقیدے ایسے ہوتے ہیں جو انسان کے دل و دماغ میں اتنے راسخ ہوتے ہیں کہ اس پر کلام کرنا اس کی دلیل چاہنا فہم و فراست کا دیوالیہ سمجھا جاتا ہے۔

خاتم النبیین کا نیا معنی

تو اچھی طرح یاد رکھنا کہ ایک اسلم راستہ ہے اور ایک سالم راستہ ہے۔ نیز ایک کجی والوں کا راستہ، جو عقائد کے ایوانوں میں شگاف پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ خاتم النبیین کا معنی کیا ہے؟ میں آپ سے پوچھتا ہوں خاتم النبیین کا معنی آج تک آپ نے کیا سمجھا؟ آخری نبی کو آج تک کے کلمہ پڑھنے والے کیا سمجھتے رہے؟ آخری نبی۔ تو رسول کہہ رہے ہیں خاتم النبیین کے معنی آخری نبی۔ صحابہ نے کیا بتایا؟ آخری نبی۔ مولانا نے احادیث کی روشنی میں کیا بتایا؟ آخری نبی۔ تو رسول بتا رہے ہیں خاتم النبیین کے معنی آخری نبی۔ صحابہ کہہ رہے ہیں خاتم النبیین کے معنی

آخری نبی۔ تابعین کہہ رہے ہیں خاتم النبیین کے معنی آخری نبی۔ تبع تابعین کہہ رہے ہیں خاتم النبیین کے معنی آخری نبی۔ سارے صالحین کہہ رہے ہیں خاتم النبیین کے معنی ہیں آخری نبی۔ ائمہ مجتہدین کہہ رہے ہیں خاتم النبیین کے معنی ہیں آخری نبی۔ اب کبھی زمین سے کوئی اُگ آئے اتفاقیہ اور وہ کہے نہیں جی۔ یہ سب جو بول رہے ہیں سب غلط بول رہے ہیں کہ خاتم النبیین کے معنی ہیں آخری نبی۔ یہ عوام کا خیال ہے۔

تو آپ کیا کہیں گے؟ اس کو امام مانیں گے؟ اس کو پیشوا مانیں گے؟ ارے اگر کوئی بڑا دارالعلوم بنالے تب بھی نہیں مانو گے۔ آپ اسے نہیں مانیں گے اور دو چار ہزار طالب علم بھی پڑھیں، تب بھی نہیں مانیں گے۔ مولانا عبدالوہاب صاحب اگر کہہ دیں کہ خاتم النبیین کے معنی آخری نبی نہیں، تو مانیں گے؟ آپ ان کو اتنی موٹی کتاب سے ثابت کردیں تو مان لیجئے گا؟ ہمارے حضرت استاذ العلما۔ اگر کہہ دیں کہ قرآن کریم میں جو خاتم النبیین ہے اس کے معنی آخری نبی نہیں مان لیجئے گا؟ کوئی اپنے وقت کا بڑا محدث آجائے۔ وہ کہے تو؟ مفکر آتے وہ کہے تو؟ مفتی آتے وہ کہے تو؟ اور اگر اتفاق سے آپ کے پیر صاحب ہی کہہ دیں تو؟ اور اگر آپ کا استاذ کہہ دے تو؟ ہر جگہ آپ کا یہی جواب ہے کہ نہیں، نہ رہ گے۔ نہیں مانیں گے۔ معلوم ہوا کہ یہ عقیدہ آپ کے ذہن میں ایسا راسخ ہے کہ بڑے سے بڑا معلّم یا معلم الملکوت بھی کہے، تو بھی نہیں مانیں گے۔

غلام احمد قادیانی اور قاسم نانوتوی

خاتم النبیین کے معنی آخری نبی ہے۔ یہ ہمارا سب کا ایمان ہے۔ اسی پر صحابہ کا اجماع ہے، اسی پر تابعین کا اجماع ہے۔ اسی پر امت کا اجماع ہے۔ یہی رسول کریم کی تفسیر ہے۔ یہ محکم ہے، متشابہ بھی نہیں ہے۔ یہ مقطعات میں سے بھی نہیں ہے کہ جس کے سمجھنے میں دشواری ہو۔ آپ خفا ہو گئے ٹھیک ہی ہو گئے۔ اب آؤ گہرائی میں اتر کر غور کرو کہ مرزا غلام احمد قادیانی کا تصور کیا ہے؟ یہی نا کہ وہ رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو خاتم النبیین

مانتا ہے، مگر خاتم النبیین کے معنی آخری نبی نہیں مانتا اور اگر آخری نبی مان لے تو پھر اس کی نبوت کا دروازہ بھی تو بند ہو جائے گا۔

قادیانیوں کی طرف سے اخبارات میں بھی آپ کو تراشے ملتے ہیں کہ ہم رسول کو خاتم النّبیین مانتے ہیں۔ صرف اتنا کہہ دینے سے کیا ہوتا ہے؟ جبکہ کوئی قادیانی خاتم النبیین کا وہ معنی نہیں مانتا جو اجماعِ صحابہ سے ثابت ہے۔ جو اجماعِ تابعین سے ثابت ہے۔ جو ارشادِ رسول سے ثابت ہے۔ تو اصل میں بات یہیں سے پھوٹتی ہے۔ فوراً ہی کوئی نبوت کا دعویٰ کرے گا۔ پہلے خاتم النبیین کا معنی بدلے گا۔ جب معنی بدل جائے گا، تو پھر دعویٰ کا راستہ ملے گا۔ ایسا نہیں ہے کہ معنی خاتم النبیین کا آخری نبی ہو اور پھر قرآن کریم کو مان کر کوئی نبوت کا دعویٰ کرے ایسا نہیں ہو سکتا۔ تو پہلے معنی بدلا جائے گا، پھر دعویٰ کی راہ ہموار کی جائے گی۔

ایک سچی بات سناؤں۔ مرزا نے ابھی نبوت کا دعویٰ بھی نہیں کیا تھا اور اس نے ابھی خاتم النبیین کا معنی بھی نہیں بدلا تھا کہ ایک دوسرے بدلنے والے نے اس کا معنی بدل دیا۔ آپ نوٹ کر لیجئے اس کتاب کا نام "تحذیر الناس" ہے اور اس کے مصنف ہیں دارالعلوم دیوبند کے بانی مولوی قاسم نانوتوی۔ انہوں نے کہا ہے کہ خاتم النبیین کا معنی آخری نبی لینا یہ عوام کا خیال ہے یہ صحیح نہیں ہے۔ تیسرے صفحے میں یہ بات ہے، مکمل آپ دیکھ سکتے ہیں، تو ایک شخص نے راستہ بنایا دوسرے کو فائدہ ہو گیا۔

ارے میاں! جب دریا بہہ رہا ہو اور موجیں مار رہا ہو تو اس کے رُخ کو موڑنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ پانی نہ آئے اور بند بنا دیجئے، تو سیلاب سے محفوظ رہیے گا۔ پانی آگیا تو اب بند بنانے چلے ہو؟ سب سے پہلے معنی کے بدلنے والے نے جب معنی بدلا، اس کے خلاف کسی نے احتجاج کیا تھا؟ اس کے خلاف کسی نے اسٹرائک کیا؟ اس کے خلاف کوئی آواز بلند ہوئی؟ اب اسی معنی سے فائدہ اٹھانے والے ہمارے انڈیا کے بقلم خود کرشن جی کے پیچھے پڑے ہو۔

المختصر میں نے جس آیت کریمہ کی تلاوت کا شرف حاصل کیا ہے۔ وہ آیت کریمہ متشابہات میں سے ہے، اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ۔ تو اب اسلم راستہ کیا ہے؟ یہ کہہ دیا جائے کہ اس کی مراد خدا جانے یا اس کا رسول جانے اور سالم راستہ کیا ہے؟ اس کی ایسی تاویل کرو کہ جو شان والے کی شان نہ گھٹائے اور محکم آیت سے ٹکراؤ نہ ہو۔

عالم اَمر اور عالَم خلق

ان مباحث کو سامنے رکھ کر آؤ۔ ترجمہ سنو۔ اللہ زمینوں اور آسمانوں کا نور ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے، نور ایک جوہر بھی ہے اور عرض بھی۔ مثلاً آسمان نور ہے جوہر ہو کر اور در و دیوار پر بکھری ہوئی روشنی نور ہے، مگر عرض ہو کر اور رب تبارک وتعالیٰ ان تمام مادی کیفیات سے پاک ہے تو اللہ تعالیٰ کے نور ہونے کا کیا مطلب؟ اور اس کا ایسا ترجمہ سنو کہ یہ سوال ہی ذہن میں نہ آئے اَللّٰہُ مُنَوِّرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ اللہ زمینوں اور آسمانوں کو روشن فرمانے والا ہے۔ منور کرنے والا ہے۔ دیکھو ایک عالم امر اور ایک عالم خلق ہے۔ عالم امر اسے کہتے ہیں کہ جہاں رب کُن فرمادے چیز ہو جائے۔ وہاں اسباب و وسائل کا سوال نہیں ہوتا اور یہ جس عالم میں ہم ہیں یہ عالم خلق ہے جہاں ہر کام اسباب و وسائل کے ذریعہ ہوتا ہے تو روح عالم امر کی ہے اور جسم عالم خلق کا۔ حضرت آدم کی روح عالم امر کی تھی۔ کُن کہا اور روح ہو گئی اور پورا جسم جو تھا وہ عالم خلق کا تھا۔ فرشتوں سے کہا یہ بناؤ، وہ بناؤ۔ آگ، پانی، مٹی، ہوا سے ایسا مجسمہ بناؤ۔ یہ ترکیب، وہ ترکیب۔ تو دیکھو اس کے لیے ذرائع و وسائل اختیار کیے گئے۔ یہ انسان بھی عالم خلق کا ہے۔

پہلے بچہ تھا پھر ہوشیار ہوا، پھر جوان ہوا اور بوڑھا ہوا۔ تو یہ بڑھتا ہے، تھوڑا تھوڑا بڑھتا ہے۔ یہ اپنے وجود میں ذرائع کا محتاج ہے، اس لیے کہ یہ عالم خلق کا ہے۔ رب تعالیٰ عالم امر کا بھی خالق ہے اور عالم خلق کا بھی، مگر وہاں کن کہہ کر تخلیق فرماتا ہے اور یہاں اسباب و وسائل کے ذریعہ تخلیق فرماتا ہے۔ اس سنتِ الٰہیہ کو اپنے ذہن میں رکھو اور سنو کہ اللہ زمینوں اور آسمانوں کو منور کرنے والا ہے۔

تو اب ہمیں دیکھنا ہے کہ وہ کون سا چراغ ہے جس سے اللہ نے زمینوں اور آسمانوں کو روشن فرما دیا۔ آؤ چلیں۔ اس چراغ کو تلاش کریں کہ آخر اللہ نے کس چراغ سے ساری کائنات کو روشن کیا ہے۔ چلو ستاروں سے پوچھو۔ اے ستارو! کیا تمہیں وہ چراغ ہو جس سے زمین و آسمان روشن ہیں۔ ستارے کہتے ہیں نہیں نہیں، ہمارے اندر اتنی تابانی نہیں۔ اچھا اے چاند! تو ہی بتا دے کیا تو ہی وہ چراغ ہے جس سے ساری کائنات روشن ہے۔ تو چاند کہے گا ارے نہیں دیکھتے کہ روزانہ میرا آپریشن ہوتا رہتا ہے۔ ایک ہی دن تو میں پوری طرح سے چمکتا ہوں۔ ساری کائنات کو روشن کروں۔ ایسی روشنی مجھ میں کہاں ہے اور یہ بھی دیکھو کہ میری روشنی علمِ ہیئت والے کے نزدیک سورج کا فیضان ہے۔ سورج کی تابانی ہے۔ میرے پاس جو کچھ ہے مانگے کا اجالا ہے۔ میں کیا دوسروں کو روشنی دے سکوں گا؟ اب اس کے بعد ہم نے سوچا چلو سورج کے پاس۔ اے سورج کیا تو ہی وہ چراغ ہے جس سے خدا تعالیٰ ساری دنیا کو روشن فرما رہا ہے۔ تو سورج کہے گا ارے نادان! تو نہیں دیکھتا کہ میں آدھی دنیا کو روشن کرتا ہوں اور آدھی دنیا تاریک رہتی ہے۔ میں ظاہر کو روشن کرتا ہوں اور باطن تاریک رہتا ہے۔ دیکھو دیکھو میرے سامنے جب کوئی ابر حائل ہو جاتا ہے، تو میری روشنی ٹھہر جاتی ہے۔ میں بھلا ساری کائنات کو کیسے روشن کر سکتا ہوں۔ اب میں اس چراغ کی تلاش میں ہوں۔ زمین کو دیکھ رہا ہوں، آسمان کو بھی دیکھ رہا ہوں کہ روشن فرمانے والے وہ کونسا چراغ ہے جس سے تو نے ساری دنیا کو روشن فرما دیا۔ ہم تلاش میں دوڑ رہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ اس تگ ودو کو دیکھ کر سورج بھی سوچ رہا ہو گا کہ کتنا نادان ہے یہ انسان جو ہماری طرف تو آ رہا ہے اور جس نے ہمیں پلٹایا تھا، ادھر نہیں جا رہا ہے۔ چاند بھی سوچ رہا ہو گا یہ ہماری طرف تو دوڑ رہا ہے، مگر جس نے ہمیں ٹکڑے کیا تھا ادھر نہیں جا رہا ہے، اس کی نادانی کی انتہا نہیں۔

اے دوستو! ہم اسی تلاش اور اسی تگ ودو میں مصروف تھے کہ غیب سے آواز آئی کہ اے نادان! اگر تو سمجھنا چاہتا ہے کہ وہ چراغ کون ہے تو پڑھ: یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِنَّاۤ اَرْسَلْنٰكَ شَاهِدًا وَّ مُبَشِّرًا وَّ نَذِیْرًا وَّ دَاعِیًا اِلَى اللّٰهِ بِاِذْنِهٖ وَ سِرَاجًا مُّنِیْرًا۔

سراج منیر کون ہے؟

اگر تم اس چراغ کو سمجھنا چاہتے ہو جس چراغ سے اللہ نے زمین وآسمان کو روشن کر دیا تو دیکھو وہ سراج منیر ہیں، حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ جن کی تابانی، جن کی روشنی، جن کی ضیا سے ساری کائنات کو اللہ تعالیٰ نے عدل وانصاف، شرم وحیا، علم ومعرفت کے نور سے منور فرمادیا۔ اللہ تعالیٰ زمین وآسمان کا منور فرمانے والا ہے۔ اب دیکھو خود ہی قرآن ارشاد فرما رہا ہے کہ جس نور سے اللہ نے روشن کیا ہے۔ اس نور کی مثال یہاں ٹھہر کر اتنا اور سمجھ لیجیے کہ ایک ہے اللہ نور اور ایک ہے اللہ کا نور۔ تو اللہ نور ہے اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ سے ظاہر ہو گیا کہ اللہ زمین وآسمان کا نور ہے اور جس نور سے اس نے سب کو منور کیا وہ اللہ کا نور، اس کی طرف اشارہ گیا مثل نورہٖ سے یعنی اللہ تعالیٰ کے نور کی مثال۔ یعنی جس نور سے اللہ نے سارے زمانے کو منور کیا۔ اس نور کی مثال کیا ہے جیسے طاق ہے اس میں چراغ۔ اور وہ چراغ ایک فانوس میں ہے تو علماء کہتے ہیں وہ طاق ہے سینۂ محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور اس طاق کے اندر جو دلِ رسول ہے، وہ وہی چراغ ہے۔ وہ اللہ کا نور ہے جس سے ساری کائنات روشن ہے اور میرے رسول کا جسم وہ فانوس ہے جو نورِ الٰہی پر چڑھا ہوا ہے۔

اب سمجھ میں آ گیا کہ آیت میں اللہ کی مثال نہیں ہے، بلکہ اللہ کے نور کی مثال ہے۔ الحاصل رب تبارک وتعالیٰ نے اپنے چراغ کے ذریعہ ساری کائنات کو منور فرمایا۔ کیا قرآن کریم میں صراحتہً یہ نہیں ہے کہ رب تبارک وتعالیٰ نے اپنے لیے فرمایا۔ رب العالمین اور رسول کے لیے ارشاد فرمایا رحمۃ للعالمین۔ تو معلوم ہوا جہاں جہاں ربوبیت کا نور جا رہا ہے۔ وہاں وہاں رحمت کا رنگ بھی جا رہا ہے۔ ایسا نہیں ہو سکتا کہ خدا کسی کے لیے رب ہو اور رسول اس کے لیے رحمت نہ ہوں۔ ایک مثال مجھے چاہیے کوئی بتا دے کہ دیکھو خدا تو اس کا رب ہے اور رسول اس کی رحمت نہیں۔ ایسا نہیں ہو سکتا خدا جس کا رب رسول اس کے لیے رحمت ہیں اور یہیں سے اشارہ ہو گیا کہ اے نورِ الٰہی لینے والو! اگر تم کو نورِ الٰہی لینا ہے تو رنگِ مصطفوی لینا پڑے گا۔

اگر خموش رہوں کسی چراغ پر ایک رنگین فانوس چڑھا دو تو نور جائے گا تو کیا رنگ نہیں لے جائے گا۔ ایسا تو نہیں کہ نور نکل جائے اور رنگ رہ جائے۔ جب نور چلے گا تو اس کے ساتھ ساتھ رنگ بھی چلے گا۔ مگر نور ہوگا چراغ کا اور رنگ ہوگا فانوس کا۔ دیکھو یہ سفید فانوس ہے' اس میں سے سفید روشنی آرہی ہے۔ اگر یہ ہرا فانوس ہوتا تو ہری روشنی آتی، اگر نیلا فانوس ہوتا تو نیلی روشنی آتی۔ مطلب یہ ہے خدا اس کو اپنا نور نہیں دینا چاہتا جو مصطفےٰ کا رنگ نہیں لینا چاہتا۔ اگر تم مصطفےٰ کا رنگ لینا چاہو گے تو خدا کا نور ملے گا۔ تو رنگ ہوگا فانوس کا اور نور ہوگا خدا تعالیٰ کا۔ اَللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ۔

نور کی تشریح تو بہت زیادہ ہے، کہاں تک آپ کے سامنے عرض کروں۔ وقت کا بھی کچھ لحاظ کرنا پڑتا ہے۔ بس تھوڑی سی بات جو مجھے عرض کرنی تھی، میں نے آپ کے سامنے رکھ دیا۔ اور سچی بات تو یہ ہے کہ رسول کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی شان وہ ہے کہ آپ کو مخاطب کرکے یہی عرض کرنا زیادہ مناسب ہے کہ ؎

اگر خموش رہوں تو تو ہی سب کچھ ہے
جو کچھ کہا تو تیرا حُسن ہو گیا محدود

اب آپ بارگاہِ رسالت میں صلوٰۃ وسلام پیش کرنے کے لیے کھڑے ہو جائیں۔

عشق واخلاص کی معراج، جاں کا سوز اور دل کا گداز، اُردو ادب میں ایک نئے باب کا اضافہ، رنگا رنگ حسین تحریروں کا خوبصورت مرقع

زلف و زنجیر

○ مخالفوں نے مولینا احمد رضا خاں بریلوی (رحمۃ اللہ علیہ) پر شرک، بدعت اور رسوم کو رواج دینے کا الزام عائد کیا۔

○ اور ——— فاضل بریلوی زندگی بھر شرک، بدعت، رسوم اور خلافِ شرع امور کے خلاف جہاد کرتے رہے۔

○ حقیقت کیا ہے اور افسانے کیا تراشے گئے۔

○ ممتاز اہل قلم اور صاحب طرز مصنف سید محمد فاروق القادری نے اس موضوع پر قلم اٹھایا ہے۔

فاضلِ بریلوی اور امورِ بدعت

○ منہ بولتے حقائق کا مرقع جس میں برصغیر کی پوری مذہبی تاریخ سمٹ آئی ہے

○ دیوبندی اختلافات کا پس منظر۔

○ غیر ذمہ دارانہ تحریروں اور غیر متوازن تقریروں نے کیا کیا ستم ڈھائے۔

○ عشقِ رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی تحریک جس نے مسلمانوں کے دل میں روحِ محمد صلے اللہ علیہ وسلم کو زندہ رکھا۔

○ امام احمد رضا خاں بریلوی کے علمی کارناموں کا بھرپور تذکرہ۔

فاضل بریلوی اور امورِ بدعت اپنے موضوع پر ایک خوبصورت کتاب۔

آفسٹ طباعت، اعلیٰ سفید کاغذ، سنہری ڈائی دار جلد، صفحات 276، سائز کلاں قیمت 100/=

ناشر: رضا پبلی کیشنز ○ ۱۸۶۔ انار کلی۔ لاہور ۲

اربعین حنفیہ
مؤلف
محمد شریف نقشبندی
ضیاء المصطفیٰ قصوری